غذر، گلگت بلتستان

(ماضی و حال کے آئینے میں)

تحقیق و تالیف

محمد جان

مومن آباد اشکومن ضلع غذر، گلگت بلتستان

Email: mohdjan21@gmail.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں!

(نوٹ) اس کتاب کا کوئی حصّہ یا متن کی کاپی کرنے سے پہلے مصنف سے پیشگی اجازت ضروری ہے بصورت دیگر قانونی کارروائی ہوگی۔

ضابطہ:

کتاب	:	سرزمین غذر (ماضی و حال کے آئینے میں)
مصنف	:	محمد جان (03155580623)
بارِ اوّل	:	مئی 2012ء
کمپوزنگ اینڈ گرافکس	:	محمد جان
تعداد	:	300
قیمت	:	=/300روپے
سرورق	:	فرہاد علی میگا گرافکس الجناح مارکیٹ گاہکوچ، غذر
پرنٹرز	:	

تقسیم کنندہ:

- ☆ نارتھ نیوز ایجنسی مدینہ سپر مارکیٹ، گلگت
- ☆ اسٹیشنری اینڈ بکسٹال مین بازار چٹورکھنڈ اشکومن
- ☆ کاروان فکروادب گاہکوچ، حلقہ ارباب زوق گلگت
- ☆ ہمدرد بک ڈپو گاہکوچ، غذر، غذراسٹیشنرز مین بازار گاہکوچ
- ☆ الرحیم اسٹیشنرز مین بازارگوپس
- ☆ اسٹیشنری اینڈ جنرل سیلز پوائنٹ، ایمت، فیض آباد اشکومن
- ☆ اسٹیشنری اینڈجنرل سیلز مین بازار یاسین، تھوئی، سلگان
- ☆ اسٹیشنری اینڈجنرل سیلز سکردوبلتستان
- ☆ المرتضیٰ بک سنٹر نیوگھڑی بازار گلگت
- ☆ بک ہوم ہنزہ نگر، چلاس، دیامر، گانچھے استور

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

انتساب

شہدائے غذر کے نام جنہوں نے
اس پاک دھرتی کیلئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا‘
والدین کے نام جنہوں نے مجھے زیور تعلیم سے آراستہ کیا‘
اپنی اہلیہ شاہانہ بی بی کے نام
جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں تکنیکی اور علمی معاونت کی
اور
اپنے بیٹے محمد اذلان علی کے نام

☆☆☆

فہرست وعنوانات

نمبر شمار	عنوانات		صفحہ نمبر
1	تخلیقی کام	پروفیسر ڈاکٹر شاہد احمد راجپوت	1
2	پیش لفظ	شیر باز علی برچہ	3
3	خراج تحسین	راجہ محمد ناصر ڈائریکٹر اکیڈمکس گلگت بلتستان	4
4	تاریخی کاوش	محمد کمال‘ ڈپٹی کمشنر‘ غذر	6
5	سرزمین غذر‘ میری نظر میں	عبدالکریم کریمی	8
6	تعارف		10
7	نام و پس منظر		14
8	جغرافیائی محل وقوع اور انتظامی تقسیم		15
9	رقبہ وآبادی		19
10	معیشت وتجارت		23
11	قدرتی وسائل		23
12	آب وہوا		24
13	فصلیں اور خوراک کے ذرائع		25
14	اہم پہاڑ اور پہاڑی سلسلے		25
15	گلیشیرز اور جھیلیں		26
16	اہم دریا		32
17	قدرتی چشمے		33

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

18	وادیاں	34
19	اہم درّے	49
20	جنگلی اور پالتو جانور	51
21	درخت' پھول اور سبزیاں	52
22	معدنیات	52
23	بڑے بڑے گاؤں	53
24	تاریخی پس منظر	104
25	جنگ مُدوری	109
26	سیاسی حالات	113
27	غذر اور چترال	115
28	پونیال کی جاگیر	117
29	عوامی انقلابی تحریک پونیال	121
30	ورشگوم (یاسین) کے سیاسی حالات	123
31	اشکومن کے ساتھ روابط	133
32	کوہ (گوپس) اور غذر	136
33	سیاسی شخصیات پر ایک نظر	137
34	گلگت کے ساتھ تعلقات	140
35	گلگت بلتستان میں اس علاقے کا کردار	144
36	انگریزی نظامِ حکومت	147
37	قیامِ پاکستان کے اثرات	148

38	اسلام کی آمد	150
39	اسلامی مسالک	157
40	ادبی سرگرمیاں اور صحافت	158
41	آثار قدیمہ	159
42	ثقافتی تہوار و رسومات	168
43	مذہبی تہوار و تقریبات	200
44	زبانیں	201
45	ذاتیں اور قبیلے	207
46	تعمیرات اور فن تعمیرات	214
47	نجی اِداروں کا کردار	215
48	تعلیمی ارتقاء	216
49	حوالدار لالک جان شہید	220
50	مشہور شعراء و موسیقار	222
51	اہم شخصیات	240
52	سماجی و معاشرتی ترقی	242
53	شہیدوں اور غازیوں کی خدمات	243
54	غذر کا مستقبل' مواقع اور خدشات	245
55	اصطلاحات کے معنی و مفہوم	250
56	حوالہ جات اور ببلیوگرافیز	254

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تخلیقی کام

زیرِنظر کتاب' از محمد جان' پڑھ کر انتہائی خوشی اور اطمینان ہوا۔خوشی اِس بات پر کہ پاکستان کے ایسے دور افتادہ مقام کے بارے میں ایک جامع تحقیقی مقالہ پڑھنے کو مِلاجہاں تاریخ ' ادب' شاعری' عصر حاضر اور مستقبل کے بارے میں مصنف کے احساس اور پُرعزم تجربہ اور حوصلہ جگہ جگہ بکھرا نظر آتا ہے۔ اطمینان اِس بات پر کہ یہ کتاب پڑھنے کے بعد صرف ایک شعر میرے ذہن میں آتا ہے۔ ے

بہت دِل خوش ہوا حالؔی سے مِلکر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

حقیقت یہ ہے کہ میں اِس کتاب کے پڑھنے سے پہلے یہی سمجھتا رہا کہ میں گلگت بلتستان کے بارے میں بہت اچھی طرح واقف ہوں۔لیکن اب میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ میری خام خیالی تھی۔ وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ زیادہ تر کتابیں شمالی علاقہ جات(گلگت بلتستان) پر عمومی طور پر لکھی جاتی وہی ہیں اور اِس طرف مصنف نے بھی اشارہ کیا ہے۔

یہ کتاب محمد جان نے انتہائی عرق ریزی اور ذمہ داری کے ساتھ مرتب کی ہے۔ اِس کتاب کے آخر میں مأخذ کی فہرست بھی بہت زیادہ سودمند اور قابل تعریف کام ہے جو آئندہ کے لکھاریوں کیلئے ایک گرانقدر سرمائے کا کام دے گا۔کتاب میں مصنف نے جگہ جگہ اشارہ کیا ہے کہ فلاں موضوع اور فلاح جگہ کے بارے میں آئندہ لکھا جائے گا۔ یہ اشارہ ایک طرف تو مصنف کے آئندہ کے پروگرام کے بارے میں خوشخبری دکھائی دیتا ہے اور دوسری طرف قارئین' بالخصوص گلگت

بلتستان کے قارئین اور نوجوان نسل کو کئی نئے موضوعات فراہم کرتا ہے کہ وہ بھی آگے بڑھ کر اپنے ملک پاکستان کے خوبصورت ترین شمالی وادیوں کے بارے میں یوں ہی قلم اٹھا کر میدان میں اُتریں۔

یہ کتاب ملک کے حکمرانوں' خاص طور پرگلگت بلتستان کے حکمرانوں کو مکمل روڈمیپ برائے ترقی وخوشحالی فراہم کرتاہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے محمد جان کے روڈ میپ کی روشنی میں گلگت بلتستان کی ترقی کیلئے سنجیدہ پراجیکٹ بنائے جائیں اوراِن علاقوں کو آس پاس کے شہروں اور ممالک سے سڑکوں کا جال بچھا کر جوڑ دیا جائے۔ یہاں کی معدنیات جو آج تک چھپی پڑی ہیں اُنہیں ایک قیمتی خزانہ سمجھا جائے اور اِس کے حصول اور استعمال کی سنجیدہ کوشش کی جائے تاکہ پاکستان دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر سکے۔

مصنف کا انداز بیان سادہ اور دلچسپ ہے۔کتاب ایک بار ہاتھ میں اُٹھالیں تو رکھنے کو دِل نہیں چاہتا۔ میں محمد جان کو اُن کی اِس کاوش پر مبارکباد دیتاہوں اور اُمید کرتاہے کہ وہ آئندہ آنے والے برسوں میں اِس قسم کے مزید کارنامے سرانجام دیں گے۔ یہ بھی دُعا ہے کہ محمد جان اور اُن جیسے مزید نوجوان اِس کتاب جیسے بہت سے سنگ میل تخلیق کریں جن سے پاکستان کا نام روشن ہو اور پورے ملک میں امن بھائی چارے اور محبت کا سماں پروان چڑھتا رہے۔ امین

پروفیسر ڈاکٹر شاہد احمد راجپوت
چیئرمین ڈیپارٹمنٹ آف ہسٹری اینڈ پاکستان سٹڈیز
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پیش لفظ

جناب محمد جان ایک ابھرتا ہوا قلمکار ہے۔ آپ کی ایک کتاب (وادی اشکومن) یکم مارچ ۲۰۱۰ء کو منظر عام پر آئی۔ یہ آپ کی پہلی تصنیف ہے جو آپ کی پہچان بن گئی۔ اب ٹھیک ایک برس بعد غذر کی تاریخ، جغرافیہ اور ثقافت پر دوسری کتاب مارکیٹ میں جلوہ گر ہے۔ یوں آپ گلگت کے ذودنویس قلمکار کے طور پر سامنے آگئے ہیں۔ غذر پر کتابیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وادی غذر پر ریسرچ کرنے والے حضرات کو بہت مشکل پیش آتی ہے۔ جناب محمد جان نے اس کمی کا کافی حد تک ازالہ کیا ہے۔

جان صاحب فنِ تحقیق سے کماحقہٗ آگاہ ہیں۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب جان صاحب نے پیش نظر کتاب کا بیضہ (Sketch) راقم کو دکھایا۔ حوالاجات اور حواشی اقتباسات اور انٹرویوز نے کتاب کی ثقاہت (Concreteness) کو ثابت کیاہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ آپ تحقیق کے میدان میں نم روک (Watertight) احتیاط برتیں گے۔

یہ کتاب محققین کے لئے فرہنگ جغرافیہ کا کام دے گی۔ فاضل مصنف نے غذر کے ایریا پروفائل کو دلکش انداز سے پیش کیا ہے۔ جان صاحب اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں نگری نگری گھومتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ غذر کے ہر گاؤں پر مختصر ایریاپروفائل (Area-Profile) مرتب کریں۔ یہ ایک قومی خدمت ہوگی۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

شیرباز علی خان برچہ

چیف لائبریرین پبلک لائبریری گلگت

خراج تحسین

سرزمین غذر گلگت بلتستان کے قدیم تاریخی علاقوں میں سے ایک ہے۔ تاریخی لحاظ سے یہ علاقہ گلگت اور چترال کے ساتھ وسطی ایشیائی علاقوں کیلئے دروازے کی حیثیت رکھتاہے۔ ماضی میں غذر اپنے سیاسی و معاشی اہمیت کے پیش نظر حکمرانوں کیلئے بہت اہم رہا ہے۔ یہ سرزمین مردم خیز اور قدرتی وسائل سے مالامال ہے۔ گلگت بلتستان کی آزادی اور سرزمین پاک کیلئے اس علاقے کی نوجوانوں کی قربانیاں بہت زیادہ ہیں۔ نشان حیدر کا سب سے بڑا اعزاز بھی یہاں کے ایک سپوت نے حاصل کیا یہی وجہ ہے کہ اس علاقے کے نوجوان ملک و قوم کی خدمت میں پیش پیش ہیں۔

ادبی دنیا میں گلگت بلتستان کے لکھاریوں نے بہت اہم خدمات پیش کی ہے۔ شاعری، نثر اور دیگر صنفِ ادب میں کتابیں سامنے آرہی ہیں۔ اس سلسلے میں بلتستان کے لوگ بہت آگے ہیں۔ ہنزہ اور گلگت کے لکھاری بھی مشہور ہوچکے ہیں۔ گلگت بلتستان کے دیگر علاقے بشمول غذر ادب کی دنیا میں کافی پیچھے ہیں۔ کتاب بنی اور ادبی سرگرمیاں ان علاقوں میں بہت کم ہورہی ہیں لیکن اب اس شعبے میں بھی ان علاقوں سے نوجوان سامنے آرہے ہیں۔ 'سرزمین غذر' لکھ کر محمد جان نے بہت اچھا اور قابل تعریف کام کیاہے۔ ہم ان کی اس کاوش کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ آپ نے یہ کتاب لکھ کر غذر کیلئے ایک تحفہ دی ہے۔ آپ کی کتاب غذر کی اولین تحقیقی کتابوں میں سے ایک ہوگی۔ اس علاقے کے بارے میں زبانی کلامی تاریخی مواد تو دستیاب ہے لیکن اس طرح کتاب کی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

صورت میں بہت کم دیکھا گیاہے۔ اس طرح کی کاوشوں سے نئی نسل خاص طورکر گلگت بلتستان کے سکولوں میں اساتذہ اور طالب علموں کو بھی اس قسم کے صحت مندانہ سرگرمیوں کی طرف راغب کرایا جاسکے گا۔ اس طرح کے تحقیقی کاموں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے تاکہ نئی نسل کے لوگ اپنے علاقوں سے روشناس ہوسکے۔

میں آپ کی اس کوشش کو داد دیتاہوں اُمید ہے اس کتاب سے اس علاقے کے بارے میں لکھنے والے محققین، اسکالر اور طالب علموں کو اچھا خاصا مواد ملے گا اور یہ کتاب اس حوالے سے سنگ میل ہوگی۔ میں پڑھے لکھے خواتین وحضرات خاص طور پر طالب علموں سے امید رکھوں گا کہ وہ اس طرح کے ادبی کاموں میں اپنا کردار ادا کریں تاکہ آنے والی نسل کو ہماری تاریخ، ثقافت اور روایات کا صحیح علم ہوسکے۔

سرزمین غذر سے اس طرح کے ادبی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر میں آپ اور آپ کی طرح کے دیگر لکھنے والے دوستوں کو مبارکباد پیش کرتا ہو۔ اللہ آپ کومستقبل میں اس سے بھی بہتر ادبی خدمات دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

راجہ محمد ناصر ڈائریکٹر (اکیڈمکس) محکمہ تعلیم
حکومتِ گلگت بلتستان

تاریخی کاوش

سرزمین غذر، گلگت بلتستان کے اہم علاقوں میں سے ایک ہے۔ جنگ آزادی اور قیام پاکستان کے لئے اس علاقے کے لوگوں نے بہت قربانیاں دی ہیں۔ 1965ء ہو یا 1971ء کی پاک بھارت جنگیں یہاں کے سپوتوں نے بلند جذبے، ولولے اور جانثاری کی اعلیٰ مثالیں قائم کئیں۔ مملکت پاکستان پرمشکل اوقات میں ان علاقوں کے نوجوانوں نے اپنی جانوں کانذرانہ دے کر اس کی سرحدوں کی دفاع کی۔ جنگ کارگل میں اس علاقے سے 80 نوجوان شہید ہوئے۔ ہمت وجرأت کی ایک اور مثال حوالدارلالک جان نے قائم کی جواس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ گلگت بلتستان کی تاریخ میں پہلے 'نشان حیدر' کا اعزاز بھی اس علاقے کوملااس وجہ سے اس وادی کو وادی شہداء بھی کہتے ہیں۔ ان جنگوں کے بعدملک دشمن عناصر کے خلاف برسر پیکار پاک فوج کے ہراوّل دستے میں یہاں کے نوجوانوں نے اپنی جانوں کی قربانی دی ہے۔

گلگت بلتستان کی تعمیرو ترقی میں غذر کے سپوتوں کا بڑا کردار ہے۔ تعلیمی، سماجی، معاشی، ثقافتی اور کھیلوں کے میدان میں اس علاقے کا ٹیلنٹ سامنے آرہاہے۔ غذر کی تاریخ بہت پرانی اور اہم تاریخی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ وکٹورین اور بعد وکٹورین رپوٹروں نے اس علاقے کی خفیہ رپورٹوں میں اہم دستاویزات لکھی ہیں ان تمام کے بارے میں مورخین نے اپنی کتابوں میں تذکرہ کیاہے۔ غذر کی تاریخ پراب تک کوئی الگ کتاب نہیں تھی۔ نوجوان اسکالر محمد جان نے اس کمی کو پورا کیا ہے میں ان کی اس کاوش کو بہت خراج تحسین پیش کرتاہوں کہ نایاب مواد کے باوجود اہم حوالہ جات کے ساتھ یہ کتاب رقم کی ہے۔ اس کتاب سے آنے والی نسلیں اپنی تاریخ سے آگاہی حاصل کریں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب غذر کی تاریخ کی پہلی کاوش کے طور پر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دیکھی جائے گی اور نوجوان اس کام کو تحقیقی بنیادوں پر آگے بڑھانے کی سعی کریں گے۔ میں اس کتاب کے مصنف کو اس اہم کام کی تکمیل پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ قیام امن اور ملک کی تعمیر و ترقی میں اس طرح کے تحقیقی کام سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سرزمین غذر تاریخ میں امن کی سرزمین رہی ہے آنے والے وقت میں یہاں کے نوجوان اس طرح کے صحت مندانہ کاموں میں حصہ لیکر پورے سماج کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

اس کتاب میں مصنف نے انتہائی محنت اور لگن سے تاریخی پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ خاص کر یہاں کے قدیم ثقافتی و روایتی تہواروں کا پس منظر اور پیش منظر دلچسپ اور نتائج سے بھرپور ہے۔ روایتی اور حوالہ جاتی تاریخ نمایاں طور پر آپ کو اس علاقے کی تاریخ سمجھنے میں مدد ملی گی۔ موصوف نے انتہائی مہارت اور غیر جانبداری سے حالات و واقعات کا ذکر کیا ہے جو اس علاقے میں رونما ہوچکی ہیں۔

بار دیگر مصنف کی اس کاوش کو ہم خراج تحسین اور مبارک باد دیتے ہیں۔

محمد کمال
ڈپٹی کمشنر، ضلع غذر

سرزمین غذر، میری نظر میں

نوجوان قلم کار جناب محمد جان کی کتاب ''سرزمین غذر، ماضی وحال کے آئینے میں'' کا مسودہ میرے زیر مطالعہ رہا ہے۔

سرزمین غذر کے بارے میں جتنی تحقیقی کاوشیں ملکی و غیر ملکی محققین نے اب تک کی ہیں وہ ابھی نایاب ہیں۔ جو دستیاب ہیں وہ زیادہ تر یہاں کی سیاسی، معاشی، معاشرتی و ثقافتی اور کچھ فکری احوال سے متعلق ہیں۔ جبکہ مقامی قلم کار اب تک اس انتہائی اہمیت کے حامل ضلع پر قلم اُٹھانے سے قاصر رہے ہیں۔ محمد جان صاحب اس لئے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اُنہوں نے اس تحقیق کے دوران جو کچھ بھی مواد جہاں کہیں سے بھی دستیاب ہوا ہے، اسے تاریخ وار مراحل میں ترتیب دینے اور علاقہ جاتِ غذر کو یکساں کورتیج دینے کی بے حد اچھی کاوش کی ہے۔ سب سے اہم بات یہ کہ اِس اوّلین کاوش میں عہد قدیم کے تاریخی پس منظر کو ان علاقہ جات کی مستند زبانی روایات اور تاریخی سندات و مسودات کے ذریعے اور خصوصاً ملکی و بین الاقوامی تاریخ دانوں اور سیاحوں کی مستند کتابوں کے حوالہ جات سے بیان کیا ہے۔

اِس ابتدائی کاوش کے ذریعے ان قدیمی اور پُرانی تہذیبوں اور تنگ و تاریک وادیوں میں نظام حکومت اور راجوں اور رعایا کے بارے میں عدم معلومات کا جو احساس باسیانِ غذر میں بالخصوص اور اہالیانِ گلگت بلتستان میں بالعموم پایا جاتا رہا ہے وہ احساسِ تشنگی اس شاہکار کتاب کے مطالعے سے بہت حد تک کم ہو جائے گا۔

الختصر.......... محمد جان صاحب محبت کرنے والے ایک نوجوان قلم کار ہیں۔ مقامی تاریخ ان کا پسندیدہ مضمون ہے۔ اس سے پہلے ان کی اوّلین کتاب ''وادیِ اشکومن'' منصۂ شہود پر آکر اچھی خاصی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب '' سرزمین غذر''

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ان کی دوسری قلمی کاوش ہے۔

میں اپنی اور کاروانِ فکرو ادب کے تمام اراکین کی جانب سے ان کو ایک تحقیقی کتاب کی اشاعت پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور بعد میں لکھنے والے مورخین اِس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

''صلاح عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لئے''

مخلص شما

عبدالکریم کریمی

صدر

کاروانِ فکر و ادب۔ غذر

چیف ایڈیٹر سہ ماہی 'فکرونظر' گلگت بلتستان

تحریر: ۲۱؍ مارچ ۲۰۱۱ء (نوروز)

تعارف

انسان کی تخلیق کا سب سے بڑا مقصد اس کی جستجو، تدبر و تفکر ہے اِس وجہ سے اُس کو اللہ تعالیٰ نے عقل جیسی نعمت سے نوازا۔ عقل و شعور کی نعمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسان ہمیشہ جستجو اور کوشش میں رہے۔ وہ فطرت اور کائنات کی ہر شے کو تخلیق کی نظر سے دیکھتا رہے جس چیز پر غور کرے اس کا اظہار بھی کرے۔ اظہار کی صورت میں اس کے خیالات معاشرے تک پہنچتے ہیں اور وہ اس معاشرے کا جزو بن کر اگلی نسل کیلئے مشعل راہ ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ قوموں نے نہ صرف فطرت و کائنات پر غور و فکر کی بلکہ جہاں وہ پیدا ہوئے اس علاقے کی تاریخ وثقافت اور علم ادب پر بھی قلم اٹھایا۔ اس وجہ سے ان کی اپنی اور سرزمین کی تاریخ محفوظ ہوگئی۔ آج کسی ملک وقوم کی بقا وپہچان ان کی تاریخ ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام ہمیشہ انسانی تہذیب کی تاریخ و ثقافت کی بنیاد پر ان سے مخاطب ہوتاہے۔ پچھلی قوموں کا تذکرہ اس لئے کیا گیاہے تاکہ آنے والی قومیں سبق حاصل کریں اس حقیقت کیجانب علامہ اقبالؒ نے بہت خوبصورت انداز میں اشارہ کیاہے ۔

آتی ہے دم صبح صدا عرش برین سے
کھو گیا کس طرح تیرا جوہر ادراک
کس طرح ہوا کند تیرا نشترِ تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک
تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزا وار
کیا شعلہ بھی ہوتا غلام خس و خاشاک

اس پس منظر میں مشرقیوں کی عادت 'پدرم سلطان بودْ' کی طرح ہے۔ زبانی روایات کے سیلاب میں ان کی تاریخ خس وخاشاک سے بھی بدتر ہو چکی ہے۔ کرۂ ارض پر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جب ہم جنوبی ایشیاء کی بات کرتے ہیں تو چند انفرادی شخصیات کی قد آور کاوشیں نظر آتی ہیں۔ یہی وہ کاوشیں ہیں جو ان علاقوں کی پہچان بن گئیں۔ جن میں سرسید احمد خان،سلمان ندوی،شاہ ولی اللہ،علامہ اقبال جیسے مدبر شامل ہیں۔ بات کافی طول پکڑ گئی ہم اگر سلک روٹ کی بات کریں یا عظیم پہاڑی سلسلوں کی،بام دنیا ہو یا شندور کا بلند ترین پولوگراونڈ ان تمام کے بارے مغربی اسکالرز، سیاحوں اور خفیہ رپوٹوں کے تذکرے دستیاب ہیں۔ اسلام کی آمد کے چودہ سوسال بعد بھی ہم اس کے آفاقی تخلیقی پیغام سے آگاہ نہ ہوسکے۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے اختتام پر چند اسکالرز اس طرف متوجہ ہوئے اور ان علاقوں کی تاریخ رقم کی۔

گلگت بلتستان میں یہ خدمت قدرت اللہ بیگ، ڈاکٹر فریدون الزمان محمد شجاع ناموس، عبدالحمید خاور، پروفیسر احمد حسن دانی، شیر باز علی برچہ ،پروفیسر عثمان علی،پروفیسر منظوم علی، عبداللہ جان،سید یحییٰ شاہ، فدا علی ایثار ہنزوی اور دیگر اسکالرز نے سرانجام دی۔ سرزمین غذر اب تک اس تخلیقی کاوش سے محروم ہے۔ اس علاقے میں قابلیت کی کوئی کمی نہیں صرف قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ غذر کی سرزمین پر کچھ لکھنے کا خیال اسی وجہ سے آیا۔ غذر تاریخِ گلگت بلتستان میں کلیدی حیثیت رکھتاہے۔ سیاسی وجغرافیائی اہمیت روزروشن کی طرح عیاں ہے۔ گوہر امان سے لیکر جنگ آزادی گلگت تک اس علاقے کے حکمرانوں نے پورے گلگت بلتستان پرحکمرانی کی اور اہم نقوش چھوڑے۔ یاسین مڈوری قلعہ ہو یا گاہکوچ،شیر قلعہ ہویا گوپس ان کی تاریخی اہمیت مہتران چترال اور انگریزیوں اور ڈوگروں کو تھی یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے عظیم برطانوی سامراج کو روسی اور چینی سرحدوں تک پہنچایا۔ ان پہاڑی علاقوں میں بھی نو آبادیاتی نقوش چھوڑے جن کے اثرات آج تک ہیں۔ طبقاتی نظام،سیاسی جمہوری یورپی قوانین اور مغربی نظام تعلیم کی بنیادیں ان لوگوں نے رکھی۔ اقبالؒ کہتے ہیں ؎

کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

اس کتاب کولکھنے کے لئے غذر کے ہرچھوٹے بڑے گاؤں میں بزرگوں سے انٹرویوز کیئے تاریخی کتب کے ساتھ اخبارات اور میگزین سے بھی مدد لی زیادہ ترمعلومات زبانی روایات پر مشتمل ہیں۔ان تمام معلومات کی روشنی میں یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ تمام روایات، کہانیاں اور تاریخی مواد پرذاتی رائے بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اس اولین کاوش کوپسندفرمائیں گے۔قارئین کی تجاویزاورمشوروں کو خوش آمدید کہیں گے۔ اس کتاب میں ادبی،لسانی اوراملاح کی اغلاط پر نظر پڑے تومطلع فرمائیں۔ ؎

جو عالِم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ

'سرزمین غذر' کی کاوش کوتکمیل تک پہنچانے میں میرے کئی دوست واحباب نے مدد کی۔ ان میں ڈی سی غذر جناب محمد کمال ہیں جنھوں نے ملاقات کاشرف بخشاانتظامی معلومات کے ساتھ اس کاوش کی بہت حوصلہ افزائی کی۔ ان کے بعد نئے ڈی۔سی جناب شوزیب سعید صاحب گاہکوچ میں تعینات ہوئے۔ انہوں نے بھی اس کتاب کی کاوش کو سراہا اور اس کے لئے مفید تجاویز دی ۔ طریقہ بورڈ پونیال اشکومن کے اسکالرز اور لائبریری عملہ خاص شکریے کے مستحق ہیں۔الواعظ عبداللہ میر(شیرقلعہ)، محمداقبال (سنگل) کی معاونت اورعبدالکریم کریمی صاحب کی مشاورت اور کتاب پر تبصرے پر ان کا مشکور ہوں۔ شیرباز علی برچہ صاحب ہر وقت تحقیقی کاموں میں مدد اور مشاورت

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کرتے ہیں ان کا دروازہ ہمیشہ میرے لئے کھولا رہتا ہے علاقائی تاریخی کاوشوں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے یہ کتاب تکمیل تک پہنچی۔ راجہ محمد ناصر ڈائریکٹر اکیڈمکس گلگت بلتستان کا خصوصی شکریہ کہ اس کتاب پر تاثرات لکھنے کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی بھی کی۔ فرہاد علی میگا گرافیکس الجناح مارکیٹ گاہکوچ' غذر نے اس کتاب کی سرورق کی ڈیزائننگ کی ہے آپ کی شفقت اور معاونت ہمیشہ یاد رہے گی۔ اس کتاب پر تاثرات لکھوانے کیلئے غذر کے سیاسی راہنماؤں سے رابطہ کیا جناب گورنر' وزیر تعلیم اور نومنتخب ممبر قانون ساز کونسل کے ساتھ دیگر سیاسی لیڈروں کے پاس وقت نہیں تھی کہ وہ اس کتاب پر لکھ سکیں۔ اس وجہ سے مجھے بہت افسوس ہوا ۔ دست تعاون کے بجائے حیلے بہانے بناتے رہے۔ میں جناب ڈاکٹر شاہد احمد راجپوت چیئرمین ڈیپارٹمنٹ آف ہسٹری اینڈ پاکستان سٹیڈیز اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کا بہت مشکور ہوں میری حوصلہ افزائی کی۔اس کتاب کی تکمیل میں میری اہلیہ شاہانہ بی بی کا بڑا ہاتھ ہے جنہوں نے میری معاونت کی اور اس کے لئے وقت دیا۔کتاب کی تکمیل میں عبدالجہان صاحب کا خصوصی شکریہ جس کی مالی معاونت اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے اس کی اشاعت ممکن ہوئی۔

'ہم جانتے ہیں اہل قلم کہتے ہیں کیا کیا مانا کہ وہ کہتے ہیں ہم کچھ نہیں کہتے'
' گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں یہاں اب میرے رازدان اور بھی ہیں'

محمد جان رحمت جان
مومن آباد' اشکومن ضلع غذر' گلگت بلتستان
ای میل:mohdjan21@gmail.com
Facebook:mohdjan21@gmail.com

نام و پس منظر

پاکستان کے شمال میں تین عظیم پہاڑی سلسلے ہندوکش' قراقرم اور ہمالیہ واقع ہیں۔ ان پہاڑی سلسلوں کے دامن میں کئی ایک وادیاں اور نالے ہیں۔ 28 ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلے گلگت بلتستان کی سرزمین انہی سلسلوں میں واقع ہے اور اس میں سات ضلعے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد سے سن 2010ء تک پاکستانی وفاقی حکومتوں نے اس علاقے کو مختلف اوقات میں مختلف سیاسی سیٹ اپ دیا۔ گلگت بلتستان کے سیاسی وانتظامی معاملات میں ضلعوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور موجودہ وقت میں گلگت بلتستان کو سات اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں گلگت' دیامر' سکردو' گانچھے' استور' غذر اور ہنزہ نگر شامل ہیں۔

ضلع غذر' گلگت بلتستان کے شمال مغرب میں گلگت سے 72 کلومیٹر دور واقع ہے۔ گاہکوچ ضلع غذر کا دارالحکومت ہے۔ غذر نقشے میں شمال کیطرف 36°10'36.03"N اور مشرق میں 73°45'29.53"E واقع ہیں۔ غذر' یاسین (ورشگوم)، گوپس اور کھوہ کے علاقے کبھی کوہ غذر کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ قدیم زمانے میں گوپس کے تین حصے تھے۔ پہلا شندور سے آگے مستوج تک دوسرا چھشی سے شندور تک اور تیسرا ہوپر سے پنگل تک۔ 1895ء میں کوہ غذر کے ان علاقوں کو ملا کر ایک ریاست بنائی گئی جس کا نام کھوہ و غذر پڑ گیا وقت کے ساتھ ساتھ' کھوہ' کا لفظ غائب ہوا اور غذر مشہور ہو گیا۔

غذر اصل میں غیرز کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی راستے کے ہیں۔ ماٹوٹی پُل سے ٹیرو تک کے علاقے کو ماضی میں غیرز کہا جاتا تھا۔ اس نام کو بعد میں غذر کہاجانے لگا اور پورے ضلع کا نام یہی پڑگیا۔ 1974ء کو مملکت پاکستان جس میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت تھی' جناب ذوالفقار علی بھٹو نے پونیال' اشکومن' گوپس اور یاسین کے علاقوں کو ملا کر ایک نئے ضلع کا اعلان کیا اس ضلعے کا سرکاری نام ''غذر'' رکھا گیا غذر کا انگریزی تلفظ GHAZER ہے لیکن سرکاری طور GHIZAR لکھا جاتا ہے جوکہ پونیالی شینا کا لہجہ ہے۔ ضلع غذر کے تمام علاقے ماضی میں مختلف قوموں کی تسلط میں رہے ہیں۔ ان تمام علاقوں پر بیک وقت ایک ہی حکمران کی حکمرانی بہت کم رہی ہے۔ مثلاً یاسین (ورشگوم)' اشکومن (ہنی سارا)' پونیال (پویاں) گوپس (کھوہ) اور غیرز یعنی شمرن سے شندور کا علاقہ۔ ماضی میں الگ الگ ریاستوں کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے تھے۔ ان علاقوں پر زیادہ تر مہتر چترال کی حکمرانی رہی ہے۔ غذر کو 1978ء میں ایک بار پھر ضلع گلگت میں ضم کر دیا گیا۔ یکم دسمبر 1989ء کو حکومت وقت نے پھر اس ضلع کو بحال کیا جو اب تک غذر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ضلع غذر کو حوالدار لالک جان شہید نشان حیدر اور 86 دیگر شہداء (جنگ کارگل) کی وجہ سے وادی شہداء بھی کہتے ہیں۔ قیام پاکستان سے اب تک 307 افراد اس علاقے سے شہید ہو چکے ہیں۔ سرزمین پاکستان اور گلگت بلتستان کے لئے اس ضلع کے لوگوں کی خدمات اور قربانیاں بہت زیادہ ہیں۔

جغرافیائی محل وقوع اور انتظامی تقسیم

جغرافیائی اور دفاعی لحاظ سے غذر کے علاقے ہمیشہ اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ وسط ایشائی ریاستوں' چین اور افغانستان کے ساتھ واقع ہونے کی وجہ سے ان کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ غذر کے شمال میں افغانستان' واخان کی پٹی' مغرب میں چترال' جنوب میں داریل و تانگیر اور کلام کوہستان اور مشرق میں ضلع گلگت اور ضلع ہنزہ نگر واقع ہیں غذر چونکہ پہاڑی سلسلوں اور وادیوں پر مشتمل ایک ضلع ہے اس لئے اس کو مزید درجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے؛

میدانی علاقے

وہ تمام علاقے جہاں لوگ فصلیں اگاتے ہیں اور زیر کاشت ہیں ان کو میدانی علاقے کہا جاتا ہے۔ غذر کی تمام وادیوں میں زیادہ میدانی علاقے نہیں ہیں قابل کاشت زمینیں جہاں بھی ہیں کافی حد تک دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ میدانی علاقے زیادہ تر دریا کے ساتھ ساتھ واقع ہیں اس وجہ سے لوگ آسانی سے نہریں یا کھالیں نکال کر ان کو سیراب کرتے ہیں۔ گلاپور' شیر قلعہ' سنگل' بوبر' گاکوچ' ہاسس' ہاتون' چٹورکھنڈ' پکورہ' ایمیت' اشکومن' سال' راوشن' گوپس سنٹر' جنڈروٹ' یاسین پراپر' سندی' تھوئی' طاؤس' ہندور' درکوت' پنگل' بتریت' شمرن' پھنڈر' گلاغمولی اور شندور تک بہت زیادہ میدانی علاقے پائے جاتے ہیں اور یہی علاقے غذر کی معیشت کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جنوب مغربی پہاڑی علاقے

کلام کوہستان اور داریل تانگیر کے ساتھ ملحقہ علاقے زیادہ تر بنجر اور خشک ہیں اس وجہ سے ان علاقوں میں سبزاہٹ کم پائی جاتی ہے تاہم معدنیات اور قدرتی وسائل سے بھرپور ہیں۔ سطح مرتفع پہاڑی سلسلے ہونے کی وجہ سے ان علاقوں میں زیادہ جنگلات نہیں پائے جاتے ان علاقوں میں انسانی آبادی بھی بہت کم پائی جاتی ہے۔

شمالی پہاڑی علاقے

ہنزہ کے ساتھ ملحقہ پہاڑی سلسلے' شمال میں یارخنڈ' یاسین کے شمالی پہاڑی سلسلوں کے علاوہ پامیر اور کوہ ہندوکش کے پہاڑی علاقے بھی ان میں شامل ہیں۔ ان علاقوں میں کافی سردی ہونے کی وجہ سے سال میں ایک ہی فصل ہوتی ہے۔ پالتو اور جنگلی جانوروں کیلئے یہ علاقے بہت مشہور ہیں۔ ان علاقوں میں دوسری ریاستوں تک جانے کیلئے اہم درّے موجود ہیں ماضی میں اور اب بھی ان درّوں کے ذریعے لوگ مختلف

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جگہوں پر جاتے ہیں۔ وادی قرمبر اور درکوت ماضی میں اہم گزر گاہیں تھیں۔ ان علاقوں میں چراگاہیں اور جنگلات کافی پائے جاتے ہیں لیکن یہ جنگلات دیامر کے جنگلات کی طرح بہت وسیع نہیں۔ ان علاقوں میں جھیلیں اور گلیشیرز موجود ہیں۔ ان علاقوں میں بہت اہم پہاڑ بھی واقع ہیں جن میں مشہور پہاڑ نازبر (5628میٹر)، تھوئی (6318 میٹر)، درکوت (6518میٹر)، قرمبر (5909 میٹر) کالا پہاڑ (4609 میٹر) واقع پونیال، مشہور ہیں۔

انتظامی تقسیم

قدیم زمانے میں غذر سمیت دیگر علاقوں کی سیاسی اور جغرافیائی تقسیم کبھی بھی ایک نہیں رہی ہے۔ مہتران چترال کے زمانے میں یاسین، گوپس اور اشکومن چترال کے انتظامی حکمرانی میں تھے بعض اوقات یہ علاقے ریاست یاسین کی نگرانی میں رہے ہیں۔ اکثر یہ علاقے خودمختار ریاستیں بھی رہا کرتی تھیں۔ 1889ء میں گلگت ایجنسی بننے کے بعد بہرحال ان علاقوں میں تین طرح کے حکمران تھے۔ پہلا پولیٹیکل ایجنٹ دوسرا وزیر وزارت اور تیسرا وزارت گلگت کے افسر شاہی۔ مقامی راجے مہاراجہ کشمیر کی آشیرباد سے الگ اقتدار کے مزے لے رہے تھے۔ ماہرین 1935ء سے پہلے گلگت ایجنسی کے انتظامی ڈھانچے کا نقشہ اس طرح بتاتے ہیں۔

۱)۔ وزارت گلگت، بشمول استور، نیابت بونجی
۲)۔ جاگیر پونیال ۳)۔ ریاست ہائے ہنزہ نگر
۴)۔ گورنرشپ یاسین اور کوہ غذر ۵)۔ گورنرشپ اشکومن
۶)۔ چلاس ڈسٹرکٹ کے جمہوری قبائل
۷)۔ جنوبی پامیر کا تغدم بش کا علاقہ

اس انتظامی تقسیم کے باوجود غذر میں مقامی راجاؤں نے ہی حکمرانی کی۔ یکم نومبر

1972ء کو پولیٹکل ڈسٹرکٹ پونیال، اشکومن، اور گوپس یاسین سے ایف۔سی۔آر کے خاتمے کے ساتھ ہی پونیال اشکومن اور گوپس یاسین کا قیام ایک نوٹیفیکشن کے ذریعے ہوا۔ (پاکستان کا ثقافتی انسائکلو پیڈیا اور شمالی علاقہ جات۔ ص۔۱۳) ایف۔سی۔آر ایک بدنام زمانہ فرنگی قانون کا نام ہے جو انڈیا پاکستان کی تقسیم سے پہلے ہی انگریزوں نے ان شمالی مغربی علاقوں میں نافذ کیا تھا۔ یہ قانون پہلی بار 1872ء میں سات عنوانات کے تحت ساٹھ سے زیادہ شقات پر مبنی تھی اور 1901ء میں اس میں ترمیم ہوئی۔ آزادی کے بعد بھی پاکستان نے اس کو کچھ ترامیم کے ساتھ قبائلی علاقوں میں اس کو قائم رکھا جو بعض علاقوں میں آج بھی موجود ہے۔ اس نظام میں انسانی بنیادی حقوق کے لئے اپیل، وکیل اور دلیل کی کوئی اجازت نہیں۔

سب ڈویژن پونیال اشکومن

ضلع غذر دو سب ڈویژن پر مشتمل ہے ان میں سے ایک اشکومن پونیال ہے۔ یہ بیارچی سے شروع ہو کر شمال میں وادی اشکومن اور مغرب میں ہوپر تک پھیلا ہوا ہے سب ڈویژن کا انچارج اسسٹنٹ کمشنر ہوتا ہے اس ڈویژن میں اشکومن اور پونیال شامل ہے۔ ان کا رقبہ 4429مربع کلومیٹر اور آبادی 1998ء کی مردم شماری کے مطابق 64039نفوس پر مشتمل ہے جو اب تک اندازاً 78,000سے تجاوز کرگئی ہے

سب ڈویژن گوپس یاسین

ضلع غذر کا دوسرا سب ڈویژن گوپس یاسین کے علاقوں کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ یہ علاقے ہوپر سے شروع ہو کر شمال میں درکوت یاسین اور مغرب میں گوپس شندور کی سرحد تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان علاقوں کا کل رقبہ 7490مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 56179 لوگوں پر مشتمل ہے جو کہ اب تک اندازاً 70,000افراد سے بڑھ گئی ہو گی۔ اس ڈویژن کے اہم علاقوں میں سمال، روشن، گوپس، جنڈوٹ، پنگل، بتریت، شمرن، پھنڈر،

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

گلاغمولی' یاسین' سندی' درکوت' ہندور' تھوئی' سلطان آباد اور شندور شامل ہیں۔ اس ڈویژن میں بھی دو تحصیلیں ہیں' تحصیل گوپس اور تحصیل یاسین۔ یہ علاقے بھی قدرتی وسائل سے مالامال ہیں اور غذر کی معیشت میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔

اس وقت پورے گلگت بلتستان کا انتظامی سربراہ چیف سکریٹری ہے۔ ہر ضلع کا انتظامی سربراہ ڈپٹی کمشنر اور ہر ڈویژن کا انتظامی سربراہ اسسٹنٹ کمشنر ہوتا ہے۔ 2009ء کو صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری نے ایک صدارتی آرڈیننس جاری کیا جس کو 'خود مختاری اورمقامی طرزحکمرانی آرڈر 2009ء' کہتے ہیں۔ اس Self Governence Ordinance کے مطابق گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی اور گلگت بلتستان کونسل کا قیام عمل میں آیا ہے۔(آرڈیننس تعریف(ا) الف،ج) اس آرڈیننس کی روسے گلگت بلتستان اسمبلی کے کل 38اراکین ہونگے 24 ممبران حق رائے دہی سے،سات خواتین اورسات ٹیکنوکریٹ ہونگے۔(گلگت بلتستان آرڈیننس ، حصہ IV(ا) الف،ب، ج۔) غذر کے لئے تین نشستیں دی گئیں ہیں۔ شیر قلعہ سے شمال مغرب میں اشکومن کی سرحد تک غذر19 حلقہ نمبر1، بیارچی سے شندور کی سرحد تک غذر20 حلقہ نمبر3اورسمال سے یاسین کی سرحدات تک غذر۔21 حلقہ نمبر2' اس کے علاوہ گلگت بلتستان کونسل کے کل14 ممبران ہونگے جن میں چیئرمین بھی شامل ہیں۔ اس آرڈیننس کے مطابق گورنر کا عہدہ بھی دیا گیا ہے۔ چھے صوبائی وزراء وزیر اعلیٰ کے علاوہ مشیر اور معاون خصوصی بھی شامل ہیں۔ یہ سب اپنی جگہ لیکن تمام اختیارات کا منبع وفاقی وزیر اُمور کشمیر اورچیف سیکریٹری ہی ہیں...!

غذر ضلع کے قیام کے بعد1994ء سے ڈسٹرکٹ کونسل نے بھی کام شروع کیا اس سے پہلے ضلع گلگت کی زیرنگرانی یہ کونسل کام کر رہی تھی۔ غذر کے لئے ڈسٹرکٹ ممبران کی تعداد گیارہ ہے جن میں سے دو خواتین ہیں۔ان کا ایک ڈسٹرکٹ چیئرمین ہوتا ہے۔

یونین کونسلات کی تعداد پندرہ(15)اوراس کے علاوہ میونسپل کمیٹی کے چیئرمین اور ڈسٹرکٹ انتظامیہ الگ سے ہے۔

رقبہ و آبادی

غذر' گلگت بلتستان کے اہم جغرافیائی علاقوں میں سے ایک ہے۔ غذر رقبے کے لحاظ سے بھی کافی بڑا ضلع ہے۔ قدرت نے اس علاقے کو ہر طرح کے وسائل سے نوازا ہے۔ قطعہ زمین بھی انسان کو قدرت کی طرف سے ایک اہم نعمت ہے۔جس پر انسان اپنی رہائش اورقیام کا انتظام کرتا ہے۔پروفیسر عثمان علی کے مطابق ضلع غذر کا مجموعی رقبہ11911مربع کلومیٹر ہے۔ جوکہ مندرجہ ذیل نسبت سے ہے؛ پونیال' 1637 کلومیٹر، یاسین' 2258مربع کلومیٹر، گوپس' 5232مربع کلومیٹراوراشکومن' 2792مربع کلومیٹر رقبے پر مشتمل ہیں۔پروفیسر منظوم علی(2004ء) کے مطابق سب ڈویژن پونیال اشکومن4276مربع کلومیٹر اور گوپس یاسین 7496مربع کلومیٹر ہے۔ ڈی سی غذر کی معلومات کے مطابق غذر کا کل رقبہ 4602مربع میل ہے۔

غذر کی آبادی گلگت ایجنسی پولیٹیکل علاقہ جات ریکارڈ کے مطابق اس طرح درج ہے؛

مردم شماری	1911	1921	1931	کل آبادی
پونیال	4423	5492	6108	16023
اشکومن	2020	2753	2986	7759
یاسین	6310	7203	8083	21596
کوہ(گوپس)	2064	2288	2808	7160
غیرز(غذر)	3637	3953	4112	11702

ان تمام کے مطابق ان علاقوں کی کل آبادی64240 نفوس پر مشتمل تھی۔ (تاریخ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اقوام دردستان وبلورستان،عبدلحمید خاور،ص۔۳۳۹) یاد رکھیں کہ اس آبادی کی تفصیل میں غذر سے مراد پھنڈر سے آگے شندور کی طرف کا علاقہ ہے بعد میں پورے ضلعے کا نام ہی غذر رکھا گیا۔ 1981ء کی مردم شماری کے مطابق پونیال اشکومن کی آبادی 33975 اور گوپس یاسین کی آبادی38402 مجموعی آبادی 72,377افراد پر مشتمل تھی۔ 1998ء کی مردم شماری کے مطابق پونیال اشکومن کی آبادی 56179 اور گوپس یاسین کی آبادی 64039افراد اور مجموعی آبادی 1,20,218افراد پر مشتمل ہے۔ آبادی کسی بھی علاقے کی تعمیروترقی میں اہم کردارادا کرتی ہے۔انسانی وسائل ہی انسانی ترقی کا سبب بنتی ہیں۔ پونیال اشکومن میں آبادی کی کثافت 13% ہے اور گوپس یاسین میں یہ اوسطاً 9% ہے۔ مردوں کی تعداد خواتین کے مقابلے میں کم ہے یعنی 48 نسبت 52۔ ضلع غذر 118 گاؤں پر مشتمل ہے۔ آبادی میں شرح اضافہ 3 فیصد ہے۔ ایک نجی سروے کے مطابق غذر کی موجودہ آبادی ایک لاکھ ترپن ہزار دو سواٹھارہ 1,53,218اور شرح خواندگی 52 فیصد جن میں56 فیصدمیل اور 48 فیصد خواتین شامل ہیں۔ (آغاخان رورل سپورٹ پروگرام اور لوکل سپورٹ آرگنائزیشن' غذر' ۲۰۰۹ء)۔

غذر کی موجودہ آبادی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے دلچسپ حقائق سامنے آتے ہیں زرا یہ چارٹ ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر شمار	سال (عیسوی میں)	آبادی (افراد میں)	شرح اضافہ %
1	1911ء	18454	3 فیصد
2	1921	21689	4 فیصد
3	1931	24240	4 فیصد
4	1941	28475 تقریباً	5 فیصد
5	1951	33570 تقریباً	6 فیصد
6	1961	45000 تقریباً	8 فیصد
7	1971	54230 تقریباً	9 فیصد
8	1981	72377	13 فیصد
9	1998	120218	21 فیصد
10	2010	153218 تقریباً	27 فیصد

☆ 1911ء سے 1931ء تک بہت کم شرح سے آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

☆ 1941ء سے 1961ء تک بھی کوئی اضافہ دیکھنے میں نہیں صرف ایک فیصد کا اضافہ نظر آتا ہے۔

☆ 1971ء سے 1981ء کے دوران آبادی میں زبردست اضافہ دیکھنے میں آیا۔

☆ 1998ء اور 2010ء کے اعداوشمار میں اس علاقے کی آبادی اچانک پچھلے 70 سال کی نسبت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کیوں؟ میرے نزدیک اضافے کی کئی وجوہات ہیں۔

۱۔ قیام پاکستان سے پہلے ان علاقوں میں صحت کے کوئی مراکز نہیں تھے۔ بیماریوں اور قدرتی آفات کی وجہ سے لوگ مرجاتے تھے۔

۲۔ عمر کی اوسط شرح کم تھی یعنی صرف 45 سال۔

۳۔ سیاسی حالات کی وجہ سے لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے تھے۔

۴۔ قیام پاکستان کے بعد ان علاقوں میں صحتی مراکز بننے لگیں اور طبّی سہولتوں کی آمد کی وجہ سے شرح اموات میں کمی واقع ہوئی۔

۵۔ ایف سی ار کے خاتمے کے بعد اس علاقے کی آبادی میں ایک دم اضافہ نظر آتا ہے۔

۶۔ جس طرح پنسیلن کی ایجاد کی وجہ سے دنیا کی آبادی میں اضافہ ہوا اس طرح ان علاقوں میں ہیلتھ سروسز کی وجہ سے آبادی میں اضافہ ہوا۔ وغیرہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اگر اس صورت حال پر قابو نہ پایا گیا تو ان علاقوں کی آبادی بے تحاشا بڑھے گی اور وسائل اس حد تک نہیں بڑھیں گے جس کی وجہ سے بے روزگاری اور کئی مسائل کا اضافہ ہوگا۔ اس لئے ہر فرد کو اپنے وسائل میں رہتے ہوئے خاندانی منصوبہ بندی اور اس طرح کے دیگر سہولیات سے استفادہ حاصل کرنا چاہیے تاکہ کم وسائل میں اپنے خاندان کی کفالت صحیح طور پر کرسکیں۔ بہرحال یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کس طرح اپنے خاندانی زندگی کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ محض ایک ناصح کی وجہ سے اپنی زندگی کو اجیرن بنانا انصاف نہیں!

معیشت و تجارت

معیشت اور تجارت کا دارومدار کسی بھی ملک کے آب وہوا اور انسانی وسائل پر ہے۔ محنت اور جدوجہد کا معیشت اور تجارت میں اہم کردار ہوتا ہے۔ غذر کے لوگ بہت محنتی ہیں۔ یہاں کے لوگ مختلف کام کرتے ہیں کوئی کھیتی باڑی کرتا ہے' کوئی بکریاں چراتا ہے' کوئی لکڑیاں کاٹتا ہے، ملازمت' تجارت اور گھریلو صنعتیں یہاں کی معیشت کا ذریعہ ہیں۔ ملازمت میں زیادہ تر نوجوان افواج پاکستان میں بھرتی ہونا پسند کرتے ہیں۔ درس و تدریس' پولیس' محکمہ پانی وبجلی اور نجی اداروں میں ملازمتوں کا سلسلہ آج کل کافی بڑھ گیا ہے۔ زیادہ تر لوگ کاروبار سے منسلک ہیں۔ یہاں کی معیشت کے بارے میں میجر براؤن اپنی کتاب 'بغاوت گلگت' میں لکھتے ہیں کہ ''یاسین اور کھوہ غذر گلگت کے امیر ترین اضلاع ہیں اگران دو اضلاع میں غلے' گھی اور بھیڑ بکریوں کی فروانی نہ ہوتو یہاں ایجنسی کے بہت سے علاقوں کی کفالت ختم ہوجاتی اور قحط پڑ جاتی''۔ (میجر براؤن' ص۱۰۸)

قدرتی وسائل

غذر کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار قدرتی وسائل سے نوازا ہے۔ دنیا کے بلند پہاڑی سلسلوں

میں پھیلی یہ سرزمین ہمالیہ' ہندوکش اور قراقرام کی سرحدات پر مشتمل ہے اس لئے یہاں گلیشیر، جھیل، چشمے، ندی نالے، آبشار اور دریا کثرت سے بہتے ہیں۔ یہ قدرت کی جانب سے ان علاقوں کے لوگوں کے لئے ایک بڑی نعمت ہے۔ سرسبز چراگاہیں' وادیاں' جنگلات اور دور دور تک پھیلے ہوئے کھیت بھی اس علاقے کی آمدن کا ذریعہ ہیں۔ سال بھر یہاں آب و ہوا بھی مناسب ہوتا ہے۔ گرمیوں میں گرمی اور سردیوں میں سردیاں خوب ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے غذر کے مختلف علاقوں میں مختلف فصلیں' پھل فروٹ اور سبزیاں اگائی جاتی ہیں۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں پن بجلی گھر بنانے کیلئے موزوں جگہیں ہیں۔ معدنیات سے بھرے یہ پہاڑ ماہرین کے منتظر ہیں۔ لوگ دیسی طریقے سے قیمتی پتھر سلاجیت وغیرہ ان پہاڑوں سے نکال کر زرمبادلہ کماتے ہیں۔

آب و ہوا

ضلع غذر میں آب وہوا کی کیفیت ایک جیسی نہیں رہتی ہے۔ یہاں چاروں موسم اپنے آب وتاب سے رونما ہوتے ہیں۔ بہار' گرما' خزاں اور موسم سرما الگ الگ رنگ کے ساتھ اس علاقے کو رونق بخشتے ہیں۔ ان علاقوں میں سردیوں میں درجہ حرارت صفر سے بھی کم رہتا ہے اور زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت ۴۵ ڈگری تک بڑھ جاتا ہے۔ اس وادی میں بارش بہت کم ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہاں کے پہاڑ بالکل خشک نظر آتے ہیں۔ سال کے چار موسم اپنے اپنے حسن و شادابی کیساتھ گزرتے ہیں۔ موسم سرما میں نومبر کے اوائل سے فروری کے وسط تک بہت سردی پڑتی ہے اور خوب برف باری ہوتی ہے۔ موسم بہار مارچ سے مئی تک ہوتا ہے جس میں کافی بارشیں ہوتی ہیں۔ اس دوران لوگ یہاں کاشتکاری کرتے ہیں۔ موسم گرما وسط جون سے اگست تک ہوتا ہے اُن دنوں کافی گرمی پڑتی ہے جس کی وجہ سے گلیشیر پگھل جاتے ہیں اور دریاؤں میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

خوب پانی آتا ہے۔بعض اوقات ان دنوں طغیانی آتی ہے اور دریا سیلاب کی شکل اختیار کر جاتا ہے جس سے دریا کے کنارے پر واقع کھیتوں اور چھوٹے چھوٹے گاؤں کو کافی نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ اسی طرح کا ایک 'سیلاب ۱۹۰۵ء' کو اس وادی میں قرمبر نالے سے آیا تھا(ناموس،ص۶)۔ وادی گوپس میں کئی ایک مقامات پر اس طرح کے سیلابوں کی وجہ سے کئی ایک جھیل بنے تھے جو ابھی بھر گئے ہیں۔ قرمبر جھیل سے بہت شدت کیساتھ یہ سیلاب گلگت تک کافی نقصانات کا باعث بنا۔ امسال ۲۵ جولائی سے ۵ اگست (2010ء) تک پورے ملک میں طوفانی بارشیں ہوئیں اور تاریخ کے بدترین سیلابی ریلے نکلے۔ غذر بھی ان سیلابوں کی زد میں آیا اور بہت مالی نقصان ہوا۔ گلاپور سے قرمبر، درکوت اور شندور تک ہر گاؤں میں ان بارشوں نے اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔

فصلیں اور خوراک کے ذرائع

غذر کے تمام علاقوں میں مختلف فصلیں اُگائی جاتی ہیں۔گندم،مکئی،جو،دالیں،سبزیاں، آلو، مصالحہ جات جن میں ادرک، پودینہ، مرچ، دھنیہ، لہسن، ہلدی اور پہاڑی پیاز شامل ہے۔فصلوں میں گندم، مکئی، جو اور مختلف دالیں بھی ہوتی ہیں۔ علاقے کی آبادی میں اضافہ اور ملازمتوں میں اضافی رجحان کی وجہ سے اب ان علاقوں میں لوگ زراعت پر کم توجہ دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود خوراک کا تقریباً 54% حصہ لوگ مقامی فصلوں سے پیدا کرتے ہیں۔ خوراک میں سبزی، دالیں، گوشت، دودھ، گھی، روٹی، چاول اور مختلف قسم کے کھانے شامل ہیں۔

اہم پہاڑ اور پہاڑی سلسلے

غذر چونکہ پہاڑی علاقہ ہے اس لئے یہاں پہاڑی سلسلوں کی کوئی کمی نہیں۔ بیارچی، گلاپور سے جنوب مغرب کی جانب پہاڑی سلسلہ ہے جو نالہ سنگل، نالہ راوشن، نالہ گوپس،

نالہ بتریت، نالہ چھشی، نالہ ہندراب اور نالہ کھوکش شندور تک پھیلے ہوئے ہیں ان پہاڑی سلسلوں میں بلند چوٹیاں بھی ہیں جن کی بلندی سطح سمندر سے 5000 میٹر سے 7500 میٹر تک ہے۔

دوسری طرف پہاڑوں کا سلسلہ شیر قلعہ سے شمال مغرب کی طرف شروع ہوکر داس چیوکے، بوبر، گرنجر، سلپی، ہاسِس، فمانی، نالہ چٹورکھنڈ، نالہ پکورہ، بارجنگل، ایمت سے ہوتے ہوئے وادی قرمبر میں چپورسن، گوجال، یارخند اور ارشاد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس پہاڑی سلسلے میں بھی کافی بلند پہاڑیاں واقع ہیں جن کی بلندی 4500 میٹر سے 7500 میٹر تک ہے۔

پہاڑوں کا ایک اور سلسلہ ہاتوں سے شروع ہوتا ہے جو غذر کے شمال کی جانب وادی اشکومن اور وادی یاسین کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلے کے اہم نالوں میں نالہ اسمبر، نالہ تھپشکن، دلتی، متھن تر، بڑوگہہ، نالہ قُرقُلتی اور نالہ درکوت شامل ہیں۔اس سلسلے میں بھی بلند وبالا اور وسیع پہاڑی سلسلے واقع ہے جن کی بلندی 8000 میٹر تک ہیں۔
پہاڑوں کا ایک اور سلسلہ وادی قرمبر کے شمال سے شروع ہو کر یارخند چترال تک جاتا ہے۔اس سلسلے میں بھی نالے اور چراگاہیں واقع ہیں۔ یہ سلسلہ ہندوکش میں شامل ہے۔ گوپس میں ہمرداس کے سامنے سے شمال مغرب کی جانب ایک اور سلسلہ شروع ہوتا ہے جو نالہ نازبر، نالہ تھوئی اور گرد ونواح کے پہاڑیوں پر مشتمل ہے۔ یہ سلسلہ شمال کی جانب درکوت تک اور مغرب کی جانب پھنڈر اور گلاغمولی سے ہوتے ہوئے شندور چترال تک جاتا ہے۔ان کی بلندی بھی 7000 میٹر تک ہے۔

گلیشیر اور جھیلیں

غذر میں گلیشیرز کی کوئی کمی نہیں۔سرزمین غذر کو گلیشیرز کا پانی سیراب کرتا ہے۔ہر گاؤں کا اپنا گلیشیر ہے۔ شیر قلعہ سے قرمبر اور درکوت سے شندور تک گلیشیرز کے مختلف ذخائر موجود

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہیں۔ ساراسال ان سے پانی بہتاہے اور یہ پانی کھیتوں کیلئے بہت مفید ہے۔ان گلیشیرز کے بارے میں کہاجاتاہے کہ ہر دس سال بعدان کے ذخائر میں اضافہ یا کمی ہوتی ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں گلوبل وارمنگ(Global Warming) کی وجہ سے ان گلیشیرز میں پگلنے کاعمل جاری ہے۔ ان علاقوں میں موسم کی تبدیلی اور سردی کی وجہ سے بہرحال گلیشیرز کے حجم میں کوئی کمی واقع ہونے کاامکان نہیں۔سنگل نالہ' بتریت' چھشی' درکوت'اشکومن اور قرمبر میں کافی بڑے گلیشیرز پائے جاتے ہیں۔

غذر میں قدرتی جھیلیں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ان جھیلوں میں قدرت نے سیاحوں کیلئے انتہائی دلفریب نظارے پیداکئے ہیں جو ان علاقوں کی خوبصورتی کیلئے قدرتی تحفہ ہے۔موسم گرما میں مقامی اور غیرمقامی لوگوں کے علاوہ غیر ملکی بھی ان قدرتی نظاروں سے لطف اندوز ہونے کیلئے ان علاقوں کارخ کرتے ہیں۔ مقامی انتظامیہ کی جانب سے ابھی ان تمام جھیلوں کے احاطے میں پکنک سپاٹس بن رہے ہیں۔ غذر کے مشہور جھیلوں میں،خلتی،سوسٹ،پھنڈر،شندور،قرمبر،آٹراشکومن وغیرہ شامل ہیں۔

خلتی جھیل

ضلعی ہیڈ کوارٹر گاہکوچ سے 50 کلومیٹر دورمغرب کی جانب گوپس سے 5 کلومیٹر آگے واقع ہے۔ یہ قدرتی جھیل بہت خوبصورت ہے اس کی لمبائی تقریباً تین میل ہے۔ اس جھیل میں ٹراوٹ مچھلیاں بہت ملتی ہیں۔لوگ ان کاشکار کھیلنے اس جھیل میں مارچ سے جولائی تک آتے رہتے ہیں۔سیاحوں کی رہائش اور کھانے پینے کے انتظام کے لئے مقامی لوگوں نے ہوٹل وغیرہ کاانتظام کررکھاہے۔اس جھیل میں کشتی رانی کا بھی انتظام ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ جوق درجوق اس جھیل میں آتے ہیں۔جھیل کے نظارے کیلئے حکومت پاکستان کی جانب سے PTDC ہوٹل بنایا گیا ہے۔ اس ہوٹل میں وی۔ آئی۔ پیز اور خاص وعام کے لئے رہائش اور کھانے پینے کا بہترین انتظام ہے۔ یہ

جھیل ۱۹۸۰ء کی دہائی میں بنی تھی اب سیلاب اور ریتلے پانی کی وجہ سے یہ جھیل بھر گئی ہے۔ وادی گوپس میں خلتی نمایاں ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس گاؤں سے جنڈوٹ' حمرداس' خلتی' ڈوڈوشوٹ اور گوپس کا نظارہ کیا جاسکتاہے۔

سوسٹ پنگل جھیل

خلتی سے چند کلومیٹر دور قدرتی مناظر سے بھرپور یہ جھیل اگرچہ ایک دومیل لمبی ہے لیکن سیاحوں کے لئے قدرت کی جانب سے ایک اہم تحفہ ہے۔جھیل کے ساتھ دردانہ گسٹ ہاؤس واقع ہے جس میں کھانے پینے اور رہائش کی ضروریات بہم ملتی ہیں۔نیک عالم شاہ صاحب اس ہوٹل کے مہتمم اعلیٰ ہیں۔ ہوٹل کے سامنے جھیل میں ٹراوٹ مچھلیاں بہت زیادہ ہیں۔آپ اس ہوٹل میں قیام کے ساتھ مچھلیوں کا شکار بھی کرسکتے ہیں۔ مقامی پھل فروٹ جن میں خوبانی اور سیب مشہور ہیں' وافر مقدار میں ملتے ہیں۔ یہ جھیل بھی ۱۹۹۴ء میں ایک سیلابی ریلے کی وجہ سے بنی تھی جواب آہستہ آہستہ بھرنے جارہی ہے۔

پھنڈر جھیل

سوسٹ پنگل جھیل سے تقریباًپانچ کلومیٹر آگے واقع یہ جھیل قدرت کی عظمت کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ جھیل صدیوں پہلے سیلاب کی وجہ سے بنی تھی جواب تقریباً بھرگئی ہے۔ اس جھیل کی وجہ سے اس علاقے کو پھنڈر کہاجانے لگا کیونکہ Fondar انگریزی زبان میں جھیل کوکہتے ہیں۔ دلفریب پہاڑی سلسلوں میں گری یہ جھیل سیاحوں کے لئے پُر فضا مقام ہے۔اس جھیل میں بھی ٹراوٹ مچھلیاں خوب ملتی ہیں۔آپ اس جھیل میں پہنچ کر سفری تھکاوٹ اور بوریت کااحساس تک نہیں کرینگے۔ قدرت کی کاریگری کا ایک ایک زرہ آپ کو دعوت فکر اور ان کی عظمت کی یاد دلائے گا اور'یقیناً آپ اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلائیں گے'(سورہ رحمٰن :القرآن) بقول حاؔلی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہر چیز سے ہے تیری کاریگری ٹپکتی
یہ کارخانہ تو نے کب رائیگاں بنایا

پھنڈر جھیل کے ساتھ PTDTC ہوٹل اور ریسٹ ہاؤس موجود ہیں۔یہاں بھی رہائش اور کھانے پینے کا کوئی مسئلہ نہیں۔سفری سہولیات کے لئے مقامی ٹرانسپورٹ اور ٹیکسی گاڑیاں ہمہ وقت تیار رہتی ہیں تاہم اس کے لئے آپ کے جیب میں پاکستانی روپیہ ہونا بہت ضروری ہے۔ پھنڈر کے لوگ بہت شریف اور محنتی ہیں۔ مچھلیاں پکڑنے میں آپ کی بہت مدد کر سکتے ہیں۔ پھنڈر جھیل سے زیادہ اہم یہاں کے قدرتی مناظر ہیں۔ ان مناظر سے آپ اتنے متاثر ہونگے کہ تصاویر پر تصاویر کی ضد میں کئی گھنٹے کھو دیں گے۔

جھیل شندور

شندور اگرچہ کسی باقاعدہ جھیل کا نام نہیں ایک وادی کا نام ہے۔ ٹیرو سے پانچ دس کلومیٹر آگے شندور کی سرحد شروع ہوجاتی ہے۔ راستے میں قدرتی چراگاہیں،میدانی علاقے اور دریائے شندور اپنی آغوش میں مچھلیاں لئے آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔ آپ چاہیں تو تصاویر بنادیں اور چاہے تو مچھلیاں پکڑنا شروع کریں لیکن مچھلیوں کیلئے آپکے پاس متعلقہ محکمے کی لائسنس ہوناضروری ہے۔راستے میں لہلہاتے میدانی علاقے آپ کی سفری تھکاوٹ بُھلا دیں گے۔ چھوٹی چھوٹی جھیلیں اس وادی میں ہر دس قدم پرملتی ہیں۔ ٹیرو سے آگے شمال کی جانب چُمرکھن نالہ جنوب کی طرف کھوکش نالہ اورلنگر نالہ واقع ہیں۔ یہ نالے بھی اس علاقے کی خوبصورتی اور آمدن کے لئے بہت اہم ہیں۔ ان نالوں میں بھی جھیلیں پائی جاتی ہیں۔ مرغابیاں اور دیگر پرندے اور مارخور ان نالوں میں پائے جاتے ہیں۔ان نالوں میں باہر سے کوئی مال مویشی چرانے آئے توان سے ''کلان'' لیتے ہیں یہ ایک قسم کا ٹیکس ہے جومقامی لوگ ان سے اپنے چراگاہ

میں چرائی کے بدلے لیتے ہیں۔

ہندرب جھیل

گلاغمولی گاؤں سے جنوب مغرب کی طرف ایک خوبصورت گاؤں ہندرب واقع ہے۔ اس گاؤں سے چند کلومیٹر آگے ایک خوبصورت جھیل ہے جس کو ہندراب جھیل کہتے ہیں۔اس جھیل کے گردونواح میں بہت خوبصورت قدرتی مناظر ہیں۔ مقامی لوگ گرمیوں میں اس وادی میں نالہ بھی جاتے ہیں۔اس جھیل میں ٹراوٹ مچھلیاں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مقامی لوگ اور سیاح اس جھیل میں اکثرمچھلیوں کے شکار کیلئے آتے ہیں۔ گلاغمولی سے چند کلومیٹر دور اس جھیل تک سڑک کی سہولت بھی ہے۔ البتہ کھانے پینے کے لئے یہاں ہوٹل وغیرہ کاانتظام نہیں۔جھیل کی خوبصورتی کے علاوہ اس وادی میں قدرتی مناظرقابل دید ہیں۔ یہاں کے لوگ جوگرمیوں میں یہاں آتے ہیں' بڑے مہمان نوازاورشریف ہیں۔ سیاحوں کی رہنمائی کے لئے یہاں کے نوجوان بہت فراغدلی سے وقت دیتے ہیں۔ غیرمقامی افراد کے لئے بھی اس جھیل تک رسائی بہت آسان ہے کیونکہ مقامی لوگ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے اردو یا انگریزی سمجھتے ہیں۔ اس گاؤں میں گرمیوں میں دریا کابہاؤ بہت زیادہ ہوتاہے جس کی وجہ سے مقامی لوگوں کے فصلوں کوکافی نقصان بھی پہنچتاہے۔ اس نالے میں بھی ماضی میں سرحد کے اس پار کے لوگ شرارت کرتے تھے مال چراتے اور گھوڑے' گائے'بیل یا بکریاں بھی لے جاتے تھے اب یہ معاملات تقریباً ختم ہوئے ہیں۔

قرمبر جھیل

قرمبر جھیل ایمت سے آگے تقریباً ۸۰ کلومیٹر دور سطح مرتفع پامیر تک پھیلی ہوئی ہے جسے 'بام دنیا' یعنی دنیا کی چھت بھی کہتے ہیں۔اس جھیل کے ساتھ بے شمار چھوٹے چھوٹے نالے ہیں۔ان میں سے اکثر واخان پامیروچترال تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انتہائی بلند

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

چوٹیاں،گلیشیرز،آبشاریں اور سبزہ زاروں کے علاوہ جنگلات کی بھی کثرت ہے۔جھیل کے ساتھ ملحقہ وادی ماضی میں ایک اہم گزرگاہ تھی۔لوگ اب بھی مال کے بدلے مال کی تجارت کیا کرتے ہیں۔یہاں آباد کرغز اور وخی اس درّے سے اشکومن وارد ہوئے ہیں۔ سیاحوں کیلئے قدرتی مناظر کا ایک عظیم تحفہ ہے۔اس درّے کا مورخین اور محققین نے اپنی کتابوں میں تذکرہ کیا ہے جن میں جون کے،بڈلف،عثمان علی اور کرنل شمبرگ شامل ہیں۔ قرمبر اور اس میں واقع نالوں میں مارخور' کیل' چیتا' بھیڑیئے' مرغابی' رام چوکور' لومڑیاں اور مختلف پرندے بھی ملتے ہیں جن میں کوئل' کوے' کبوتر' چیل اور دیگر موسمی پرندے شامل ہیں۔ درختوں میں چیڑ،دیار،بیزار،بُرج (جوجی) کُسندر، باسقر، شھینائے یہاں پائے جاتے ہیں۔قرمبر جھیل کے ملحقہ نالوں میں نالہ بورتھ' دیوارداس' مترم دان' بدصوت' دیوجیراف' جھرتھنالہ' شیخ' سوختر آباد' کمبر دلیبو رخوارگ ورتھ' اشتر گردن اور بلہنز وغیرہ شامل ہیں ۔

آٹر جھیل اشکومن

آٹر جھیل وادی اشکومن میں نالہ 'متھنتر' میں واقع ہے۔یہ جھیل اشکومن مومن آباد سے18 کلومیٹر دور ہے۔ سطح سمندر سے 12600فٹ کی بلندی اور'' N-36 38 & E 73 39'' پرواقع ہے اس کی لمبائی دو میل سے زیادہ ہے اوراس جھیل کا رقبہ 107.06ہیکٹر ہے۔ اس جھیل کی دونوں جانب پہاڑ واقع ہیں جس کی وجہ سے ان کا سبزہ عکس بن کراس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرتا ہے اس جھیل کے بارے میں کرنل شمبرگ کہتے ہیں؛

"Ataro Sar, a lack Two miles long... it was sage green in colour and a very singular spectacle..." (Between the

Oxes and Indus.p.77)

'دو میل پر مشتمل آٹر جھیل۔۔۔جوکہ بالکل سبز رنگ میں ڈھکا ہوا ہے ان علاقوں میں صرف ایک ہی خوبصورت منظر کے حامل ہے'۔

نالہ 'ماتھن تھر' اپنی سرسبز وشادابی کی وجہ سے بھی بہت مشہور ہے۔اس نالے میں بہت زیادہ جنگلات پائے جاتے ہیں۔جن کا تذکرہ کرتے ہوئے کرنل شمبرگ لکھتے ہیں:

"...I saw real pines growing in the abundance and the whole of the Mathantar Valley was clothed with them. Birch and especially popular were numerous: the latter were shedding there seeds of cotton-down which lay in soft heaps on the ground ..."(p 80).

آٹر جھیل تک رسائی اور راستہ بالکل آسان ہے۔ اشکومن غوٹلتی گاؤں سے آپ پیدل اس جھیل تک جاسکتے ہیں۔اس جھیل تک پہنچنے میں آپ کو دلفریب قدرتی نظارے ملیں گے۔جھیل کے ساتھ مقامی لوگوں اور سیاحوں کی مدد سے ایک Hut رہائشی کمرہ بنایا گیا ہے۔ مقامی لوگ یہاں گرمیوں میں مال مویشیوں کے ساتھ آتے ہیں اس لئے سیاحوں کے لئے مہمان نوازی میں پیش پیش رہتے ہیں۔اس جھیل سے چند کلومیٹر آگے وادی درکوت واقع ہے۔ چند کلومیٹر مسافت سے آپ درکوت سے یاسین کی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سیاحت کرتے ہوتے ضلعی مرکز گاہکوچ آسکتے ہیں۔

اہم دریا

غذر کے شمال مشرق سے بہت سے نالے دریائے غذر میں شامل ہوتے ہیں۔ان میں سب سے پہلے نالہ شیرقلعہ ہے جوشیرقلعہ کے نالے سے بہتے ہوئے دریائے پونیال میں شامل ہوتا ہے۔ اس کے بعد برگل، چٹورکھنڈ اور یکورہ کے نالے دریائے اشکومن میں گرتے ہیں۔ وادی قرمبر میں نالہ شمس آباد، نالہ بورتھ، دیورداس، مترم دان، بدصوت، دیوجیراف، جھرتھ نالہ، شینج، سوختر آباد، کُہر دلیپو رخوراگو رتھ، اِشترگردن اور بلہنز وغیرہ شامل ہیں۔اشکومن میں نالہ گلوکہہ، نالہ چھنتر، نالہ متھنتر، بڑوگہہ، نالہ دلتی، نالہ تھپشکن، نالہ اسمبر اور دیگر چھوٹے چھوٹے نالے شامل ہیں۔یہ سب نالے دریائے اشکومن کی صورت میں سلپی کے مقام دریائے پونیال میں ملتے ہیں۔

دوسری طرف نالہ درکوت، قرقلتی، تھوئی اور نازبر کے گلیشیرز سے نالے دریائے یاسین بناتے ہیں اور سیلی ہرنگ یاسین کے مقام دریائے گوپس سے جاملتے ہیں۔

شندور سے نکلنے والا پانی نالہ ہندرپ، گلوغ، چھشی، نالہ شمرن، بتریت اور دیگر چھوٹے چھوٹے ندی نالے دریائے گوپس بناتے ہیں جو ہمرداس کے مقام پر دریائے یاسین سے جا ملتے ہیں۔ دریائے یاسین اور گوپس کے بعد راستے میں نالہ درمندر، راوشن اور دیگر نالے ملکر سلپی کے مقام پر دریائے اشکومن سے ملتے ہیں اور اس سے آگے یہ دریا دریائے پونیال کہلاتا ہے۔ گاہکوچ سے آگے گلگت کی جانب اس دریا میں غذر کے جنوبی نالوں جن میں گلموتی، سنگل، گچ، گلاپور اور بیارچی سے بھی نالے ملتے ہیں اور یہ دریائے غذر کے نام سے گلگت میں گرتا ہے یہی وہ دریا ہے جو بونجی سے آگے دریائے سندھ کے نام سے کوہستان سے ہوتے ہوئے بشام سے آگے گزرتا ہے۔

قدرتی چشمے

دماس پونیال، گرونجر، درکوت، ایمت اشکومن، برست ٹیرو میں قدرتی چشمے پائے جاتے ہیں جو انسانی صحت کے لئے بہت مفید ہیں یہاں کے مقامی اور غیر مقامی لوگ اکثر مختلف بیماریوں کے علاج کیلئے ان چشموں کے پانی کا استعمال کرتے ہیں۔ درکوت اور برست کے چشموں کے بارے کہاجاتا ہے کہ انسانی صحت کے لئے بہت موثر ہیں اس لئے لوگ ستمبر اکتوبر کے مہینے ان چشموں کا پانی پینے یا اس میں نہانے ان علاقوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ درکوت چشمے پر لوگوں کی آمد میں سال بہ سال اضافہ ہو رہا ہے۔ ٹانگوں اور جوڑوں کی بیماریوں کے لئے یہ چشمہ بہت مشہور ہے۔

وادیاں

غذر کو قدرت نے بہت سی وادیوں سے نوازا ہے۔ پہاڑی سلسلے ہونے کی وجہ سے ہر گاؤں کے ساتھ ایک وادی ہوتی ہے۔اس علاقے کی وادیاں قدرت کی جانب سے پانی اور جنگلات کے لئے مشہور ہیں۔مقامی لوگ ان وادیوں میں نہ صرف مال مویشی لیکر جاتے ہیں بلکہ ان وادیوں سے لکڑی اور معدنیات بھی حاصل کرتے ہیں غذر میں بہت مشہور وادیاں ہیں جن کے ساتھ قدیم تاریخی واقعات وابستہ ہیں۔ مقامی اور غیرمقامی حکمرانوں کے لئے یہ وادیاں بعض اوقات پناہ گاہیں ثابت ہوتی تھیں۔ ان وادیوں سے لوگ دوسری جگہوں تک بھی جاتے ہیں۔ قدیم زمانے میں یہ وادیاں تعلقات عامہ کے لئے بھی استعمال کی جاتی تھیں۔

نالہ ہندراب

نالہ ہندراب ایک مشہور درّہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک وادی بھی ہے۔یہاں کے حکمران اور غیر ملکی سیاح اور خفیہ اداروں کے لوگ اس نالے سے کوہستان اور دیر تک جاتے تھے۔ اس نالے کے مشہور گاؤں میں شِنگیل، شُکسترے، رجُبل، خھاطر، شیوٹ، کھوتو، اُمباجی اور چھاۓ بیوئیکل شامل ہیں۔ نالے کے ابتدائی حصے کوکھوش گھول کہتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

شیوٹ کے مقام پر ایک خوبصورت جھیل ہے۔ نالے کے آخری حصے کو شاوارن گھول کہتے ہیں۔ یہ نالہ سیدھا کلاں نالہ میں جاملتاہے۔اس نالے میں کوئی قابل ذکر پہاڑ نہیں۔ قدرتی مناظر اور میدانی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ نالہ بہت زیادہ خوبصورت ہے اس لئے اس کو ہندرب نیشنل پارک بھی کہتے ہیں۔اس نالے میں جنگلات بہت کم پائے جاتے ہیں۔صرف سبزہ زار اور چراگاہیں بہت مشہور ہیں۔ ان وادیوں میں چھوٹے چھوٹے گلیشیرز بھی پائے جاتے ہیں جوان علاقوں کے لئے پانی کا سبب بنتے ہیں۔اس نالے میں جنگلی جانور بھی پائے جاتے ہیں۔

ٹیرو سے آگے نالہ مشیولن گھول' برست میں چرکھن گھول اور کھوتبر گھول' نالہ کھوکش اور لنگر نالہ واقع ہیں یہ تینوں نالے اس علاقے کے لئے بہت فائدہ مند ہیں۔ ان میں چرکھن اور لنگر چترال میں جاملتے ہیں۔کھوکش نالہ کلام سے دیرسوات میں جاملتا ہے۔ ان نالوں سے پانی وافرمقدار میں آتا ہے جوان علاقوں کے کھیتوں کوسیراب کرتا ہے کھوکش نالے میں کافی دور ایک جھیل واقع ہے۔اس نالے میں جنگلات بہت کم مگر سبزہ کافی پایاجاتاہے۔ان نالوں میں غیرمقامی کوئی اپنے مال مویشی لائے توان سے 'کلان' لیتے ہیں۔ کلان کے سلسلے میں بیل' بکریوں اورگھوڑوں کے لئے الگ الگ نرخ مقرر ہیں۔ اس ٹیکس کے پیسے کوعوامی سطح پرفلاحی کاموں میں خرچ کیا جاتا ہے۔ ماضی میں ان نالوں سے سرحد کے اُس پار کے لوگ مال وغیرہ چراتے تھے لیکن اب یہ حالت نہیں۔ یہ تمام چھوٹے بڑے نالے قدرتی مناظر سے بھرپور ہیں اس لئے دیدہ زیب بھی ہیں۔

چھشی نالہ

چھشی نالہ بھی اپنی وسعت اور لمبائی کے لحاظ سے مشہور ہے۔شمال کی جانب نالہ لاوشتر سے باوشتر نالہ یاسین کی سرحد میں ڈیٹروشل سے جاملتاہے پھر یہ دو حصوں میں

تقسیم ہوجاتاہے ایک طرف نازبرنالہ سے اور دوسری طرف زگرشٹا سے چترال نکلتا ہے۔جنوب کی جانب نالہ چھشی داریل تانگیر تک جاتا ہے۔اگرچہ اس نالے میں راستہ کافی مشکل ہے لیکن مقامی لوگوں کے لئے لکڑی اور پانی کے وسائل اس نالے سے ملتے ہیں۔شمرن اور گردونواح کے گاؤں کے لئے یہ نالہ بہت قریب پڑتا ہے۔ یہ نالہ بھی دیر اور سوات تک پہنچتاہے اس لئے قدیم زمانے اس نالے سے بھی لوگ جنگی اور زمانہ امن میں سیاحت کیلئے آتے رہتے تھے۔اس نالے میں کافی جنگلات پائے جاتے ہیں۔ جن میں صنوبراور چیڑ مشہور ہیں۔ اس نالے میں شکار کے لئے مارخور' کیل'رام چکوراورمرغابیاں بہت ملتے ہیں۔اس نالے کی لمبائی کافی زیادہ ہے شمرن سے ایک کلومیٹر آگے یہ نالہ شروع ہوتاہے اور چندکلومیٹرآگے جاکے دوحصوں میں تقسیم ہوجاتاہے۔ایک مغرب کی جانب اور دوسرا جنوب کی جانب دونوں سرے دیر اور سوات کی سرحدات تک جاتے ہیں۔گرمیوں میں مقامی لوگ اس نالے میں مال مویشیوں کے ساتھ جاتے ہیں اور تین چارمہینے گزار کر آتے ہیں۔ سردیوں میں یہاں بہت سخت سردی پڑتی ہے۔اس لئے لوگ اس نالے میں جانے سے گریز کرتے ہیں۔

اس نالے کے بارے میں کرنل الیگزنڈر ڈیورنڈاپنی کتاب 'The Making for the Fronteirs' میں لکھتے ہیں؛

> " At Chashi the valley opens out, three streams meeting here; one from Yasin to the north, and one from the mountains above Tangir to the south, joining the main valley. Riding up you seen to coming to a cul-de-sac, a broad low hill. The terminal

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

moraine of a glacier, which must have filled the valley to the west, completely barring it from side to side above this lay the Pander Lake. Below this hill the valley stretches away well cultivated, the foregrounds filled with low masses of rocks and small hills, whose rounded tops and smooth and polished rocks tells of a glacier action. From this Ghizer river side one can go directly to Tangir Valley and Darel valley by narrow passes. There were the traditional routs through which march the armies from Chitral as well as invaders coming from Borogil pass. (Conol A. Durand, The Making of a Frontier, 1977).

چھشی نالہ کے مشہور جگہوں میں گلین گاہ‘توبہ مشکی‘تھ مشکی‘ تھاریلتی‘ڈوجیدر اور دسترن شال شامل ہیں۔تھہ مشکی سے مغرب کی جانب نالے کوکُونُوگھول کہتے ہیں جو ہندراپ تک ملتاہے۔آگے تھاریلتی کے قریب ایک نالہ ہے جس کو رینی گھول کہتے ہیں۔اس نالے میں ایک چوٹی ہے جس کی بلندی 5157 میٹر ہے۔ڈوجیدر کے مقام پر یہ نالہ مغرب کی جانب نکلتاہے جس کو کانوگھول کہتے ہیں۔یہ نالہ تھیلی گالی سے کوہستان میں ملتاہے۔چھاشی نالہ دسترن شال کے نزیک مزید دوحصوں میں تقسیم ہوتاہے مغرب کی

طرف کو آنوگھول اور جنوب کی طرف کو شاہ جی چائے گھول کہتے ہیں۔ یہ دونوں نالے داریل اور کوہستان کے نالوں میں جاملتے ہیں۔ان نالوں میں دو چوٹیاں ہیں جن کی بلندی 5205 میٹر اور 5327 میٹر بلند ہے۔

نالہ بتھریت

نالہ بتھریت گوپس سے چند کلومیٹر آگے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ یہ نالہ بھی اپنی وسعت اور لمبائی کی وجہ سے مشہور ہے۔ نالہ بتریت داریل تانگیر کی سرحدات تک جاتاہے۔اس نالے میں جنگلات کافی پائے جاتے ہیں۔داہیمَل گاؤں سے جنوب مغرب کی جانب بل کھاتی ہوتی سڑک اس نالے کے لئے واحد راستہ ہے۔ پہلے پہل اس نالے میں لوگ مال مویشی لیکر جاتے تھے لیکن اب یہاں مستقلاً بستے ہیں۔ دوطرفہ پہاڑی سلسلہ ہونے کی وجہ سے یہ نالہ بہت تنگ اورسنگلاخ پہاڑی راستہ ہے۔حکومت گلگت بلتستان نے اس نالے کے لئے بھی سڑک اور بجلی کے علاوہ بنیادی تعلیمی ادارے بھی دیئے ہیں۔اس نالے میں مستقل رہائشی آبادی بہت کم ہے۔ یہاں مقامی لوگوں کی زمینوں کے علاوہ چراگاہیں بھی ہیں۔اس نالے میں اسماعیلی مسلمانوں کے علاوہ اہل السنّت برادری بھی رہتے ہیں لیکن یہ لوگ داریل کی سرحد تک آباد ہیں۔’ بتریت نالہ داہیمل گاؤں سے مختصر فاصلے پرواقع ہے۔پہلا گاؤں نولتی دوسرا رحیم آباد جس کا پرانا نام سکھہ تھااور تیسرا حمر کا گاؤں ہے۔ ان تینوں گاؤں میں اسماعیلی مسلمان آباد ہیں۔حمر گاؤں سے کوئی پانچ کلومیٹر دور بتھی اور حمرن گاؤں واقع ہیں۔بتھی میں سید قوم اور حمرن میں گجر قوم آباد ہیں۔اس علاقے میں اہل السنّت الجماعت(سنی مسلمان) رہتے ہیں۔اس نالے میں لسانی اور نسلی تکثیریت ہے۔ مقصدتے‘ گرگس‘ آباچے‘ دودے‘ چھڑے‘بوڑے‘قبُتے‘سید اور گجر یہاں کی قومیں ہیں (صفدرخان ملاقات ،مئی 2010ء)۔گرمیوں میں یہاں کے باشندے اور داریل سے لوگ اس نالے کے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ذریعے گوپس تک آتے رہتے ہیں قدیم زمانے میں قبائلی فسادات اور ذاتی جھگڑوں کی وجہ سے لوگ اب بھی ایک دوسرے سے ہلکی پھلکی خوف کا شکار ہیں۔ ماضی میں اکثر داریل کی طرف سے چرواہیں گرمیوں میں یہاں سے مال مویشی چراکر فرار ہوتے تھے جس کی وجہ سے مقامی لوگ کافی پریشان رہتے تھے۔اب ان علاقوں میں اس طرح کی حرکتیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ نولتی کے پاس نالہ مغرب کی جانب جاتا ہے جس کو باشقر گہہ کہتے ہیں۔دوسری جانب حمرن سے تھوڑا آگے جاکے یہ نالہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے ایک طرف یہ نالہ ویترئے کہلاتا ہے اور دوسری طرف چلی گہہ ۔ یہ دونوں نالے داریل تک جاتے ہیں۔ مزید جنوب کی جانب نالہ گوپس کی سرحد سے ہوتے ہوئے نالہ سنگل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس نالے میں پہاڑی چوٹیاں بھی ہیں جن کی بلندی 4900 میٹر سے زیادہ ہے۔ نالہ بتریت سال بھر بہتا ہے اس لئے یہاں بجلی گھر بنانے کی بہت جگہیں ہیں۔ اس نالے میں مچھلیاں خوب ملتی ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت مہمان نواز اور محنتی ہیں۔ اس نالے میں داریل کی طرف سارے گجر آباد ہیں۔ یہ لوگ اب بھی تعلیم سے بے خبر مال مویشیوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔تعلیم کی طرف ان کی توجہ بہت کم ہے۔مال مویشی پالتے ہیں اور ان سے گھی' چھڑہ' کھاڈلسی' دودھ' مکھن' گوشت اور پالتو جانور بھیج کر زرمبادلہ بھی کماتے ہیں۔قدیم زمانے میں اس نالے سے لوگ داریل تانگیر تک جاتے تھے اس وجہ سے ان کی آپس میں رشتہ داریاں بھی ہیں۔ قدرتی مناظر کی وجہ سے سیاحت کے لئے یہ نالہ بہت خوبصورت ہے۔

نالہ سنگل

سنگل نالہ اپنی وسعت اور لمبائی کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ یہ تاریخی نالہ پورے پونیال کے لوگوں کے لئے چراگاہ کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔سنگل اور گردونواح کے لوگ اپنے مال مویشی لیکراس نالے میں جاتے ہیں۔اس نالے سے لکڑی اور معدنیات

بھی ملتی ہیں۔اس نالے میں جنگلی بادام جس کو مقامی زبان میں 'کونو' کہتے ہیں کثرت سے پائے جاتے ہیں جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔اس نالے سے مغرب اور جنوب کی جانب کئی ایک نالے ملتے ہیں۔ پہاڑی سلسلے اور تنگ راستہ ہونے کی وجہ سے اس نالے میں پیدل ہی سفر کیا جاسکتا ہے۔ سنگل نالے کے شروع میں ایک بجلی گھر بنایا گیا ہے۔ اس بجلی گھر سے 1.5 میگاواٹ بجلی پیدا ہوتی ہے جو اس علاقے کے لئے نعمت سے کم نہیں۔ اس نالے میں چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی ہیں لوگ ان میں گندم' مکئ' جو' آلو اور دیگر سبزیاں اُگاتے ہیں۔اس نالے کی وسعت اور زرخیزی اس بات سے بھی لگائی جاسکتی ہے کہ گاہکوچ' سلپی' گرنجز بوبز' گلموتی' گوہر آباد اور سنگل کے گردونواح سے لوگ اپنے مال مویشیوں کو لیکر اس نالے میں جاتے ہیں۔سنگل کے علاوہ دیگر لوگوں سے 'کلان' یعنی ٹیکس لیا جاتا ہے جسے سنگل کے لوگ مقامی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کلان کا تیسرا حصہ گچ والوں کو ملتا ہے۔سنگل سے چند کلومیٹر دور ایک گاؤں 'رَنی' واقع ہے اس گاؤں میں لوگ مال مویشی کے ساتھ کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں۔اس گاؤں سے آگے مغرب کی جانب 'کینہ گہہ اور جنوب کی جانب 'چُھر گہہ' واقع ہے۔اس نالے میں مزید آگے ایک اور گاؤں بھی ہے۔اس سے آگے مغرب کی جانب 'پلہ گہہ'اور جنوب کی جانب 'تھپاس گہہ'واقع ہے۔ان سے آگے یہ وادی مزید نالوں میں تقسیم ہوجاتی ہے جن میں 'مُون گہہ' سَر گہہ' پتھرو گہہ' 'شتُو چو گہہ' کُرگُز گہہ' اور دیگر نالوں کے ساتھ داریل تانگیر کی سرحد آجاتی ہے۔ مغرب کی جانب بتریت نالہ اور گلموتی نالہ کی سرحدیں بھی ملتی ہیں۔وادی میں قدرتی مناظر جنگلات اور سرسبز چراگاہیں ہونے کی وجہ سے سیاحوں کے لئے پر فضا مقام ہے۔ اس نالے کی سیر کے لئے مقامی لوگوں کے علاوہ غیر ملکی بھی آتے ہیں۔اس وادی میں روڈ کی سہولت تو نہیں تاہم پیدل جانے کے لئے راستہ ہموار اور آسان گزار ہے۔ مقامی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لوگوں کی آنے جانے کی وجہ سے سیاحوں کے لئے کوئی خوف وہراس بھی نہیں۔جنگلی جانور بہت پائے جاتے ہیں۔ پرندوں میں مرغابی اور دیگر پرندے شکار کے لئے ملتے ہیں۔ ان نالوں کے جھیلوں کی خوبصورتی بھی قابل دید اور دلفریب ہے۔ماضی میں داریل اور تانگیر سے چرواہے ان علاقوں سے مال مویشی چراکر لے جاتے تھے اس وجہ سے اب یہاں پولیس چوکی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔مقامی لوگوں اورسیاحوں کی حفاظت کے لئے اس چوکی کی بڑی خدمات ہیں۔ اس وادی میں معدنیات بھی ملتے ہیں جن میں قیمتی پتھر‘سرمہ‘سلاجیت اوردیگر معدنیات شامل ہیں لیکن ماہرین نہ ہونے کی وجہ سے دریافت کرنا کافی پیچیدہ کام ہے۔اس نالے سے لوگ جلانے اور مکان کے لئے لکڑی لاتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اس نالے میں بھی مقامی حکمران بھاگ کر پناہ گزین بنتے اور موقع پاکردوسرے حکمرانوں پرحملہ کیا کرتے تھے مہتران چترال میں سے مہتر ملک امان بھی اس نالے سے گزرے ہیں۔

گلمتی نالہ

گُلمتی نالہ زیادہ لمبا اور وسیع نہیں تاہم مقامی آبادی کے لئے پانی اور لکڑی کی بڑی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ اس نالے کی مشہور جگہوں میں تھکئی ہارائے‘بکُورے ہارائے‘ سروہارائے‘چھوپی ہارائے اور داریلی ہارائے شامل ہیں۔گلمتی گھالی سطح سمندر سے 4594 میٹر بلند ہے۔ بکُرو ہارائے میں ایک خوبصورت جھیل واقع ہے ۔ یہ نالہ آگے جاکے شن گہہ میں ملتا ہے۔یہاں جنگلات بھی پائے جاتے ہیں۔یہ جگہ شکار اور مال مویشیوں کے لئے موزوں ہے۔ اس نالے کے لئے راستہ کافی مشکل ہے۔ قدرتی مناظر کی وجہ سے سیاحت کے لئے بالکل موزوں ہے اس نالے کی سرحدات نالہ سنگل اور بتریت سے ہوتے ہوئے داریل کی سرحد تک ملتے ہیں۔

نالہ پکورہ

اپنی زرخیزی‘ شادابی اور معدنیات کیلئے مشہور ہے۔یہاں جنگلات عام پائے جاتے ہیں۔ نالہ پکورہ سے دریا ئے پکورہ نکلتا ہے گرمیوں میں اس میں اکثر طغیانی آتی ہے جس سے نالے کے کنارے موجود فصلوں کو کافی نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اس نالے کا راستہ سنگ گراں ہے۔ سیلاب اپنے ساتھ بجری اور ریت لاتا ہے جسے فصلیں اور زمینیں متاثر ہوجاتی ہیں۔ اگست ۲۰۱۰ء کی میں طوفانی بارشیں ہوئیں جس کی وجہ سے اس نالے میں سیلاب آیا مقامی آبادی اور زمینوں کو کافی نقصان پہنچایا۔

نالہ اسمبر

اشکومن سے سندھی یاسین تک پھیلا ہوا ہے۔گرمیوں میں اکثر سیاح اس نالے سے اشکومن میں داخل ہوجاتے ہیں۔ تنگ اور گہرے سنگلاخ پہاڑی سلسلے اس نالے میں واقع ہیں۔ یہاں چراگا ہیں اپنی مثال آپ ہیں جنگلات بھی بہت پائے جاتے ہیں اسمبر سطح سمندر سے 2910 میٹر بلندی پر واقع ہے۔ اس نالے سے چند کلومیٹر آگے اپر بورٹ واقع ہے۔ اس سے آگے جُنالی اور شوارن نامی جگہیں واقع ہیں۔ شوارن سے چند کلومیٹر آگے دردر نالہ اس نالے سے ملتا ہے۔3630میٹر بلندی پر واقع اس جگہ پر جنگلات اور قدرتی وسائل کی کوئی کمی نہیں یہاں ایک دن قیام کے بعد آپ سیدھا آگے سندھی یاسین میں مُدوری کوٹ تک جاسکتے ہیں۔اگر آپ اس نالے میں شاوارن سے جنوب کی جانب گم سکھ پہنچ جاتے ہیں تو وہاں سے آپ گاکوچ یا گوپس جاسکتے ہیں قدیم زمانے میں سندھی یاسین سے لوگ ہجرت کرکے اشکومن یہاں سے داخل ہوئے تھے۔ ڈوگروں کے مُدوری کوٹ پرحملہ کے وقت لوگ اس نالے سے فرار ہوئے۔

نالہ بڑوگہہ

وادی اشکومن کے مشہور نالوں میں سے ایک ہے اس نالے کی خوبصورتی اور قدرتی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مناظر اپنی مثال آپ ہیں۔ لوگ گرمیوں میں اس نالے میں اپنے مال مویشیوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر جھونپڑیاں بنا کر چار پانچ مہینے رہتے ہیں۔ گرمیوں میں یہاں کے لوگ اور خاص طور پر سیاح اس سے گزر کر یاسین درکوت تک شکار کھیلنے کیلئے بھی آتے رہتے ہیں۔ یہاں ایک جھیل جسے مقامی زبان میں ''بھری-Bari'' کہتے ہیں، واقع ہے۔ اس نالے کو نالہ 'بابو سر' بھی کہتے ہیں۔ یہاں ایک آبشار بھی ہے جسے مقامی زبان میں 'ڈوروچھر' کہتے ہیں۔ اس نالے میں 'ہنگل' کی پہاڑی 5323 میٹر بلند ہے۔ اس نالے سے بھی راستہ درکوت یاسین تک جاتی ہے۔

نالہ متھنتر

غوٹلتی سے چند کلومیٹر دور ہندس سے درکوت تک ایک وسیع وعریض نالہ واقع ہے جیسے 'متھنتر' کہتے ہیں یہ بروشسکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہے 'دور نالہ' کرنل شمبرگ 1933ء میں اس نالے سے گزرے اور بہت ساری معلومات ہمیں یادگار چھوڑیں۔ اس نالے کے بارے میں کرنل شمبرگ کہتے ہیں کہ

"...The top of the Ataro Sar or the Atar pass on the water shed between Ishkoman and Yasin: it is an easy pass, particularly so on the Yasin Side..." (Between the Oxes and Indus). (p 47) 'آٹر جھیل کے بالکل اوپر پانی کا بہاؤ اشکومن اور یاسین کے درمیان سرحد طے کرتا ہے۔ یہ بہت آسان گزرگاہ ہے خاص طور پر یاسین کی اطراف میں۔۔۔''

جون بڈلف اپنی کتاب 'ہندوکش کے قبائل' (ص۵۲) اور 'گلگت گیمز' میں (ص۹۰)

میں اس نالے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''قدیم زمانے میں لوگ یاسین، درکوت اور واخان سے اس نالے سے وادی اشکومن میں داخل ہوتے تھے۔ تجارت کی غرض سے بھی لوگ یہاں آتے تھے۔''

ڈاکٹر احمد حسن دانی اپنی کتاب 'ناردرن ایریاز اپ ٹو 2000ء' میں لکھتے ہیں کہ

'' اس وادی میں ہندس کے مقام پر صدیوں پرانے مزار اب بھی کھدائی سے دریافت ہوئے ہیں جن سے لوگ مٹکے زیورات اور مختلف چیزیں اکثر نکالتے رہتے ہیں''۔ (حسن دانی، ص 206,182)

نالہ 'متھنتر' اپنی سرسبز و شادابی کی وجہ سے بھی بہت مشہور ہے۔ جن کا تذکرہ کرتے ہوئے کرنل شمبرگ لکھتے ہیں

"...I saw real pines growing in the abundance and the whole of the Mathantar Valley was clothed with them. Birch and especially popular were numerous: the latter were shedding their seeds of cotton-down which lay in soft heaps on the ground..."(p 80).

ترجمہ:''۔۔۔میں نے پورے ماتھن تر نالے میں پھیلے صنوبر اور دیودار کے درختوں کو دیکھا جو پوری وادی میں چادر کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ بھوج پتر اور خاص کر موچھور (بیت کی طرح کا ایک

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جنگلی درخت) کی بہت کثرت تھی۔ان کے پھول بیج کے بعد
زمین پر اس طرح پڑے تھے جیسے کاٹنوں کے انبار لگے ہیں ۔۔''

اس نالے میں اب بھی جنگلات کثرت سے پائے جاتے ہیں لوگ سال میں چار پانچ مہینے اپنے مال مویشیوں کے ساتھ یہاں رہتے ہیں۔چیڑ اور صنوبر کی فراوانی ہے۔ بڑے بڑے گلیشیرز اور پہاڑی سلسلے ہیں ان میں مارخور' کیل اور لومڑیاں پائے جاتے ہیں۔ سیاحت کیلئے اس نالے کی خوبصورتی اپنی مثال آپ ہے ۔

نالہ قرمبر

نالہ قرمبر ایمت سے سطح مرتفع پامیر تک پھیلا ہوا ہے جسے' بام دنیا' یعنی دنیا کی چھت بھی کہتے ہیں۔اس نالے میں بے شمار چھوٹے چھوٹے نالے ہیں۔ان میں سے اکثر واخان پامیر و چترال تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انتہائی بلند چوٹیاں' گلیشیرز' آبشاریں اور سبزہ زاروں کے علاوہ جنگلات کی بھی کثرت ہے۔ یہ وادی ماضی میں ایک اہم گزرگاہ تھی۔ ان نالوں میں بدصوات' قرمبر' چلینج' خورہ بورتھ' شینج اور قرمبر شامل ہیں۔ ان نالوں سے ہنزہ گوجال میں چپورسن اور شمال کی جانب یارخند تک راستے ملتے ہیں۔

نالہ راؤشن

گاہکوچ سے چند کلومیٹر آگے ہاتم' ہوپر اور اس سے آگے یانگل کا خوبصورت گاؤں آتا ہے۔ یانگل سے تھوڑا آگے راؤشن واقع ہے اور اس گاؤں کے ساتھ راؤشن نالہ ہے۔ یہ نالہ اپنی وسعت اور لمبائی کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ مال مویشیوں کے ساتھ لوگ یہاں گرمیوں میں رہتے ہیں۔اس نالے میں چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی ہیں۔ شروع میں بابوریت اس سے آگے کنی بر ڈاڈوری گاؤں واقع ہیں۔ یہاں سے آگے دو نالے جاتے ہیں۔ مشرق کی جانب سرگہہ اور مغرب کی جانب گلاچ گہہ واقع ہے۔ گلاچ نالے میں مزید تین چھوٹے چھوٹے گاؤں کی طرح جگہیں ہیں۔

ایک کو دادی ہارائے' ایک کو عبدلئے ہارائے اور ایک کو سری ہارائے کہتے ہیں۔ یہاں لوگ گرمیوں میں اپنے مال مویشیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔یہاں سبزیاں اور ہلکی پھلکی فصلیں بھی اُگائی جاتی ہیں۔ نالہ راؤشن سے سیدھا آگے جانے سے آپ یاسولی ہارائے' غوٹومی ہارائے' داریلی ہارائے' لاتو ہارائے سے ہوتے ہوئے نالہ راؤشن کی سرحد مَشادو گہہ نکل جاتا ہے۔ وہاں سے مشرقی جانب شن گہہ سے ہوتے ہوئے یہ نالہ آفوئے ہارائے نامی جگہے سے آگے جاکے سنگل نالہ میں پتھر گہہ سے ملتا ہے اور وہاں سے ایک پٹی داریل کی سرحد کی طرف جاتی ہے۔ ماشادو نالہ میں شوچی گھالی 4127 میٹر بلندی پر واقع ہے۔شن گہہ میں شمال کی جانب نالہ گلمتی واقع ہے جو سنگل میں سرگہہ کے ساتھ ہے۔ یہ سطح سمندر سے 4594 میٹر بلند ہے۔ اس نالے سے آپ مشرق کی جانب سرو گہہ سے نالہ گاہکوچ اور عیشی نالہ تک کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ اس نالے میں چھوٹے چھوٹے پہاڑی چوٹیاں ہیں جن کی بلندی 4500 میٹر سے کچھ زیادہ ہوسکتی ہے۔ یہ تمام نالے قدرتی وسائل سے مالامال ہیں۔یہاں جنگلات اور گلیشر ز بھی پائے جاتے ہیں۔یہاں کیل' ماخور' ریچھ' لومڑیاں' بھڑیا وغیرہ پائے جاتے ہیں۔مقامی لوگ ان نالوں سے بھر پور فائدہ اُٹھاتے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی توجہ تعلیم اور ملازمتوں کی طرف ہونے کی وجہ سے چند لوگ ہی ان وسائل سے فائدہ لیتے ہیں۔ اس نالے میں بھی مقامی لوگوں سے گجر قوم زیادہ تر ان نالوں میں جاتے ہیں۔ان کے پاس مال مویشی کافی ہوتے ہیں۔ گوشت' گھی' چمڑہ' کے علاوہ دیسی کھاد بھی یہ لوگ ان پالتو جانوروں سے حاصل کرتے ہیں۔تعلیم کی طرف ان کی توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان پہاڑوں میں معدنیات کے آثار زیادہ نظر آتے ہیں۔ لوگ سلاجیت اور طرح طرح کے پتھر نکال کر مقامی مارکیٹ میں اونے پونے میں بیچ دیتے ہیں۔ قدیم زمانے میں بگوڑہ یا باغی لوگ ان نالوں سے سرحد کے اس پار داریل میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پناہ لیتے تھے۔ سرحدات کے قریب ہونے کی وجہ سے لوگ ان کے مال مویشیوں کو بھی چراتے تھے ان حالات میں کمی واقع ہوئی ہے۔ مقامی لوگوں کے ذہن میں اب بھی خوف پایاجاتاہے۔ سیاحت کے لئے ان وادیوں کے راستے کافی سنگلاخ اور مشکل ہے تاہم قدرتی مناظرقابل دید اور دلفریب ہیں۔ ان نالوں میں مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔

نالہ درمدر/درمندر

گاہکوچ سے چندکلومیٹر آگے گم سنگھ کے مقام پر شمال کی جانب واقع ہے۔ یہ نالہ شمال میں نالہ اسمبر سے ملتاہے۔ جہاں سے مشرق کی جانب اشکومن اور مغرب کی جانب یاسین کی سرحد تک ملتاہے۔ مقامی لوگ اس نالے سے پانی،لکڑی اور فصلیں بھی حاصل کرتے ہیں۔ سیاحت اور سیر وتفریح کے لئے بہت موزوں ہے۔ لوگ اس نالے میں بھی مال مویشیوں کے ساتھ جاتے ہیں۔ اس نالے کا راستہ زیادہ دشوار نہیں پیدل اس نالے تک آسانی سے جاسکتے ہیں۔ سطح سمندر سے 4495 میٹر بلند ہے۔

نالہ شیرقلعہ

شیرقلعہ میں کئی ایک نالے ہیں جن سے اس علاقے کیلئے پانی اور لکڑی وافر مقدار میں ملتاہیں۔ قدرتی مناظر بہت دلفریب اور دلکش ہیں۔ یہ نالہ گاؤں سے چند کلومیٹر آگے شمال کی جانب دوحصوں میں تقسیم ہوتاہے۔ ایک طرف شمال مشرق میں نلتر سے ملتاہے جس کو بچھار گھہ کہتے ہے دوسری طرف نالے کوشیر گھہ کہتے ہے ان نالوں میں مقامی لوگ اپنے مال مویشی کے ساتھ گرمیوں میں جاتے ہیں۔ معدنیات اور مقامی وسائل جن میں پانی، لکڑی، دودھ، گوشت اور جڑی بوٹیاں عام ملتے ہیں۔

وادی یاسین کے مشہور نالے

وادی یاسین جغرافیائی اور سیاسی لحاظ سے غذر کے اہم علاقوں میں سے ایک ہے۔ اس

وادی میں بہت سارے مشہور نالے ہیں جوماضی کے حکمرانوں کے لئے بہت اہم رہے ہیں۔ گلگت بلتستان کے علاوہ اس وادی کے نالوں کی داستانیں مغربی سیاحوں اور مورخین کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں۔ وادی یاسین گوپس سے تھوڑا آگے سِلی ہرنگ سے شروع ہوتی ہے۔ ہِلتر،گندائے، نوح، مورکہ، بوجائیوٹ، مانچ کے بعد یاسین خاص کا گاؤں واقع ہے۔ یاسین خاص سے جنوب مغرب کی جانب ایک اہم نالہ نازبر شروع ہوتاہے۔ فٹی داس، بلتررنگ،نرمل،بٹاکوشی اورشُغتن اس نالے کے اہم گاؤں ہیں۔ بلتررنگ پہاڑکی بلندی 4916 میٹرہے۔ اس نالے میں بہت سے چھوٹے چھوٹے نالے ہیں جن میں نرانل بر، کھابر، کھامت بر، یلتوبر، کنوگھول اور ھارین کھولشل شامل ہیں۔ یہ نالہ سیدھا آگے باوشتر نالہ سے ملکر زگرشیوٹا سے ہوتے ہوئے چترال نکلتاہے۔ یہ نالہ سیاحوں کیلئے بہت دلچسپ اور دلفریب ہے۔ جنگلات اور گلیشر بھی اس نالے میں بہت ہیں۔ یہاں کی زمینیں پھل فروٹ اور فصلوں کیلئے مشہور ہیں۔ ان علاقوں میں اسماعیلی اور اہل السنّت والجماعت کے لوگ رہتے ہیں۔ اسماعیلیوں کی آبادی زیادہ ہے۔اس نالے میں پن بجلی پیدا کرنے کے بہت مواقع ہیں فی الحال ایک بجلی گھر ہے۔ پکی سڑک اس علاقے میں کافی آگے تک بنی ہے۔

یاسین خاص سے سیدھا آگے جانے سے راستے میں طاؤس،سلطان آباد اور دریا کے اس پار غوجلتی،مُل ،ڈوری کوٹ اور دلسندی واقع ہے۔ ڈوری کوٹ سے ایک نالہ اسمبر اشکومن جاملتاہے جس کی وضاحت نالہ اسمبر میں ہوچکی ہے۔ سلطان آباد سے تھوڑا آگے برکلتی کے علاقے مغرب کی جانب ایک اہم وادی تھوئی واقع ہے۔ اس وادی کے اہم گاؤں میں غیانسِل،دھلکوئی،حرپ،ڈپس،داس،نلتی شوٹ، بلم کش، گھاشوچی،تھلتی، مُشک، لَسٹ، بَلی گرچ ،رامچ،سوٹلیگ اور گھسوچی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

شامل ہیں۔ نالتی کے قریب یہ وادی دو حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہے شوٹ کی طرف ایک چھوٹانالہ ہے دوسری طرف داس سے آگے ایک نالہ شمال کی جانب جاتاہے جو آگے جاکر چترال میں جاملتاہے۔تھوئی فصلوں اور فروٹ کیلئے بہت زرخیز ہے۔ اس وادی کے گلیشیرسے پانی کی فروانی کی وجہ سے جنگلات کافی پائے جاتے ہیں۔ اس وادی میں فی الحال ایک پن بجلی گھر کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

یاسین سطان آبادسے شمال کی جانب برنداس، برکلتی، ہندور، ترست، اُمست اوردرکوت واقع ہیں۔ درکوت شمال مشرق کی جانب اشکومن کی سرحدسے ملتاہے۔ روٹ سے سیدھاآگے یہ وادی بروغل سے ہوتے ہوئے چترال تک جاتی ہے۔ درکوت میں چھوٹے چھوٹے گلیشرز اور جھیلیں بھی ہیں۔ روٹ سے آگے پہاڑی پر ایک گرم چشمہ ہے جو سال بھرگرم رہتاہے۔گردونواح سے لوگ اس چشمے میں اپنے جسمانی امراض کی قدرتی علاج کے لئے آتے ہیں۔ جوڑوں کے درد اور دیگر امراض کیلئے یہ چشمہ بہت موثرہے۔ درکوت ماضی میں ایک انگریزکےقتل کے حوالے سے بھی مشہور ہے جس کا ذکراس کتاب میں ہوچکاہے۔اس علاقے میں پانی اورجنگلات کی فروانی ہے۔ جنگلات زیادہ تر پہاڑوں پر ہونے کی وجہ سے ان علاقوں میں مصنوعی جنگلات لگائی گئیں ہیں۔

وادی یاسین کے یہ تمام نالے معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پانی کی فروانی ہے اس لئے فصل اورفروٹ کی پیدوار بہت عام ہے۔ پہاڑوں پر معدنیات کے ذخائر اور قدیم تہذیبوں کے آثارنظر آتے ہیں۔ غذر پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے نالوں کی کوئی کمی نہیں۔ ہر گاؤں کا اپنا نالہ ہے جو پانی اورلکڑی کے علاوہ دوسری مقامی ضروریات پورا کرنے میں بھرپور کردار اداکرتاہے۔

اہم درّے

غذر میں بہت سے درّے ہیں جو اس علاقے کو دیگر علاقوں سے ملاتے ہیں ان تمام کی تفصیل اس طرح ہے؛

درّہ اسمبر

سطح سمندر سے بلندی 4560 میٹرہے اشکومن کو یاسین سے ملاتاہے سیاحوں کے لئے اہم گزرگاہ ہے۔مئی سے اکتوبرتک یہاں سے گزرا جاسکتاہے۔

آٹر پاس

اس درّے کی بلندی سطح سمندر سے5720 میٹر ہے۔ یہ درّہ اشکومن کو درکوت سے ملاتاہے گرمیوں میں مقامی اور غیرملکی سیاح اس درّے سے اشکومن آتے ہیں۔

درّہ قرمبر

4260 میٹر بلندی پر واقع ہے جو اشکومن کو یارخند اور دوسری جانب اشکومن کو چیپورسن گوجال سے ملاتاہے۔

پکورہ پاس

4710 میٹرواقع یہ درہ اشکومن کونلترگلگت سے ملاتاہےمشہور درّہ ہے سیاح اور مقامی لوگ گرمیوں میں اس نالے سے آتے رہتے ہیں۔

درّہ سنگل

سنگل نالہ اپنی وسعت اور لمبائی کی وجہ سےمشہورہے۔ یہ نالہ غذر اور داریل کے درمیان درّہ بھی ہے۔ اس درّے میں کئی ایک چھوٹے چھوٹے نالے ہیں۔ داریل کی سرحدکے نزدیک دوجگہوں شٹو چوگہہ اور پتھرگہہ سے داریل کی وادیوں میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں سطح سمندر سے بلندی 4939 میٹر ہے۔ اس درّے میں کینی چُچ نامی ایک پہاڑی ہے جس کی بلندی بھی 4939 میٹر ہے۔ پتھر نالہ میں ایک جھیل واقع ہے جو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بہت خوبصورت ہے۔ اس نالے کی تفصیلات نالہ سنگل کے عنوان سے اس کتاب میں کیا جاچکا ہے۔

درّہ راؤشن

نالہ روَشن اپنی لمبائی اور وسعت کے لحاظ سے بہت لمبا ہے اس وجہ سے اس نالے کو بھی ہم درّہ کہہ سکتے ہیں۔اس سے آپ نالہ بتریت اور سنگل نالے تک جاسکتے ہیں۔ اس نالے کی سرحدات بھی دریل سے ملتی ہیں۔ اس میں موجود پہاڑی چوٹیوں کی بلندی تقریباً چاپنچ ہزار میٹر تک بلند ہے۔ ان میں کئی برڈوری کی پہاڑی 5014 ‘داریلی ہارائے4966اورروَشن گلی 4845 میٹر تک بلند ہے۔

درّہ ہندراب

اس درّے سے کلام کوہستان‘سوات اور دیر تک راستے ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھوکش نالے سے بھی کوہستان تک پہاڑی راستہ جاتا ہے۔

چھشی نالہ

یہ درّہ بھی بہت مشہور ہے۔ اس درّے سے دو تین نالے داریل اور کوہستان کی سرحد تک جاملتے ہیں۔ ان پہاڑی سلسلوں کی بلندی سطح سمندر سے تقریباً 5000 میٹر تک بلند ہے۔

درّہ درکوت

یاسین کے اہم درّوں میں سے ایک ہے۔ قدیم زمانے میں یاسین اورچترال کے درمیان اہم مراسم اس درّے سے ہوتے تھے اس کی اہم خوبی یہ ہے کہ اشکومن اور یاسین سے چترال تک رسائی ہوتی ہے۔اس درّے کا راستہ چترال تک بہت آسان اورمختصر ہے۔ اگرکوئی شخص صبح سویرے درکوت نکلے توشام تک وہ بروغل (چترال) پہنچ

سکتا ہے۔

شیرقلعہ

شیرقلعہ سے مشرق کی جانب ایک نالہ نلتر کو ملاتا ہے یہ راستہ کم دشوار گزار ہے۔

جنگلی اور پالتو جانور

غذر میں گلگت بلتستان کے دوسرے علاقوں کی طرح مختلف پالتو اور جنگلی جانور پائے جاتے ہیں۔ ان میں گائے‘ بیل‘ بکریاں‘ گدھے‘گھوڑے‘خوشگاؤں‘بھیڑیں‘اور کم تعداد میں خچر اور اونٹ بھی پالے جاتے ہیں۔جنگلی جانوروں میں مارخور‘ کیل‘لومڑی‘ ریچھ‘ بیڑیئے‘ چیتا‘ گلہری‘ چوہے‘ سانپ‘بیلیاں وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

درخت‘ پھول اورسبزیاں

درختوں میں سفیدہ‘ بیر‘خوبانی‘اخروٹ‘ بادام‘ انار‘ انگور‘ ناشپاتی‘سیب‘آلوبخارا‘ چیری‘ چتوز‘ بید‘ چنار‘ چیڑ‘ صنوبراوردیگر قدرتی درخت پائے جاتے ہیں۔ پھولوں میں سورج مکھی‘ گل لالہ‘ چنبیلی‘گل نرگس‘بیباری‘ گلاب‘گل یاسمین وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ سبزیوں میں گاجر‘مولی‘سواچل‘پالک‘گوبھی‘ہری مرچ‘ پودینہ‘ سلاد‘ پھول گوبھی‘ حزیگر‘ بھنڈی ‘بیگن‘ مٹر‘ پیاز‘ٹماٹر‘لہسن‘میتھی‘شلجم‘دھنیہ‘کدو‘تربوز‘ خربوزہ‘ کچ آلو‘آلو وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ دالوں میں لوبیہ‘راجمہ‘ کالی ماش‘سفید راجمہ جس کومقامی زبان میں رابنگ کہتے ہیں‘ کاشت کئے جاتے ہیں۔فروٹ میں چیری‘خوبانی‘سیب‘ناشپاتی‘آڑو‘ انار‘ اخروٹ‘ بادام‘ آلو بخارا‘حرمت‘ بیروغیرہ ملتے ہیں۔

معدنیات

غذرکی وادیوں میں معدنیات اورقدرتی وسائل کی کوئی کمی نہیں لیکن آج تک ان قدرتی وسائل کی تلاش نہیں کی گئی۔ مقامی لوگ لاعلمی اور غربت کی وجہ سے ان معدنیات

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سے بے خبر ہیں۔ اس کے باوجود بھی مقامی لوگ جن معدنیات کو جانتے ہیں ان کو تلاش بھی کرتے ہیں اور ذرمبادلہ بھی کماتے ہیں۔ مثلاً سلاجیت، قیمتی پتھر، اورسونا۔ ان علاقوں میں بہت سے قدرتی معدنیات ہوسکتے ہیں پروفیسر منظوم علی (2004ء) نے چند ایک کی یوں نشاندہی کی ہے۔ پھنڈر، شندور، ٹیرو اور برست میں Iron لوہا، Tin، Copper کوپر، Lead سیسہ، Antimony سرمہ، Nickle، Zinc جست، Cobalt ، Silver ملتے ہیں۔ ذگرگھول کی وادی میں Cobalt ، Zinc جست عام ملتے ہیں۔ وادی یاسین درکوت میں Iron لوہا، Tin Copper کوپر، Lead سیسہ، Antimony سرمہ اور سونا کے زیرزمین ذخائر پائے جاتے ہیں۔ گوپس راوَشن نالہ میں سونا، جست، Cobalt ملتے ہیں۔ سنگل نالے میں Iron لوہا، سلاجیت، Tin، Copper کوپر، Lead سیسہ، Antimony سرمہ، Nickle، Zi، Cobalt، Bismit، Gold سونا وغیرہ کے آثار عام ملتے ہیں۔ دائین اشکومن میں Copper چٹورکھنڈ میں لوہا، Tin، Copper کوپر، Lead سیسہ، Antimony سرمہ، Nickle، Zing، Cobalt، Silver چاندی، Bismit، Gold سونے کے ذخائر ملنے کے امکانات ہیں اور ان معدنیات کے آثار عام ملتے ہیں۔ برگل میں Copper ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ وادی اشکومن اور ایمیت میں بھی سونا، جست، چاندی، سنگ مرمر، چونے کا پتھر، سیسہ، سرمہ، سلاجیت، لوہا اور Cobalt ملتے ہیں۔ غذر کے پہاڑوں میں Gem Stone بھی موجود ہونے کے امکانات ہیں۔ ان میں Garnet، لعل، Quartz سنگ مرمر، Ruby سرخ رنگ، Aquamarin نیلگون بلور، Emerald زمرد، Topaz پکھراج، زمرد Tourmoline چونے کا پتھر، Spinel مختلف رنگوں کے معدنیات، Zircon سنگ زرقون اور Pargasite شامل ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان پہاڑوں میں جدید آلات سے تلاش کی

جائے تو ان کے علاوہ بھی معدنیات مل سکتے ہیں۔

ہر چیز سے ہے تیری کاریگری ٹپکتی
یہ کارخانہ تو نے کب رائیگاں بنایا

بڑے بڑے گاؤں

غذر میں کل 118 گاؤں ہیں۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے گاؤں دور دور پھیلے ہوئے ہیں۔ دریا کے آرپار کے گاؤں کو پلوں سے ملایا گیا ہے۔ ماضی میں چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے جو آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے اب مسلسل پھیل رہے ہیں۔ یہاں پر چند ایک بڑے بڑے گاؤں کے بارے لکھا جاتا ہے۔

بیارچی

بیارچی تاریخی گاؤں ہے۔ قدیم زمانے میں گوہرامان اور سکھوں کے درمیان عظیم معرکہ اس گاؤں میں ہوا تھا۔ جنگ کے بعد ان کے درمیان صلح ہوئی اور اس گاؤں کو ہی ضلع غذر کی سرحد قرار دیا گیا۔ اس کے بعد سے اب تک یہ غذر اور گلگت کے درمیانی سرحد ہے یہاں سے آگے گلگت کی حدود شروع ہوتی ہے۔ بیارچی کی آبادی گلاپور سے کم ہے یہاں شینا زبان بولی جاتی ہے۔ اس گاؤں میں اہل السنّت والجماعت کی اکثریت ہے۔ پرائمری سکول اور دیگر تعلیمی ادارے بھی ہیں۔ نالہ بیارچی جنگلات اور دیگر وسائل سے مالامال ہے۔ پھل فروٹ کے لئے یہ زمینیں بہت زرخیز ہیں۔

گلاپور

گلگت سے شمال مغرب کی جانب 30 کلومیٹر دور ضلع غذر تحصیل پونیال کا دوسرا گاؤں گلاپور واقع ہے۔ یہ گاؤں اپنی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ قدیم زمانے میں شاوت کی حکمرانی میں یہ گاؤں داریل تانگیر کے زیر اثر رہاہے۔ بعد میں مہتران چترال نے یہاں کے راجے کو قتل کرکے ان کی حکومت کو ان علاقوں سے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ختم کر دیا۔ گلاپور کو ضلع غذر کا دروازہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ضلع غذر میں داخلے کا ایک ہی راستہ ہے جو اس گاؤں سے گزرتا ہے۔ گلاپور قدرتی وسائل سے مالامال ہے۔ نالہ بیارچی اور گلاپور جنگلات سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ یہاں شکار اور سیاحت کے پر فضاء مقامات ہیں۔ اس گاؤں کا پانی بہت صاف اور صحت افزا ہے۔ پھل فروٹ، سبزیاں اور فصل کیلئے یہاں کی زمین بہت زرخیز ہے۔ لوگوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہے زیادہ تر کا انحصار زراعت، پھل فروٹ اور مال مویشیوں پر ہے۔ یہاں کا انار پورے گلگت بلتستان میں مشہور ہے۔ گاؤں میں بوائز ہائی سکول کے ساتھ کئی ایک نجی اور سرکاری سکول ہیں جہاں بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی مدرسے بھی قائم ہیں۔ گاؤں کی آبادی تقریباً چار ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اس گاؤں میں ۹۹ فیصد اہل السنّت والجماعت کے لوگ آباد ہیں۔ چند گھرانے اسماعیلی مسلمانوں کے بھی ہیں۔ قدیم زمانے میں یہاں کے لوگ مظاہر پرست اور بدھ مت کے پجاری تھے وقت کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی روشنی میں آگئے۔ یہ لوگ پہلے پہل اسماعیلی تھے بعد کے سیاسی حالات اور داریل تانگیر کے علاوہ حکمران وقت کی وجہ سے سنی مذہب اختیار کرچکے ہیں۔ گاؤں میں کئی مساجد اور مدرسے ہیں جہاں اسلامی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ بہت محنتی، ملنسار اور مہمان نواز ہیں۔ سرکاری اور غیرسرکاری اداروں میں ملازمت کے اہم عہدوں پر یہاں کے لوگ کام کرتے ہیں۔ پورے گاؤں میں شینا زبان بولی جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ اپنی ثقافت اور اقدار کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اس گاؤں میں کوئی بڑا ہوٹل نہیں تاہم چھوٹے چھوٹے ہوٹل روڈ کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ قدوقامت میں چست اور صحت مند ہیں یہی وجہ ہے کہ کھیل کود اور شعر و شاعری میں نوجوان کافی شغف رکھتے ہیں۔ عالمگیر، ملنگی اور فرمان ولی خیالی اس گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں جو شینا میں شعروشاعری کرتے ہیں اور ان کی شاعری کو لوگ بہت

پسند کرتے ہیں۔اس گاؤں کے اہم خاندانوں (قبیلوں) وزیرے، دیدارے، بکے، شمارے، جیئے، مروشے، بکھرے، باگورے اور گجر شامل ہیں۔ زیادہ تر کا تعلق یشکن قبیلے سے ہیں ان کے علاوہ شین اور کمین بھی یہاں آباد ہیں۔

شیرقلعہ

شیر قلعہ ضلع غذر تحصیل پونیال کے اہم گاؤں میں سے ایک ہے۔شیرقلعہ کا پرانا نام چھبورکھنڈ اور گاؤں کا نام چھیر تھا۔ قدیم زمانے میں ریاست پونیال کا دوسرا دارالخلافہ تھا۔ ماضی قریب کے راجے اس گاؤں میں رہتے تھے۔ ان میں راجہ محمد انورخان، راجہ محمد اکبر خان اور راجہ جان عالم شامل ہیں۔ اس گاؤں کی آبادی دس ہزار سے زائد ہے۔ضلعی ہیڈکواٹر گاہکوچ سے 35 کلومیٹر اور گلگت سے 36 کلومیٹر پر واقع ہے۔ شیر قلعہ میں داخلے کے لئے ایک معلق پل ہے جہاں سے چھوٹی گاڑیاں گزرتی ہیں۔ اس گاؤں کے قدرتی مناظر قابل دید ہیں نالہ شیرقلعہ اپنی شادابی اور زرخیزی کی وجہ سے مشہور ہے آپ یہاں سے نلتر بھی جاسکتے ہیں۔ شیر قلعہ کئی گاؤں پر مشتمل ہے جن میں سلطان آباد، رحیم آباد، حسین آباد، کریم آباد، ہموچل اور دیرانی۔ ہموچل شیرقلعہ سے آگے گاہکوچ کی جانب ایک چھوٹا گاؤں ہے۔یہاں قدیم زمانے میں چڑیل بہت ہوتے تھے اس لئے پریوں اور چڑیلوں کا کوٹ بھی یہاں واقع ہیں۔ہموچل میں ایک ٹیلہ ہے جس کو روئیوکوٹ کہا جاتا ہے۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ شام کو یہاں روشنیاں نظر آتی ہیں۔ دلناٹی دریا کے اُس پار واقع ہے۔ یہ بہت مشہور گاؤں ہے قدیم زمانے میں چڑیل اور پریوں کے مسکن کے طور پر جانا جاتا ہے۔مقامی لوگ اب بھی شام کے وقت خوفناک آوازیں سنتے ہیں۔ گاؤں کے اوپر ایک غیر آباد جگہ ہے جہاں شام کے وقت مختلف آوازیں آتی ہیں۔شیرقلعہ کے علاقوں کے لوگ شینا زبان بولتے ہیں۔ اکثریت یشکن قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ درجہ ذیل قبائل رہتے ہیں؛

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

راجے،راجپوت،رونو،ماتمے،مشنگے ، بگوتے، سُوداۓ، تِیننے، مسُورے، بیگالے اورگجر وغیرہ۔ تعلیمی لحاظ سے یہاں کی شرح تعلیم تقریباً 96فیصد ہے۔ مردوں اور عورتوں کی شرح تعلیم برابر ہے۔ اس گاؤں میں سینکڑوں نوجوانوں نے ماسٹر کی ڈگری لی ہے۔ یہاں کے اہم پیشوں میں زراعت، گلہ بانی اور سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں ملازمت شامل ہیں۔ پھل فروٹ اور کاروبار کا بھی ان کی معیشت پر بہت اثر ہے۔ یہاں کے لوگ بہت محنتی، جفاکش، مہمان نواز اور شریف ہیں ۔ گاؤں میں مسلمانوں کے تینوں فرقوں کی نمائندگی ہے۔ اکثریت میں اسماعیلی مسلمان ہیں۔ دوسرے نمبر پر اہل السنّت و الجمات اور چند گھرانے اہل التشیع کے بھی ہیں۔ یہ تمام فرقے اسلامی بھائی چارے اور یکجہتی کی اعلیٰ اقدار کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں۔

یہاں چھ جماعت خانے، تین مساجد اورایک امام بارگاہ کی خوبصورت عمارتیں ہیں۔ یہاں سب سے قدیم مسجد راجہ اکبر خان نے تعمیر کروایاہے۔ اس مسجد کی عمارت چھوٹی مگر فن تعمیرات سے مزّین ہے۔ مسجد کے محراب اور مینار پر قدیم کشمیری ڈیزائین کے کیلی گرافی کی گئی ہے۔ مسجد کی تعمیراعلیٰ معیار کی ہے۔اب اس مسجد کی عمارت کی حالت بہت خراب ہے۔مسجد کے ساتھ اس زمانے کے راجوں کے مزار ہیں۔ مزار پر کوئی تختی وغیرہ نہیں جس کی وجہ سے ان کی پہچان بہت مشکل ہوجاتی ہے۔ ضلع غذر کے محکمۂ آثار قدیمہ اور تاریخی محافظین کوان تاریخی مزاروں اور عمارات کی کوئی فکر نہیں۔ اس وجہ سے اس قلعہ کی مشہور میناریں منہدم ہوگئیں۔ مقامی لوگ غربت اور معاشی کم دستی کی وجہ سے ان تاریخی مقامات کے اہم حصوں کو مسمار کرچکے ہیں۔ راجہ جان عالم کے محل میں بہت تاریخی چیزیں موجود ہیں۔ان کے بچوں نے اپنی مدد آپ کے تحت کچھ کو محفوظ رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس ضلع کے ذمہ دارلوگ اس گھرکودیکھنے آتے ہیں لیکن اس عظیم قدیم قومی ورثے کومحفوظ نہیں رکھتے۔ قدیم قبائلی فسادات اور

مذہبی تفرقوں کی وجہ سے لوگ اب بھی ایک دوسرے سے خوف زدہ ہیں بہر حال اس مسجد کی دوبارہ تعمیر کی ضرورت ہے۔

شیر قلعہ ایک تاریخی گاؤں ہے لیکن اس کے باوجود جدید ذرائع آمدورفت سے محروم ہے۔ یہاں بوائز ہائی سکول کے ساتھ دوسرے بہت سارے سکولز کام کررہے ہیں۔ آغاخان سکول شیرقلعہ 1983ء میں قائم ہوا اس سکول کی وجہ سے خواتین کی شرح تعلیم تقریباً 90فیصد سے زیادہ ہے۔ اب اس سکول کو ہائرسیکنڈری کا درجہ مل گیا ہے۔ اس گاؤں میں تعلیمی سہولیات غذر کے دوسرے علاقوں سے بہتر ہیں۔ یہاں کے نوجوان شعر و شاعری اور ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔شینا زبان کے عظیم فلسفی شاعر رحمت جان ملنگ اورمشہور شینابزمی شاعر بابرخان بھی اس گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس علاقے کے لوگ سماجی، سیاسی، مذہبی، معاشی اور ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ بالاورستان نیشنل فرنٹ کے قائد نواز خان ناجی کا تعلق بھی اس گاؤں سے ہے۔ ماضی میں شیر قلعہ بہت مشہور قلعہ تھا۔ فریڈرک ڈریو اپنے سفر نامے ’دی جموں اینڈ کشمیر‘ میں لکھتے ہیں کہ

> ’شیر قلعہ یہاں کا مضبوط ترین قلعہ ہے۔اس کا رُخ دریا کی طرف ہے جس کی وجہ سے پانی کوکاٹنے کاسوال ہی پیدانہیں ہوتا۔ اس کے چاروں اطراف میں اونچی اونچی دیواریں بنی ہوئی ہیں جن میں برج بھی ہیں ان کے اندر کے حصے میں چھوٹے چھوٹے بے شمارمکان بنے ہوئے ہیں جو تین منزلوں میں منقسم ہیں۔راجہ کامکان کونے میں ہے اوربہت اچھابنا ہوا ہے‘۔

گاہکوچ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

گاہکوچ ضلع غذر کا موجودہ دارلحکومت ہے۔ گاہکوچ گلگت سے 74 کلومیٹر دور شمال مغرب میں واقع ہے۔ گلگت سے غذر روڈ پر آپ صرف ڈیڑھ گھنٹے میں یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ گاہکوچ میں رہائش کے لئے بہت سارے ہوٹل ہیں۔ ان میں چند ایک معیاری ہوٹل بھی ہیں جہاں آپ اپنی فیملی اور دوستوں کے ساتھ لطف اندوز ہوسکتے ہیں۔ گاہکوچ قدیم زمانے سے ریاست پونیال کا دارالخلافہ رہ چکاہے۔ ماضی میں زیادہ تر آبادی گاہکوچ بالا میں تھی۔ وہاں ان کاایک عظیم مضبوط قلعہ تھاجس میں رعایااور حکمران کے رہنے کی جگہ تھی۔ دن بھرلوگ اپنے کھیتوں میں کام کرتے اور رات کو اس قلعے میں محصور ہوجاتے تھے کیونکہ اس قلعے پرکٹوروں، خوشوقتوں، سکھوں اور دوسرے حملہ آوروں کے حملے کاخوف رہتاتھا۔ گاہکوچ کی آبادی قدیم سے کافی زیادہ رہی ہے۔ اس وقت یہاں کی آبادی آٹھ ہزارسے زائدہے۔ گاہکوچ کو پرانے زمانے میں 'ہول' بھی کہتے تھے۔ اب گاہکوچ بالااور پائین کے نام سے یاد کیاجاتا ہے۔ گاہکوچ کے بارے فریڈرک ڈیو اپنی کتاب 'دی جموں اینڈ کشمیر' میں لکھتے ہیں کہ

'گاہکوچ اونچے مقام پر واقع ہے یہ پونیال کاآخری گاؤں ہے۔ یہ ۴۹۴۰ فٹ سطح سمندرسے اونچاہے۔ یہ پہاڑکی نوک پر آبادہے۔ جس کے پیچھے ڈھلوان میدان ہیں۔ یہ دریا سے کوئی سات سو بلندی پرہے۔ یہ بہت ٹھنڈی جگہ ہے اور یہاں کی ہوا بھی رواں رہتی ہے۔ یہاں سردیوں میں چھ انچ سے ڈیڑھ فٹ تک برف گرتی ہے اور تین مہینوں تک جمی رہتی ہے۔ البتہ چھ سوفٹ نیچے دریاکے ساتھ میدان میں دو فصلیں اگائی جاتی ہے۔ گاہکوچ ایک مضبوط قلعہ ہے اس کے اندر ایک چشمہ اُبل رہا ہے۔ قلعہ کی حفاظت گاؤں کے

پچاس آدمی کرتے ہیں جو بہت مسلح ہیں۔ قلعے کے پیچھے ایک میدان ہے جس کو یہاں کے لوگ 'بہر' کہتے ہیں۔ یہاں کوئی راستے نہیں صرف گھوڑے کیلئے ایک راستہ ہے جہاں سے لوگ گلگت اور دوسرے گاؤں میں جاتے ہیں'۔

یہ ۱۸۷۰ء کی بات ہے جب ڈریو یہاں آیا تھا اور اس وقت راجہ عیسیٰ بہادر کی حکومت تھی۔ ایک اور سیاح اور جنرل شمبرگ نے ۱۹۳۳ء کو ان علاقوں کا دورہ کیا تھا۔ وہ پونیال کے بارے کہتا ہے کہ

''یہاں دریا پر رسیوں کے پُل ہیں۔ دریامیں بڑی طغیانی ہوتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب وہ یہاں آیا تو دیکھا کہ لوگ بہت ذہین، محنتی اور مہمان نواز ہیں۔ مگر اس شخص نے پونیالیوں کو ہنزہ والوں سے کم محنتی بتایاہے۔ وہ کہتاہے کہ یہ لوگ ملازمتیں کرنا پسندنہیں کرتے آرام طلب اورراحت طلب ہیں۔ یہ انگور کا رس بہت شوق سے پیتے ہیں شراب کی صورت میں اور کشید کی صورت میں بھی (ص۔۳۴) ان کا کہنا ہے کہ یہ لوگ پہاڑ پر آسانی سے چڑھتے ہیں اور جنگجو ہیں۔ مرد کی نسبت عورتیں بہت محنت کرتی ہیں اور کھیتوں کا زیادہ ترکام عورتیں کرتی ہیں''۔

میرے خیال میں ان کے اس علاقے میں آتے وقت شاید یہ حالات تھے کیونکہ سفر نگار وہی لکھتا ہے جواس نے دیکھا۔ انسانی تاریخ میں وہی چیزیں رقم ہو جاتی ہے اور تاریخ کا حصہ بنتی ہیں۔ ہمیں تاریخ پڑھ کر اپنے رویوں کو تبدیل کرنا چاہیے۔ اگر ہم اس وقت یہ رویے رکھتے تھے تو آج ہمیں وقت کے ساتھ اپنے رویوں اور عادات کو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تبدیل کرنا چاہئے تاکہ ترقی کی تیز موجوں کی زد میں ہم اپنی شناخت نہ کھو دیں۔
موجودہ وقت میں حکومت کے دفاتر گاہکوچ پائین میں ہیں۔ضلعی دارالحکومت ہونے کی
وجہ سے تمام انتظامی اور تعلیمی ادارے یہاں پر قائم ہیں۔ گاہکوچ کو قدرت نے بہت
سے قدرتی وسائل سے نوازا ہے۔ گاہکوچ بالا میں خوبصورت نالے ہیں جہاں جھیل اور
سبزہ زار ہیں۔ گاہکوچ بالا سے ہاسس اور ہاتون تک کا نظارہ ہوتا ہے۔ گاہکوچ کے
لوگ سادہ، محنتی اور مہمان نواز ہیں۔ یہاں تعلیم کی شرح بہت بہتر ہے۔ مرد اور خواتین
تعلیم میں پیش پیش ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ہائی سکولز کے ساتھ ساتھ انٹر
کالجز بھی ہیں۔ نجی ادروں کی طرف سے بہت سارے سکول کھولے گئے ہیں جن میں
آغاخان ہائر سیکنڈری سکول، غذر پبلک سکول اور کئی نجی کالجز بھی شامل ہیں۔ گاہکوچ
کی آبادی اب مسلسل بڑھ رہی ہے۔

مختلف نسل اور زبانوں کے لوگ یہاں آباد ہو چکے ہیں۔اس علاقے کے باشندوں میں
فاتح کن، کشپو رے، راجے، فیریوے، پھوتو کے، سیگارے، بڑورے، بڑینگے، ٹورے، کوّے،
شُوالے، سید، کمین اور ڈوم وغیرہ شامل ہیں۔ اب یہاں کئی اور قبائل آچکے ہیں۔ گاہکوچ
میں مقامی زبان شینا ہے۔ اب یہاں اردو، کھوار، وخی، انگریزی، پشتو، بروشسکی، گجراتی
اور دیگر زبانیں بولی جاتی ہیں۔ گاہکوچ میں اب نسلی، خاندانی، لسانی، گروہی اور ذاتوں
کی تکثیریت اور گوناگونی ہے۔صحت کے شعبے میں ڈسٹرکٹ ہسپتال قائم ہے۔ کھیل کود
کیلئے گراونڈ کی سہولیات ہیں۔ کاروباری مرکز ہونے کی وجہ سے روزانہ سینکڑوں
گاڑیاں اور بھاری ٹریفک یہاں سے گزرتی ہیں۔ یہاں کوئی ہوائی اڈہ نہیں۔ گاہکوچ
کے شمال کی جانب وادی اشکومن اور مغرب کی جانب گوپس یاسین کی خوبصورت
وادیاں واقع ہیں۔ گاہکوچ اور سلپی کے درمیان دریائے اشکومن اور دریائے گوپس بہتے
ہیں اور گاہکوچ سے آگے گلگت کی جانب دریائے پونیال کے نام سے یہ دریا گلگت

تک جاتا ہے۔ گاہکوچ کی زمین بہت زرخیز اور مردم خیز ہے۔ آب وہوا مناسب
ہونے کی وجہ سے سال میں دو فصل ہوتے ہیں۔فروٹ میں خوبانی، چیری، انگور، ناشپاتی
، آخروٹ، بادام، آلوچہ، آلوبخارہ، انار اور توت عام ملتے ہیں۔ اب لوگ مختلف جگہوں
سے طرح طرح کے پھل متعارف کراچکے ہیں۔فصل میں گندم، مکئی، جو کا رواج ہے۔
سبزیاں عام ملتی ہیں۔ لوگوں کی معیشت کا انحصار زراعت، گلہ بانی، کاروبار اور
ملازمتوں پر ہے۔ قدیم زمانے سے انگور کی شراب مشہور ہے۔ اب اس چیز میں
بہت حد تک کمی آئی ہے کیونکہ زمینوں کے کم ہونے کے ساتھ ساتھ انگور کے درختوں
میں بھی کمی آرہی ہے۔تعلیم اور سماجی ترقی کی وجہ سے اب اس چیز کے استعمال میں کمی
آئی ہے۔ لوگ خفیہ یا بہت احتیاط سے پیتے ہیں۔پینے والوں کو کوئی بھی عزت کی نگاہ
سے نہیں دیکھتا اور نہ ہی وہ پہلے کی طرح پی کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ گاہکوچ کے لوگ
ترقی کے سیلاب میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔زمینوں اور دیگر وسائل کی مارکیٹ
ہونے کی وجہ سے اب تعلیم سے بے خبر نظر آتے ہیں۔ مقامی وسائل اور موقع سے
فائدہ نہ اُٹھایا گیا تو اگلے چند سالوں میں گاہکوچ کی زمین ان کیلئے بہت تنگ ہوجائے
گی۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اس لئے پہلے جن قوموں نے وقت اور موقع
سے فائدہ نہیں اُٹھایا وہ آج محض اپنے آباواجداد کی کہانیوں پر گزارہ کر رہے ہیں۔
بہرحال گاہکوچ ایک بار پھر ماضی کی طرح اہمیت حاصل کرچکا ہے اللہ سرزمین گاہکوچ
کو ترقی کے ساتھ گاہکوچ والوں کو اس سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے۔

گاہکوچ کے ساتھ عیشی کا گاؤں بھی ہے۔ یہ بھی بہت مشہور اور اہم گاؤں ہے۔یہاں
کے لوگ محنتی، مہمان نواز اور شریف ہیں۔اس گاؤں میں پانی کی کمی ہے۔یہاں کی
آبادی سو فیصد اسماعیلی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہاں تین جماعت خانے تعمیر ہیں۔ ہائی
سکول اور ہسپتال نہیں۔ پھل فروٹ اور فصلوں کے لئے یہ جگہ موزوں ہیں۔ سلطان مدد

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پاکستان مسلم لیگ(ن) کے اہم کارکن اور گلگت بلتستان کے قانون ساز اسمبلی کے سابق ممبر کا تعلق اس گاؤں سے ہے۔ کچی سڑک اور بنیادی سہولیات نہ ہونے کے برابر ہے۔ضلعی ہیڈکواٹر سے محض پانچ کلومیٹر اوپر کی طرف واقع ہے لیکن لوگ ہر کام کیلئے مرکز کی طرف آتے ہیں۔ اس گاؤں میں یشکن، ڈوم، کمین کے علاوہ ڈومینے، کوّے خادمے اور میشے قبائل آباد ہیں۔ یہاں بھی شینا زبان بولی جاتی ہے تعلیمی شرح مردوں اور خواتین میں برابر اور بہتر ہے۔

سنگل

سنگل پونیال کے اہم گاؤں میں سے ایک ہے۔یہاں بھی قدیم زمانے میں ایک قلعہ تھا لوگ اس قلعے میں رہتے تھے۔ راستے میں ہونے کی وجہ سے حملہ آوروں کی زد میں ہوتا تھا۔سنگل نالہ بہت وسیع اور داریل تانگیر تک پھیلنے کی وجہ سے بعض اوقات مختلف حکمران بھاگ کر اس میں پناہ لیتے تھے۔سنگل تحصیل پونیال کا ہیڈ کوارٹر بھی رہا ہے اس لئے انتظامی سربراہان وہاں رہتے تھے۔سنگل کی آبادی پانچ ہزار تک ہے۔ یہاں شینا زبان بولی جاتی ہے۔ مذہباً یہاں تمام اسماعیلی مسلمان ہیں۔ یہاں کی زمین بہت زرخیز اور پیداواری ہے۔ پھل فروٹ عام ملتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت محنتی اور جفاکش ہیں۔ مرد اور خواتین تعلیم حاصل کرنے میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔لوگ بہت مہمان نواز اور شریف ہیں۔ یہاں تعلیمی، سماجی اور سیاسی ادارے بہت فعال ہیں۔موجودہ پی پی حکومت میں صوبائی وزیرتعلیم ڈاکٹر علی مدد شیر بھی اس گاؤں سے ہیں۔ یہاں کے لوگ سیاسی اور مذہبی قیادت میں پیش پیش رہے ہیں۔اسماعیلی ریجنل کونسل کا دفتر بھی یہاں ہے اس وجہ سے ماضی قریب میں اس علاقے کی بڑی اہمیت تھی۔ اب گاہکوچ ہیڈ کوارٹر ہونے کی وجہ سے تقریباً سرکاری اور نیم سرکاری دفاتر گاہکوچ منتقل ہوئے ہیں۔سنگل میں آغاخان ہسپتال ہونے کی وجہ سے یہاں لوگوں کا

بہت رش ہوتا ہے جس کی وجہ سے مقامی کاروبار کیلئے اہم مواقع ہیں۔ مقامی لوگ بیماروں کی تیمارداری کے ساتھ ساتھ خون کا عطیہ بھی دیتے ہیں۔ اس گاؤں میں ہوٹل اور ریسٹ ہاؤس بھی ہے۔ قدرتی وسائل سے مالامال ہے اس گاؤں میں ضلع غذر کا سب سے لمبا اور وسیع نالہ سنگل واقع ہے۔ یہاں سے لکڑی اور پانی کے علاوہ فصل بھی حاصل ہوتی ہے۔ غذر روڈ اس گاؤں کے سنٹر سے گزرنے کی وجہ سے دن بھر بازار میں چہل پہل ہوتی ہے۔سنگل، جس میں گوہر آباد سے گلمتی تک کے علاقے شامل ہیں، ان علاقوں میں شھالے، ڈونگھے، گیلیتے اور شھکے قبیلے کے لوگ آباد ہیں۔ ان میں اکثریت یشکن کی ہے۔ اس کے علاوہ کمین اور ڈوم کے چند گھرانے بھی یہاں آباد ہیں۔

بوبر

فریڈرک ڈریو اس کے بارے میں گاؤں کے اپنی کتاب 'جموں اینڈ کشمیر' میں لکھتا کہ

'' بوبر ایک اور مقام ایسا ہے جہاں پنیال کے لوگ پناہ لے سکتے ہیں۔یہ بھی دریا کے بائیں کنارے پر بنا ہے اور یہاں سے پندرہ میل اوپر کی طرف ہے یہ چھ ہزارفٹ سطح سمندر سے بلند ہے۔یہ گاؤں خاصا آباد اور خوشحال ہے اور یہاں پھل بہت پیدا ہوتا ہے۔ یہاں انگور کے باغات بھی بہت ہیں۔ انگور کی یہ بیلیں بھی قلعے کے ہر طرف پھیلی ہیں اور خاص حفاظت کا کام دیتی ہیں۔ بوبر قلعہ شیر قلعہ کی طرح مضبوط نہیں ہے لیکن پھر بھی اس پر قبضہ آسان نہیں ہے۔ یہ ناقابل فتح ہے البتہ دغا و فریب سے اس پر قبضہ کیا جاسکتا ہے اور غداری بھی کام دکھا سکتی ہے۔ یہاں کے لوگ دن بھر کھیتوں میں کام کرتے ہیں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اور شام کو اس قلعے میں محصور ہو جاتے ہیں''۔

مقامی لوگ کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں اس قلعے کو 'ہالش کوٹ' کہتے تھے۔ اس کوٹ کو گاؤں کے اوپر پہاڑی پر بنایا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے بہت محفوظ تھا۔ ان کی باقیات اب یہاں موجود ہیں لیکن عمارتوں کو اُکھاڑا گیا ہے۔ ان قلعوں کی تعمیراتی ہنر تقریباً ایک جیسی لگتی ہے۔ گاہکوچ سے شیر قلعہ تک جتنے بھی قلعے تھے ان کی تعمیرات کا نقشہ تقریباً ملتا جلتا ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ سب ایک ہی ریاست کے لوگ تھے۔

بوبر میں ایک غار کا ذکر کیا جاتا ہے جواب بھی وہاں موجود ہے۔اس غار کے بارے مقامی بزرگ کہتے ہیں کہ یہ غار نہیں ایک سرونگ تھی جو شیر قلعہ تک پہنچتی ہے۔

قدیم زمانے میں لوگ دشمن کے خوف سے زیرزمین سرنگوں کے ذریعے ایک دوسرے گاؤں تک جاتے تھے۔ یہ غار یہاں پرموجود ہے اب لوگ خوف سے اس غار کے اندر نہیں جاتے لیکن غار توموجود ہے اور کافی گہرانظر آتا ہے۔اس پر تحقیق کی ضرورت ہے۔ یہ اس لئے بھی کہ اتنے بڑے سرُنگ کو ان لوگوں نے کیسے یہاں بنایا کیونکہ یہاں سے شیرقلعہ تک کا فاصلہ تقریباً 25 کلومیٹر ہے؟ اگر بنایا ہے تو یہ کسی بڑے ریاستی ستون کا حصہ ہوسکتا ہے۔ یقیناً اس طرح کے سرنگوں کا تصور یہاں موجود رہا ہے۔اشکومن خاص' گاہکوچ' شیر قلعہ وغیرہ کے قلعوں میں پانی اور دیگر ضروریات کے لئے اس طرح کے زیرزمین سرنگوں کے آثار ملتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ سرونگ ایک نالہ تک ہو اور وہاں سے لوگ شیرقلعہ بھاگ رہے ہونگے اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ بھی شیرقلعہ کی ریاست کا حصہ تھے۔

بوبر ضلعی ہیڈ کوارٹر گاہکوچ سے صرف دس کلومیٹر دور گلگت کی طرف واقع ہے۔ مین روڈ سے اُس پار ایک معلق پل سے اس گاؤں کو لنک کیا گیا ہے۔ اس سال (2011ء) اچانک آگ لگنے کی وجہ سے یہ پل بھی گر چکا ہے انتظامیہ اس کو بنانے کی کوشش میں

لگی ہے۔ اس گاؤں کی آبادی چھ ہزرار سے زیادہ ہے۔ یہ بہت قدیم گاؤں ہے۔ یہاں مشہور قبرستان ڈموراء واقع ہے جس کے بارے الگ اس کتاب میں لکھا گیا ہے۔ یہاں کی تہذیب بہت پرانی ہے۔ اس علاقے میں ہندوؔ بدھ مت' سکھؔ مظاہر فطرت کے ماننے والوں کے علاوہ اب یہاں پر اسلام کا بول بالا ہے۔ اس گاؤں میں اہل السنّت و الجماعت اور اسماعیلی جماعت آباد ہیں۔ ان میں اسماعیلیوں کی اکثریت ہے۔ تعلیمی لحاظ سے لوگوں کی شرح خواندگی ۸۰ فیصد سے زائد ہے۔ مردوں کی طرح خواتین بھی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ یہاں چار جماعت خانے اور دو مساجد ہیں۔ ان کی تعمیر جدید طرز کی ہے۔ان تعمیرات میں کم پیمانے پر ثقافت اور رواج کا خیال رکھا گیا ہے۔ یہاں کے سب تعمیرات اب جدیدیت سے مزّین ہیں۔ اس گاؤں میں لڑکوں کے لئے ہائی سکول کے علاوہ لڑکیوں کیلئے بھی تعلیمی سہولیات ہیں۔ آغا خان ایجوکیشن سروس کے اسکولز کی وجہ سے خواتین کی شرح تعلیم میں بہت بہتری آئی ہے پھل فروٹ اور فصلوں سے لوگ کافی حد تک اپنے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔ یہاں کے اہم پیشوں میں زراعت' گلہ بانی' پھل فروٹ اور ملازمتیں شامل ہیں۔یہاں کی زمین بہت زرخیز ہے۔ فوج اور تدریس کے شعبوں میں لوگوں کی دلچسپی زیادہ ہے۔ یہاں کے لوگ بہت ہی محنتی اور مہمان نواز ہیں۔یہاں بھی شینا زبان بولی جاتی ہے۔ بوبر میں شینؔ یشکنؔ کمینؔ ڈوم کی نسلیں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ شیرماتےؔ آبدےؔ گورسکھے' بروشےؔ خلیفے اور لکیریں قبیلے کے لوگ رہتے ہیں۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ کشمیر سے اس گاؤں میں آئے ہیں اس لئے ان کو 'کشیرے' بھی کہا جاتا ہے۔

قدیم زمانے کی طرح اب یہاں شراب کے 'سان' یعنی ذخیرے نہیں۔ لوگ چھپا چھپا کر شراب پیتے ہیں۔ شراب پینے والوں کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں سب لعنت اور لعن طعن کرتے ہیں پھر بھی لوگ گروپوں میں اس بری عادت میں ملوث ہیں۔ انگور کی فراوانی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کی وجہ سے یہ لوگ عادتاً شراب پیتے ہیں۔ اگر حکومت یا نجی ادارے اس پھل کی مارکیٹ پیدا کریں تو اس سماجی برائی میں کمی آسکتی ہے۔ چند سال بعد یہ خود بہ خود ختم ہوجائے گی جب یہاں انگور کے درخت ہی نہ رہیں گے۔ بوبر کی قدیم تہذیب کے اب یہاں کوئی آثار نہیں۔ سب لوگ یہاں نئی نسل کے آباد ہیں۔

گرونجر

گرونجر پونیال کے گنجان آباد گاؤں میں سے ایک ہے۔ اس گاؤں میں درخت اور جنگل بہت زیادہ ہے اس وجہ سے انگور کی پیداوار بہت ہے۔ گرونجر ماضی میں چڑیلوں کے حوالے سے بہت مشہور تھا کہا جاتا ہے کہ یہاں چڑیلوں کا مسکن تھا۔

اس گاؤں میں قدیم زمانے کی قبریں اور ان کے آثار موجود ہیں۔ ماضی میں اس گاؤں پر حملے بھی ہوتے رہے ہیں۔ یہاں کی آبادی اب پانچ ہزار سے زیادہ ہے۔ تعلیمی شرح تقریباً ۹۰ فیصد ہے۔ مردوں کی طرح خواتین بھی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ اس گاؤں میں گورنمنٹ اور آغا خان ایجوکیشن سروس کے سکول لوگوں کو تعلیمی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔ اس گاؤں کے لئے آغا خان فاونڈیشن نے ایک پُل بنایا ہے جو مین دوڑ تک اس گاؤں کو لنک کرتا ہے۔ یہاں کوئی ہوٹل نہیں۔ قدرتی وسائل میں پانی، زرخیز زمین، جنگل اور معدنیات ہیں۔ اس گاؤں کا کوئی نالہ نہیں اور نہ ہی کوئی گلیشیر ہے اس لئے لوگ مال مویشی لیکر سنگل نالہ جاتے ہیں۔

اس گاؤں کے بارے میں ایک لوک کہانی ہے کہا جاتا ہے کہ قریبی پہاڑی پر قدیم زمانے میں ایک گھوڑ سوار رہا کرتا تھا جو لوگوں کو کھاتا تھا۔ ہر وقت اس سے لوگ خوف زدہ رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بزرگ یہاں آیا اور لوگوں نے اس سے شکایت کی۔ اس بزرگ نے اس گھوڑ سوار کو بددعادی اور وہ پتھر بن گیا۔ قریب کی پہاڑی پر اب بھی یہ نظر آتا ہے۔ اس طرح کی کہانی گاہکوچ اور چیوکے میں بھی ہے۔ ان روایات میں

دعا اور بددعائی کا تصور تو ہے ایسا لگتا ہے کہ ان کے عقیدے میں دعا کا بڑا کردار ہے۔ یہ نہیں پتہ کہ یہ کس مذہب کے ماننے والے تھے۔ اگرچہ موجودہ وقت میں یہاں سب کے سب مسلمان ہیں۔

ہاتون

ہاتوں پونیال کے اہم گاؤں میں سے ایک ہے۔ یہاں کی آبادی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ گاؤں تقریباً ۹ میل لمبا ہے۔ اس کی آبادی پانچ ہزار سے زائد ہے۔ اس گاؤں میں بھی شینا زبان بولی جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ بہت مہمان نواز اور محنتی ہیں۔ فصلوں اور پھلوں کیلئے یہاں کی زمین بہت زرخیز ہے۔ اس گاؤں کا اپنا کوئی نالہ نہیں گلیشیر نہ ہونے کی وجہ سے یہاں پانی کی کمی رہتی ہے۔ دریائے اشکومن اور گوپس کے درمیان میں واقع ہونے کی وجہ سے دو معلق پل اس گاؤں کو گاہکوچ سے ملاتے ہیں۔ جولائی 2010ء کی بارشوں کی وجہ سے دونوں پل تباہ ہوگئے ہیں گوپس کی طرف پل مکمل تباہ اور اشکومن کی طرف والا پل جزوی تباہ ہوگیا ہے۔ لوگ بہت مشکلات کا شکار ہیں۔ اس گاؤں میں ضلع غذر کا پہلا کالج قائم ہوا جو انٹر سطح تک تعلیمی سہولیات فراہم کرتا ہے۔ اس کالج کے قیام سے اب تک تقریباً دس سال ہوئے لیکن عمارت کا کام مکمل نہیں ہوسکا۔ پل کے ٹوٹنے کی وجہ سے اس کالج کے طلباء کو گاہکوچ سٹی میں غذر پبلک سکول کی عمارت میں شفٹ کیا گیا ہے۔ حکومت وقت مالی مشکلات کا شکار ہے نہ جانے اس کالج کا کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہاں بوائز مڈل سکول کے ساتھ کئی پرائمری سکول کام کرتے ہیں۔ آغا خان ایجوکیشن سروس کے زیر اہتمام بھی طالبات کے لئے سکول قائم ہیں اسکی وجہ سے خواتین کی تعلیمی شرح مردوں کے برابر ہی ہے۔ ہاتون کے بارے میں مشہور تاریخ دان احمد حسن دانی نے اہم دریافتیں کی ہیں۔ ان کے بقول یہاں صدیوں پہلے ایک ڈیم تھا اور اس ڈیم کا نام مہنی سارا' تھا۔ ڈیم کی وجہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سے یہ علاقہ بہت خوش حال اور آباد تھا۔

درد قبائل اور بدھ مت کے زمانے میں ان علاقوں میں ہنی سارا ایک بند (ڈیم) کا نام تھا جو ہاتون کے مقام پر واقع تھا اسی سے لوگ آبپاشی کیا کرتے تھے اور اس وقت کی تہذیب ترقی کے عروج پر تھی۔ اس وادی میں دریائے اشکومن کو اب بھی ہنی سارا (ہنی ساری) کہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ وادی اشکومن کا قدیمی نام 'ہنی ساری' یا 'ہنی سارا' تھا۔ مقامی لوگوں کو اس حوالے سے بالکل معلومات نہیں۔ مورخین نے اس بات کا گہرا مطالعہ کیا ہے حسن دانی 'ہسٹری آف نارتھ' کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہے

> ".... The inscription refers to the prosperous region of paramabhattaraka maharajahiraja paramesvara. Tukarapura, obviously the same site where the inscription has been installed on the bank of Ishkoman River, by makara-simha... district (vishaya) of hanisara identical with Hanisara old name of Ishkoman Valley... Urban centre developed after a dam was built on the river. A usual method of channeling river water in this region" (.pp151,152)

اس دریافت سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں ہاتون ایک خوشحال اور آباد گاؤں

تھا۔ اب یہاں قدیم تہذیب اور نسل کے آثار نہیں۔ یہاں آبادی کی اکثریت اسماعیلی مسلمانوں کی ہے۔ ان کے ساتھ اہل السنّت والجماعت کے لوگ بھی آباد ہیں۔ یہاں چار جماعت خانے اور تین مساجد ہیں۔ ان کی تعمیرات میں کوئی قابل ذکر مواد نہیں جس کو تاریخی کہا جاسکے۔ قدیم زمانے سے اب تک اس گاؤں کے لئے پکی سڑک نہیں۔ ضلعی ہیڈ کوارٹر گاہکوچ سے صرف دس کلومیٹر دور ہونے کے باوجود جدید سہولیات سے محروم ہے۔ لوگوں کی معیشت کا انحصار اب بھی زراعت اور گلہ بانی پر ہے۔ ملازمت پیشہ لوگوں کی تعداد کم ہے زیادہ تر لوگ فوج میں جانا پسند کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ نجی اور سرکاری اداروں میں بھی لوگ ملازمت کرتے ہیں۔ اس گاؤں میں سفیدے کے درخت بہت زیادہ ہیں۔ پھل فروٹ کے علاوہ فصل کے لئے بھی زمین بہت زرخیز ہے۔ اس گاؤں کی آبپاشی کا دارومدار نہری پانی پر ہے۔ AKRSP کی مدد سے ایک مشہور چینل درمدر کے نالے سے لایا گیا ہے۔

ہاسس

ہاسس گلوداس گاؤں سے آگے تحصیل پونیال کا تقریباً آخری گاؤں ہے۔ گاہکوچ سے آدھا گھنٹے کی مسافت کے بعد اس گاؤں میں آپ پہنچ سکتے ہیں۔ گاؤں کی آبادی ۴۰۰ سے زائد گھرانوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کی زمین زرخیز اور فصل کیلئے موزوں نہیں ہے۔ پھل فروٹ کافی پائے جاتے ہیں۔اس گاؤں کے لوگ بھی مختلف النسل ہیں۔ ذاتوں اور نسل کی تکثیریت کے باوجود سب لوگ امن وامان سے رہتے ہیں۔ یہاں کے لوگ محنتی' شریف اور مہمان نواز ہیں۔ زیادہ تر کے روزگار کا انحصار کاشت کاری اور زراعت پر ہے۔ مال مویشی اور ملازمت بھی ان کی معیشت کا بڑا ذریعہ ہے۔ تاریخی لحاظ سے یہاں کوئی قابل ذکر واقعات نہیں البتہ وادی اشکومن کے شروع میں واقع ہونے کی وجہ سے سڑک اور آمدورفت کے لئے سہولیات ہیں۔ ضلعی مرکز قریب ہونے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کی وجہ سے زیادہ تر لوگ اپنے روزمرہ کے سامان وہاں سے لاتے ہیں۔ گاؤں میں ڈل سطح تک کی تعلیمی سہولیات موجود ہیں۔ نجی اداروں میں آغاخان ایجوکیشن سروس کے سکولوں کے علاوہ AKDN کے دوسرے ادارے بھی یہاں خدمات دے رہے ہیں۔ مردوں اور خواتین کی تعلیمی شرح بہتر ہے۔مواصلات اور دیگر سہولیات یہاں نہیں۔ قدرتی وسائل میں چراگاہیں موجود ہیں لیکن یہاں پانی کی فروانی نہیں ایک ہی نالہ ہے جو کبھی بہتا ہے اور کبھی نہیں۔ تعمیرات میں کوئی قابل ذکر قدیم عمارت نہیں۔ لوگ اب یہاں جدید طرز تعمیر پر گھر بناتے ہیں جس میں چادر (شیٹ) کے مکان بہت زیادہ تعمیر ہورہے ہیں۔ سیاحت کے لئے قدرتی مناظر اور سبزہ زار موجود ہیں۔ یہاں پر شینا زبان بولی جاتی ہے۔اس گاؤں میں اسماعیلی اوراہل السنّت والجماعت کے لوگ آباد ہیں۔ اسماعیلیوں کی اکثریت ہے۔ چار جماعت خانے اور تین مساجد ہیں جن کی تعمیر موجودہ زمانے کی ہے۔

چٹورکھنڈ

چٹورکھنڈ تحصیل اشکومن کا صدر مقام ہے۔ گاہکوچ سے صرف 30 کلومیٹر دور ہے۔ یہاں کی آبادی میں نسلی، ذاتی، ثقافتی اور زبان کی گونا گونی ہے۔تحصیل اشکومن کا صدر مقام ہونے کی وجہ سے سکول، کالج، ہسپتال، سڑک اور تحصیل آفس سمیت دیگر سہولیات یہاں موجود ہیں۔ یہ بہت خوبصورت علاقہ ہے۔ چٹورکھنڈ نالہ جنگلات اور چراگاہوں کیلئے بہت مشہور ہے۔ قدرتی وسائل میں پانی، جنگلات، معدنیات، پھل فروٹ، فصلیں اور مال مویشیوں کیلئے مشہور ہے۔ زمین فصل کے لئے موزوں ہے۔یہاں بہت زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں کھوار، شینا، بروشسکی، گجراتی، وخی اور اردو شامل ہیں۔ چٹورکھنڈ کی اطراف میں شین، یشکن، ڈوم، کمین، سید، بُرُوشو، بڑورے، گجر، وخی، شَلے، پٹھان، خیبرے، راجے، کرغز، چوروٹے، موکھے، ریغونگ (حلاوتیئے)، اکھلے، گوشپور،

شیخ اور ہنزائی آباد ہیں۔اس گاؤں میں اسماعیلی اکثریت میں ہیں۔ اس کے بعد اہل السنّت والجماعت کے ماننے والے ہیں۔ یہ تاریخی گاؤں ہے ماضی قریب میں حکمرانوں کے اس گاؤں میں رہنے کی وجہ سے دوسری ریاستوں کے ساتھ تعلقات میں اہم مقام حاصل تھا۔ پیر سید جلال شاہؒ کی آمد کی وجہ سے ان کے ساتھ بہت سے مرید یہاں آگئے۔ آپ صاحب کتاب ہونے کی وجہ سے علم وادب میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ سید کرم علی شاہ کی مذہبی اور سیاسی قیادت نے اس گاؤں کو اور مرکزیت دی۔ تعلیمی سہولیات اور وسائل کی وجہ سے شرح تعلیم بہت بہتر ہے۔ مردوں اور خواتین کی تعلیم پر یکساں توجہ دی جاتی ہے۔یہاں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ہائی سکول کے علاوہ سرکاری کالج بھی ہے۔ نجی اداروں میں آغاخان ایجوکیشن سروس اور مقامی NGOs کے اسکولز قائم ہیں جو میٹرک کی سطح تک انگلش اور اردو میڈیم کی تعلیمی سہولیات بہم پہنچا رہے ہیں۔صحت کے شعبے میں سول ہسپتال موجود ہے۔ قراقرم کوآپریٹو بنک، مائیکرو فنانس بنک کے ساتھ مقامی سوسائٹیاں بھی قائم ہیں جو لوگوں کو زراعت اور کاروبار کیلئے پیسہ فراہم کرتے ہیں۔

سیاحوں کے لئے سرکاری ریسٹ ہاؤس کے ساتھ مقامی ہوٹل بھی ہیں۔اس گاؤں میں پانچ جماعت خانے اور چار مساجد ہیں۔ ان کی تعمیرات میں اسلامی تعمیرات کا اصول اور مقامی ثقافت کا خیال رکھا گیا ہے لیکن زیادہ تر جدید طرز تعمیر کے ہیں۔ مکانات کی تعمیر میں بلاک اور چادر استعمال کی جاتی ہے۔اس علاقے میں پتھر کی کمی کی وجہ سے لوگ مکانات اور حویلیوں کی دیواریں مٹی کے اینٹوں سے بناتے ہیں۔ یہ کچی دیواریں قدیم تعمیرات کی طرح لگتی ہیں۔ اس قسم کی دیواریں یاسین خاص میں بھی نظر آتی ہیں۔ یہاں پر چیری، بادام، ناشپاتی، سیب، انگور، خوبانی، اخروٹ، انار، توت، بیری، آڑو، آلوچہ اورالو بخارا وغیرہ ملتے ہیں۔فصلوں میں گندم، مکئی، جو، باجرہ اور دالیں اُگائی جاتی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہیں۔ سبزیوں اور پھولوں کیلئے بھی مشہور ہے۔ یہاں کے کھیت بہت میدان ہیں۔ زمانے کی سماجی ترقی اور تبدیلی کی وجہ سے یہاں کے نوجوان بہت متاثر ہیں۔ شرح تعلیم میں اضافے کے ساتھ معیار تعلیم میں کمی آرہی ہے۔ تعلیمی اداروں میں معیاری طرف توجہ دی جا رہی ہے۔ قدیم زمانے میں اس گاؤں میں ایک قلعہ تھا جہاں لوگ رہتے تھے۔ قدیم زمانے کی تعمیرات اور قبریں ہیں جن سے اس علاقے کی تاریخ کا اندازہ ہوتا ہے۔ مختلف علاقوں سے لوگوں کی آمد کی وجہ سے ایک دوسرے کو سمجھنے میں اب تک دشواری پیش آرہی ہے۔ اب تک یہاں ذاتوں اور قبیلوں کی بنیاد پر رشتے ناطے ہوتے رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو لعن طعن کرنے میں کسی حد تک کمی تو آئی ہے لیکن ذاتیات کی زیر زمین جڑیں اب بھی پھل پھول رہی ہیں۔ کچھ لوگ پیروں کے ساتھ ان کی خدمات پر معمور تھے لیکن بعد میں خود کو ان سے منسلک کرنے لگیں۔ بعض لوگ میروں اور راجوں کے ساتھ ان کی خدمات کے لئے ان کے ساتھ آئے تھے لیکن وہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ خود کو اعلیٰ سمجھنے لگیں۔ اگرچہ ماضی میں حکمرانوں اور مذہبی علماء کی خدمات کوئی بری بات نہیں تھی کیونکہ یہ چیزیں اُس وقت کے ماحول کا حصہ تھے۔ اُن سماجی رویوں کو آج بھی دہرانا مناسب نہیں۔ یہ روّیے سماجی ترقی اور علاقائی یکجہتی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہاں کے لوگ محنتی، سادہ مزاج اور مہمان نواز ہیں۔ جدیدیت کی اس سیلابی لہر میں ہر ایک اپنی شناخت برقرار رکھنے میں مصروف ہیں۔۔۔ دیکھتے ہیں ٹھہرتی ہے جا کے نظر کہاں۔

ایمت

ایمت گاہکوچ سے 55 کلومیٹر دور شمال کی جانب واقع ہے۔ ایمت گلگت ایجنسی کے وقت ریاست اشکومن کی راجگی نظام میں دارالحکومت کی حیثیت رکھتا تھا۔ ایمت کی زمین اپنی زرخیزی کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ اس گاؤں تک کچی سڑک ہے اور سیاحوں

کے لئے ریسٹ ہاؤس بھی ہے۔ یہاں کی آبادی میں بہت تکثیریت اور گونا گونائی ہے۔ غذر میں سب سے زیادہ مقامی زبانیں اس گاؤں میں بولی جاتی ہیں۔ راجگی نظام میں مرکز ہونے کی وجہ سے مختلف جگھوں سے لوگ یہاں آکر آباد ہوگئے 1880ء کی دہائی میں علی مردان خان کو مہتر چترال نے جاگیر کے طور پر یہ زمین ان کو دی تھی۔ آپ اس علاقے کے پہلے راجہ تھے۔ 1889ء کو گلگت ایجنسی نے اشکومن کو ایک ریاست بنا کر علی مردان خان کو 'میر' کے لقب نوازا اور اس کی گورنری کو برقرار رکھا۔ آپ نے 1922ء کے لگ بھگ یہاں گورنری کی۔ اس عرصے میں واخان، چترال، کھوہ، پونیال، کرغز اور ازبک باشندے ایمت میں آکر آباد ہوگئے۔ دارالحکومت ہونے کی وجہ سے اس علاقے میں راجہ کا محل تعمیر ہوا اور ایمت کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہوا۔ 1972ء تک ایمت اشکومن کا مرکز رہا۔ ایمت قدرتی مناظر اور چراگاہوں سے مالامال خطہ ہے۔ یہاں مشہور زمانہ قرمبر گلیشیر واقع ہے۔ ایمت ماضی میں واخان اور یارخون کے علاوہ گوجال چپورسن کیلئے بھی اہم درہ ثابت ہوا ہے۔ ایمت کی موجودہ آبادی آٹھ ہزار سے زائد ہے۔ ایمت کے مشہور گاؤں میں ناصرآباد، شمس آباد، مجاور، تشنلوٹ، بلہیز، بدصوات، دیورداس، برتھ، مترم دان، بوق، گنج آباد اور سوختر آباد شامل ہیں۔ ہر گاؤں کے ساتھ ایک نالہ اور گلیشئر ہونے کی وجہ سے پانی کی کوئی کمی نہیں ہے۔ 1905ء کو قرمبر گلیشئر ٹوٹنے کی وجہ سے یہاں کے میدانی علاقے کھاری اور صحرا میں تبدیل ہوگئے ہیں۔ یہاں جنگلات کی فروانی ہے۔ مارخور اور جنگلی پرندوں کی شکار کیلئے بہت مشہور ہے۔ اس گاؤں میں ایک مڈل سکول کے علاوہ چار پرائمری سکول ہیں۔ اس کے علاوہ آغاخان ایجوکیشن سروس کی جانب سے ایک کمیونٹی ہائی سکول کے ساتھ پانچ پرائمری سکول قائم ہیں۔ یہاں شرح تعلیم کافی کم ہے۔ یہاں کی پیداوار میں آلو، گندم، مکئی، جو، باجرہ، سبزیاں، خوبانی، اخروٹ، بادام، سیب، ناشپاتی وغیرہ شامل ہیں۔ سال میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ایک فصل ہوتی ہے۔ سردیوں میں بہت سردی پڑتی ہے اور دو فٹ تک برف باری ہوتی ہے۔ بارش زیادہ مقدار میں نہیں ہونے کی وجہ سے یہاں کے پہاڑوں پر موجود درخت مسلسل کم ہو رہے ہیں۔ یہاں کم ازکم نوزبانیں بولی جاتی ہیں۔ان میں وخی' شینا' کھوار' گجراتی' پشتو' فارسی' کرغز' اردو' کیلو چااور ازبک زبانیں شامل ہیں۔ اس علاقے میں سب لوگ مسلمان ہیں۔ اکثریت اسماعیلی مسلمانوں کی ہے۔ اس کے بعد تقریباً ۱۰ فیصد (سنی) اہل السنّت و الجماعت کے لوگ آباد ہیں۔ یہاں 25 جماعت خانے اور پانچ مساجد تعمیر ہیں۔ ان کی تعمیرات میں کوئی قابل ذکر ثقافتی ہنر نہیں۔ تاہم چند ایک میں اسلامی فن تعمیر کا خیال رکھا گیاہے۔ یہاں مکانات اب جدید طرز کے تعمیر ہوتے ہیں جس میں چادر اور بلاک استعمال ہوتے ہیں۔ قدیم فن تعمیر کی عمارتیں تقریباً ختم ہورہی ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت مہمان نواز اور محنتی ہیں۔بہت زیادہ گوناگونی ہونے کے باوجود امن اتحاد اور اتفاق ان کے بہترین اوصاف میں سے ہے۔ایک دوسرے کی مدد اور خیال داری کی وجہ سے اس علاقے کاماحول بہت اچھا ہے۔ سیاحت اور سیر تفریح کیلئے بہت پرامن اور پرفضا مقام ہے۔ پہاڑی چوٹیاں' گلیشیئر' چراگاہیں' دریا' شکار کے مواقع سیاحوں کیلئے پرکشش اور دلفریب ہیں۔ اس علاقے سے گزرکر آپ یارخند اور گوجال تک بھی جاسکتے ہیں۔ ایمیت میں مختلف قومیں اور ذاتیں آباد ہیں' وخیوں میں شیخ'رُکوتی' نرسی' ظلمت' قاضیاں' خیبرے' شھانا'سیینی اور کھوار زبان والوں میں سادات' خوش وقتیے' بروشے' شابونے' اُپری شامل ہیں۔ اشکومن سے چھڑے' زینت شے'ڈوشے' خلیفے' غولوے' اورشوٹے آباد ہیں بارجنگل کے ہنزہ والوں میں براتلیگ' حلاکوژ' زوناٹیگ اور برچہ کی اولاد ہیں۔ وادی قرمبر 5909 میٹر کوہ قراقرم کے نزیک واقع ہے جو کہ دنیا کی چھت(بام دنیا) کہلاتی ہے۔ (معمار وطن، اشکومن۔۱۹۹۴ء)۔

اشکومن خاص

قدیم زمانے میں وادی اشکومن شقمل یا اشقمان کے نام سے مشہور تھی۔ اشقمل بروشسکی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی سرسبز کھیت یا سبزہ زار کے ہیں۔ یاسین کی بروشسکی میں شقمل سرسبز شاداب گھاس سے بھری ہوئی جگہ کو کہتے ہیں۔ اب موجودہ زمانے میں یہ لفظ بگڑ کر اشکومن بن گیاہے۔ جس کا انگریزی تلفظ ISHKOMAN ہے۔اس وادی کو وادی قرمبر بھی کہتے ہیں۔ قرمبر بھی بروشسکی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی 'کنجوس نالہ' کے ہیں۔ قدیم زمانے میں اس وادی میں اشکومن خاص ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں آٹھ سے سولہ گھرانے چلاس' داریل' چترال اور واخان وغیرہ سے آکر یہاں آباد ہو گئے ہیں۔ اس نام کے حوالے سے یہاں کے بزرگ کہتے ہیں کہ 1905ء سے پہلے اشقمل کی وادی ایک وسیع وعریض چراگاہ پر مشتمل تھی۔ جو جنگلات، گھاس پھوس اور سبزے کی فراوانی کی وجہ سے گلہ بانی کیلئے بہت مشہور تھی لیکن قُرمبر کے سیلاب کی وجہ سے اس وادی کی جغرافیائی وطبعی شکل میں بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔بقول پروفیسر عثمان علی ''قدیم دور میں یہاں برُوشل قبائل آباد تھے۔ ان کی زبان بروشسکی تھی'اس وجہ سے اس وادی کا نام اشکومن پڑگیا۔(قراقرم کے قبائل ،ص ۶۲۔۶۰)۔

ایک اور روایت کے مطابق اشکومن کھوار زبان کا لفظ 'عیش کومن' سے نکلا ہے' جس کے معنی ہے عیش کرنا یاعیش وعشرت کے ہیں'وہ اس مفہوم میں کہ قدیم زمانے میں لوگ چراگاہ وغیرہ کی وجہ سے خوشحال زندگی گزار رہے تھے۔ اس کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ چندلوگ واخان سے براستہ چھنتر نالہ اشکومن میں داخل ہوئے اور اس علاقے کو بہت خوشحال پایااور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اس کا نام 'عشق من' رکھا جس کے معنی 'دل کو چھونے والی جگہ' کے ہیں۔ ہمسائے میں یارخند اور واخان ہونے کی وجہ سے اس علاقے پر فارسی زبان کا اثر تھا جس کی وجہ سے عشق من

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بھی رائج ہوا ہوگا۔

یہ وادی گاہکوچ سے 56 کلومیٹر آگے شمال کی جانب واقع ہے۔ اس کے شمال میں واخان، افغانستان، مغرب میں درکوت یاسین، مشرق میں ہنزہ، نلتر اور جنوب میں گاہکوچ واقع ہے۔'وادی اشکومن نقشے پر 36-37 درجے شمالی ارض بلد اور 73-75 درجے مشرقی طول بلد کے درمیان واقع ہے''۔ (WWF,Survey, 2003)

قدرتی حسن و شادابی میں ملبوس برف پوش پہاڑی سلسلوں اور گلیشیرز کے دامن میں اس وادی سے مشہور دریا قرمبر اور نالہ متھنتر میں اٹر جھیل سے دریائے اشکومن نکلتا ہے۔ مختلف چھو ٹے چھوٹے نالوں سے یہ دریا تھپشکن کے قریب دریائے قرمبر میں ملتا ہے۔ اسی طرح دریائے پکورہ، چٹورکھنڈ،اسمبر اور دائن کے درمیان بل کھاتا ہوا' گنگناتا ہوا یہ دریا سلپی (پونیال) کے مقام پر دریائے گوپس اور دریائے پونیال سے جاملتا ہے ۔

وادی اشکومن کے مشہور گاؤں میں غوٹلتی،کوٹ،فیض آباد،تشکن، مومن آباد، جلال آباد' دلتی اور تھپشکن شامل ہیں اشکومن خاص کی مجموعی آبادی دس ہزارنفوس اور 848 گھرانوں پر مشتمل ہے۔ یہاں شینا زبان بولی جاتی ہے۔پہلے پہل مختلف نسل کے لوگ اس گاؤں میں آئے تھے لیکن آپس کی شادی بیاہ کی وجہ سے اب سب ایک دوسرے کے رشتے ناطے میں ہیں۔ یہاں 99فیصداسماعیلی مسلمان اور ایک فیصد سنی مسلمان رہتے ہیں یہاں 11جماعت خانے اور دو مساجد ہیں۔ان کی تعمیر میں قدیم تعمیرات کا کوئی عنصر نہیں۔ سب جدید طرز کی بنائی گئی ہیں۔ اس علاقے میں اب مکانات بھی جدید طرز کے بنائے جاتے ہیں۔یہاں کوئی ریسٹ ہاؤس نہیں اور نہ ہی کوئی ہوٹل ہے۔ سڑک کی سہولت کی وجہ سے سیاح قریبی ریسٹ ہاؤس ایمت یا چٹورکھنڈ جاتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں اس گاؤں میں ایک دو گیسٹ ہاؤس بھی بنائے گئے ہیں۔یہاں

مردوں اور خواتین میں تعلیم کی شرح بہت بہتر ہے۔ ایک بوائز ہائی سکول کے ساتھ چھ پرائمری سکول قائم ہیں۔ نجی اداروں میں آغاخان ایجوکیشن سروس کی جانب سے دو کمیونٹی ہائی سکول' تین مڈل سکول اور چار پرائمری سکول قائم ہیں۔اس کے علاوہ دو پبلک کالجز بھی کام کرتے ہیں جن میں لی روزی سکول اینڈ کالج اورالحسین اکیڈمی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ الامین پبلک سکول اور اٹر پبلک سکول بھی انگلش میڈیم سکول کی سہولیات فراہم کرنے میں پیش پیش ہیں۔

ڈوک کے شمال مغربی جانب اشکومن کی وادیاں اور کوہ ہندوکش کے پہاڑی سلسلے ایستادہ ہیں۔ ان وادیوں میں چھنتر، متھنتر ،بڑوگہ، فاتو دلتی اور نالہ اسمبر قابل ذکر ہیں ۔ ان نالوں سے آپ درکوت سے ہوتے ہوئے یاسین پہنچ سکتے ہیں۔سیاحت کے لئے صحت افزا اور دلفریب مقامات ہیں۔

اشکومن پراپر میں ڈوشے، گرگسے (ماریئےٗ مانے)، خلیفے، غولوے، چھڑے، مستالے، شوتیئے، زینہ شئے، شاہ بیگے، فولیئے، کلی اور گجر قبائل کے لوگ آباد ہیں۔یہاں پر شینا زبان بولی جاتی ہیں۔ قدیم زمانے سے یہاں آباد ہونے کی وجہ سے باہر سے آنے والے اردگرد کے علاقوں کے لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات گرم جوش نہیں۔ اب ذرائع آمدورفت اور مواصلاتی ترقی کی وجہ سے ان کے تعلقات میں اضافہ ہو رہا ہے۔تحصیل اشکومن میں نسلی اور لسانی گوناگونی کی وجہ سے ایک دوسرے کو قبول کرنے کی صلاحیت میں کمی ہے قبائلی خودستائی اور جھگڑالو روّیے کی وجہ سے دبے دبے لہجوں میں ذاتی اور نسلی غرور کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس زمانے میں ملازمت اور دیگر شعبوں میں ترقی کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے نزدیک آرہے ہیں۔ دیکھتے ہیں ترقی کے سیلاب میں کہاں تک زندگی کی کشتی کے کنارے محفوظ رہتے ہیں۔

سال

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

گاہکوچ سے چند کلومیٹر دور سمال کا خوبصورت گاؤں واقع ہے۔کھوہ کی پہاڑی وادی میں یہ گاؤں زندگی کی علامت کی طرح نظر آتا ہے۔ اس گاؤں میں جانے کے لئے ایک ہی پل تھا لیکن اب دو اور پل بن رہے ہیں۔ سمال کی زمین بہت زرخیز ہے جس کی وجہ سے فصلیں بہت خوب ہوتی ہیں۔ پھل فروٹ اور جنگل زیادہ ہیں۔سمال کی آبادی میں بھی تنوع پایا جاتا ہے۔یہاں شینا اور کھوار زبانیں لولی جاتی ہیں۔یہاں کے لوگ بہت محنتی' باذوق اور مہمان نواز ہیں۔ قدیم روایات اور مذہبی رسومات بہت مضبوطی سے منائی جاتی ہیں۔ قدرتی مناظر اور پہاڑی سلسلوں میں واقع نالے اور گلیشئرز اس گاؤں کی خوبصورتی کو مزید دوبالا کئے ہوئے ہیں۔تعلیم اور صحت کی بنیادی سہولیات کم پیمانے پر یہاں موجود ہیں۔لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے ایک ہائی سکول کے ساتھ دو پرائمری سکول بھی ہیں۔ نجی ادروں میں آغا خان ایجوکیشن سروس کے سکول ہسپتال اور دیگر سماجی و فلاحی ادارے کام کر رہے ہیں اس وجہ سے تعلیمی شرح بہت بہتر ہے مرد اور خواتین کی شرح تعلیم برابر ہے۔ سمال قدیم زمانے میں یاسین اور غیزر کے لوگوں کیلئے بہت اہم رہا ہے کیونکہ راستہ مشکل ہونے کی وجہ سے لوگ پیدل چلتے تھے اور بعض اوقات اس گاؤں میں ڈھیرا ڈال دیتے تھے۔اس کے علاوہ حکمرانوں کی جنگ وجدل میں بھی اس گاؤں کو کلیدی حیثیت تھی۔آزادی کے بعد اس گاؤں میں مختلف لوگ آئے اور آباد ہوگئے۔ ان میں کھون' جیلے 'الدیے' شیر خانے' شئی بیکے' بیٹے' بھورے راجے' گشپورے اور سید شامل ہیں۔ زبان ثقافت اور رہن سہن میں گونا گونی ہے کیونکہ مختلف علاقوں سے لوگ اپنے ساتھ زندگی کے تمام پہلو کے ساتھ آئے ہیں۔ سیاسی حساب سے یہ گاؤں یاسین کے حلقے میں آتا ہے۔ یہاں کی آبادی میں اکثریت اسماعیلی مسلمانوں کی ہے۔ان کے علاوہ سنی مسلمان بھی کم تعداد میں موجود ہیں۔ یہاں تین جماعت خانے اور دو مساجد ہیں۔ ان کی تعمیر میں جدید و قدیم کی امتزاج ہے۔ زیادہ

تر مکانات جدید طرز تعمیر کے بنے ہیں۔ اب ان علاقوں میں چادر کے مکانات کا رواج ہے یہاں کے لوگ ترقی پسند اور ابن الوقت ہیں۔

سمال کے ساتھ ملحقہ گاؤں میں گم سنگ' جنڈولی' مولا آباد اور دورنک واقع ہیں یہ تمام گاؤں دریا کے اس پار واقع ہیں اس لئے ٹریفک کی سہولیات میسر نہیں تاہم اس زمانہ میں بھی معلق پلوں کے ذریعے لوگ اپنے گاؤں تک جاتے ہیں؛ بقول اقبالؔ

بیابانِ محبت دشتِ غربت' وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی' آشیانہ بھی' چمن بھی ہے
اُجاڑا ہے تمیزِ ملت و آئین نے قوموں کو
مرے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے

راؤشن

گاہکوچ سے چند کلومیٹر آگے ہائم' گم سنگ' ہوپر' جنڈولی' دورنک' یانگل' سمال کے بعد راؤشن کا خوبصورت گاؤں واقع ہے۔ یہ تمام گاؤں قدرتی مناظر اور سرسبز پہاڑی سلسلوں سے مزّین ہیں۔ یہاں چھوٹے چھوٹے دریا بہتے ہیں چشمے ہیں اور گلیشیئر کے پانی کی وجہ سے نالے سال بھر بہتے ہیں۔ان علاقوں میں لوگوں کا زیادہ رجحان زراعت اور کھیتی باڑی کی طرف ہے۔معیشت میں کھیتی باڑی' گلہ بانی' ماہی گیری اور ملازمت اہم کردار ادا کررہی ہیں۔ ان علاقوں میں تعلیمی شرح بہتر ہے۔ مرد خواتین دونوں تعلیم حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے پیچھے نہیں۔ تاہم کچھ لوگ تعلیم سے زیادہ مال مویشیوں کو ترغیب دیتے ہیں ان میں گجر پیش پیش ہیں۔ رؤشن نالہ اپنی وسعت اور شادابی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ان علاقوں میں شینا اور کھوار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اسماعیلی مسلمان اکثریت میں ہیں ان کے ساتھ اہل السنّت والجماعت کے لوگ بھی آباد ہیں۔صدیوں سے ساتھ رہنے کی وجہ باہمی اتفاق اور یکجہتی ہے۔ راؤشن

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

نالہ میں داریل تانگیر سے چرواہے اکثر ان علاقوں سے مال مویشی چراتے ہیں بعض اوقات قتل وغارت بھی کرتے ہیں اس سلسلے میں دس سے زائد لوگ موت کے آغوش میں جاچکے ہیں اس وجہ سے ان کے بارے میں یہاں بہت نفرت اورخوف پایاجاتا ہے۔اس گاؤں میں موے،پوررے، خلیفے ' ریضے اور پٹھان قبیلے رہتے ہیں۔ان علاقوں میں پھل فروٹ جن میں خوبانی،اخروٹ، بادام، آلوچہ، آڑو،انگور،ناشپاتی،سیب اور توت شامل ہیں۔فصلوں میں گندم،مکئی اور جو اُگاتے ہیں۔ درختوں میں بید،بائی بیڑاورجنگلی درخت پائے جاتے ہیں۔ چراگاہوں اور سبزہ زاروں میں قدرتی حسن کی وجہ سے سیاحت کے لئے بہت موزوں ہیں۔آپ دن کے وقت ان علاقوں میں مچھلیوں کا شکار کرسکتے ہیں۔گرمیوں میں مئی سے جولائی تک دریا کے کنارے بڑا رش ہوتا ہے۔ دور دور سے لوگ ان علاقوں میں دریا کے کنارے آتے ہیں۔ مقامی لوگ اہتمام سے اس صنعت میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے صرف شوق اور مشغلہ کے طور پر چند لوگ مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں۔ ان علاقوں کے نالوں اور پہاڑیوں میں مارخور،جنگلی پرندوں کے شکار کے مواقع ہیں۔ معدنیات اور قدرتی وسائل کی کمی نہیں صرف ہنر اور ٹیکنالوجی نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان وسائل کی موجودگی میں غربت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وقت اور سماجی تبدیلی کی وجہ سے بزرگ بہت پریشان ہیں۔ نوجوان علم کی تلاش میں پاکستان کے مختلف علاقوں میں جاتے ہیں۔ میڈیا اور جدید ذرائع آمدورفت نے یہاں کے سماج کو بہت متاثر کیا ہے۔ قدیم رسم رواج اور روّیوں میں تبدیلی کی وجہ سے نئی نسل اور بزرگوں میں اختلاف فطری بات ہے۔سماجی تبدیلی کو چند لوگ تسلیم کرنانہیں چاہتے لیکن لگتا ہے کہ اس طوفان کی زد میں ہمیں منصوبہ بندی کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے نہ کہ جذبات سے'ان علاقوں کے لوگ بہت محنتی اور مہمان نواز ہیں۔

گوپس

گاہکوچ سے 35 کلومیٹر دور مغرب کی جانب گوپس واقع ہے۔گوپس پوری وادی کا نام ہونے ساتھ ایک گاؤں کا نام بھی ہے۔تحصیل گوپس کا صدر مقام بھی یہی گاؤں ہے۔ گوپس کے گردونواح میں ہاکس، گوتھ، کھشبٹ، ڈورٹ،داس، گوپس اور ڈوڈوشوٹ واقع ہیں۔ یہ تمام گاؤں دریا کے آر پار پہاڑی سلسلوں کے ساتھ واقع ہونے کی وجہ سے ہر گاؤں کیلئے الگ الگ پانی کے نالے بہتے ہیں۔ میدانی علاقہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے گھروں کی تعمیر کے لئے مخصوص جگہوں کا انتخاب کیا ہے اس وجہ سے جہاں گھر بنے ہیں وہ گنجان آباد بھی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں دو فصل اُگاتے ہیں۔ یہاں کی زمین کم زرخیز ہے اس لئے فصل زیادہ بہتر نہیں ہوتی۔ پھل فروٹ میں خوبانی، اخروٹ،بادام، ناشپاتی، سیب، انگور، توت، آڑو، آلوچہ، چیری اور ہرمت پائے جاتے ہیں۔ یہاں کی فصل میں گندم، مکئی، جو، باجرا اور دالیں شامل ہیں۔درخت بہت پائے جاتے ہیں جن میں زیادہ تر جنگلی ہیں ان میں بید، بائی بیڑ اور بیر شامل ہیں۔ یہاں کی معیشت کا اہم ذریعہ کھیتی باڑی، گلہ بانی، ملازمت اور مزدوری ہے۔مچھلیاں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں لیکن مچھلیاں پکڑنا ان لوگوں کا پیشہ نہیں۔ ملازمت میں فوج، درس وتدریس اور پولیس کے محکموں میں زیادہ لوگ ہیں اب ان علاقوں میں نجی اداروں کے قیام کے بعد مختلف شعبوں میں ملازمتیں کرتے ہیں۔ملازمت میں سرکاری نوکری کو ترجیح دیتے ہیں اس کی ایک وجہ بڑھاپے میں بے روزگاری کا خوف ہے۔ ان علاقوں میں سردیاں بہت ہوتی ہیں جس کی وجہ سے لوگ سال کے چھ مہینے بہت زیادہ محنت کرتے ہیں۔ان علاقوں میں انسانی نسلی، لسانی، قبائلی اور زبانوں کی تکثیریت ہے۔ اس تنوع کے باوجود سب لوگ اتفاق اور اتحاد سے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کا خیال رکھنا، ہمدردی، مدد، فیاضی اور رحمدلی کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ ان علاقوں میں شینا، کھوار اور گجراتی زبانیں بولی جاتی ہیں۔گوپس میں مختلف

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

قبیلے آباد ہیں ان میں راجے' مراتے' مقصدتے'ذگرے' بوڑنگے'مغل بیگے' بیرائے' شیرسنگے' چھڑے' کھیلوچے'ولیئے' گوجز' خیبرے'خسروّے اورپٹھانیں شامل ہیں۔آزادی کے بعدجو قبائل یہاں ہجرت کرکے آئے ان کوپٹھانیں کہتے ہیں۔یہاں سب مسلمان ہیں۔ ان میں اسماعیلی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔سنی مسلمان 13فیصد سے زیادہ نہیں ہیں۔ ان علاقوں میں سات جماعت خانے اور تین مساجد ہیں ان کی تعمیر مقامی ثقافت اور رواج کے مطابق ہے۔ قدیم فن تعمیر کے کوئی آثار ان میں نہیں۔ ان علاقوں میں مکانات کی تعمیر میں اب چادر اورلکڑی استعمال کی جاتی ہیں۔ پرانے گھروں کے تعمیراتی نقشے اب بھی استعمال ہوتے ہیں لیکن ان میں بہت تبدیلی کی گئی ہے۔ مال مویشی پالنے کارجحان اب کم ہوا ہے۔تعلیم کی شرح بہت بہتر ہے مرد اور خواتین دونوں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ بنیادی تعلیم کی سہولیات ان تمام علاقوں میں ہونے کی وجہ سے سب بچے سکول تک رسائی حاصل کرتے ہیں لیکن مڈل کے بعد شرح تعلیم میں بہت کمی آتی ہے اور کچھ بچے ہائی سکول تک پہنچتے ہیں۔ انٹر میڈیٹ اور ہائر ایجوکیشن کا رجحان حوصلہ افزا نہیں۔کم عمری میں شادیوں کے رجحان میں کمی توآئی ہے لیکن اب بھی شادیاں ہی تعلیم کی راہ میں اہم رکاوٹوں میں سے ایک ہے۔کم آمدنی اورسہولیات کی کمی کی وجہ سے بھی لوگ ہائر ایجوکیشن تک نہیں پہنچ پاتے ہیں۔

گوپس سیاحت کے لئے بہت مشہور ہے۔ قدیم زمانے میں راجوں اورمہتروں کامرکز بھی رہا ہے۔ یہاں پرایک مضبوط قلعہ بھی تعمیر تھا۔گوپس صدیوں تک راجاؤں کا صدر مقام رہا ہے اس وجہ سے اب بھی یہاں اہم زمینیں ان کے پاس ہیں۔ مقامی مارکیٹ میں کاروباری لین دین میں مقامی لوگ بہت پیچھے ہیں۔ گوپس میں پٹھانوں کی تعداد کافی ہے۔ یہ لوگ بہت محنتی اور جفاکش ہیں کاروباراور لین دین میں مہارت رکھتے

ہیں۔ مقامی قدیم باشندے اب بھی کاشت کاری اورمال مویشی کو پالناجاری رکھے ہوئے ہیں۔ نئی نسل کے نوجوانوں کارجحان ملازمت کی طرف زیادہ ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے بعد ان علاقوں میں بہت کم واپس آتے ہیں۔

گوپس میں گلگت ایجنسی کے آثار بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہاں پرقلعہ نماایک فوجی چھاؤنی قائم تھی۔اس کی عمارت بہت خوبصورت اور مضبوط ہے۔انگریزوں نے اس عمارت کی تعمیر کے بعدیہاں گورنر تعینات کیاتھا۔گوپس کے آخری ریاستی گورنر راجہ حسین علی خان مقپون تھے۔ دریائے گوپس کے اُس پارگوتھ کے مقام پرراجہ کا محل تعمیر تھا۔ گوتھ بہت خوبصورت اور سرسبز جگہ ہے۔گوپس سے خوش وقتوں کو ان کی نااہلی کی وجہ سے راجگی سے فارغ کیا گیا اور ان کی جگہ بلتستان سے حسین علی خان مقپوں کو گوپس کوہ غذر کا گورنر بنایا گیا۔(میجر براوٗن' بغاوت گلگت'ص۱۰۸)۔

موجودہ وقت میں گوپس میں بہت سماجی ترقی ہوئی ہے۔اس گاؤں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے فیڈرل ہائی سکول کی سہولت ہے۔ انٹر کالج کی عمارت بن رہی ہے لیکن کلاسوں کا اجراء نہیں۔ نجی مقامی ادارے اپنی مدد آپ کے تحت کالج چلارہے ہیں۔

آغاخان ایجوکیشن سروس کی جانب سے یہاں پرلڑکیوں کے لئے ہائی سکول قائم ہے۔ اس کے ساتھ گوپس یاسین کے لئے فیلڈ آفس بھی یہاں ہے۔صحت کے شعبے میں سول ہسپتال کے ساتھ آغاخان ہیلتھ سروس کی جانب سے ایکسٹینڈڈ فیملی ہیلتھ کی سہولیات بھی دستیاب ہیں۔ نیشنل بینک کے ساتھ مائیکروفنانس بینک اور مقامی سوسائٹیاں بھی قائم ہیں۔ کمیونٹی لرننگ سنٹر میں کمپیوٹر کی تعلیم کے ساتھ لائبریری کی سہولت بھی دستیاب ہے۔تحصیل گوپس کاصدر مقام اور یاسین کی گزرگاہ ہونے کی وجہ سے یہاں ٹریفک کاکوئی مسئلہ نہیں۔ سیاحوں کے لئے سرکاری ریسٹ ہاؤس کے ساتھ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مقامی ہوٹل بھی ہیں۔ سرکاری اور غیرسرکاری اداروں کے علاوہ نجی اداروں کی آمد سے اب روزگار کے نئے دروازے کھل گئے ہیں۔ سماجی اور معاشی ترقی کی وجہ سے زندگی کی اقدار میں بھی تیزی کے ساتھ تبدیلی آرہی ہے۔ اس پر مقامی لوگوں کا ملا جلا ردعمل ہے۔ بہرحال تبدیلی کے اس رجحان میں مقامی لوگوں نے اپنی شناخت برقرار رکھاہے۔ چترال روڈاور شندور میلے کی وجہ سے بھی گوپس کی معیشت پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ چترال روڈ گلگت سے چترال اسی علاقے سے گزرتاہے اس لئے کاروبار اور سیاحت میں کافی مواقع موجود ہیں۔

جنڈورٹ

جنڈورٹ گوپس کے خوبصورت گاؤں میں سے ایک ہے۔ اس علاقے میں ہمرداس، علی آباد، اجہ کوئی، خلتی، چھیرمایون اورگمیس واقع ہیں۔ جنڈورٹ کے قدرتی مناظر قابل دید اور دلفریب ہیں۔ جنڈورٹ میں واقع پی ٹی ڈی سی ہوٹل سے ان تمام علاقوں کے قدرتی مناظر کا نظارہ ہوتاہے۔خلتی جھیل ۸۱۔ ۱۹۸۰ء (مقامی لوگوں کے مطابق) کو بنا تھا۔ اب تقریباً بھر جانے کے قریب ہے۔ قدرتی وسائل سے مالامال یہ علاقے سیاحوں کے لئے بہت دلکش اورحسین ہیں۔ یہاں کی آبادی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ ان علاقوں میں کھوار اور شینا زبانیں بولی جاتی ہیں۔تعلیم کی شرح بہت بہتر ہے۔ جنڈوٹ میں پرائمری تعلیم کی سہولیات موجود ہیں۔ نجی اداروں میں آغاخان ایجوکیشن سروس کے زیر انتظام پرائمری اورمڈل لیول کے سکول قائم ہیں ان میں سینکڑوں بچے زیرتعلیم ہیں۔ مقامی زبانوں میں کھوار اور شینا یہاں بولی جاتی ہے۔ ان علاقوں میں بھی لسانی اورنسلی گوناگونی ہے۔مختلف علاقوں سے ہجرت کرکے لوگ یہاں آباد ہوئے ہیں۔ جنڈورٹ میں اکثریت اسماعیلی مسلمانوں کی ہے ان کے ساتھ اہل السنّت و الجماعت کے چند گھرانے آباد ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت محنتی، شریف اورمہمان نواز

ہیں۔معیشت کا دارومدار زمینداری اور گلہ بانی ہے۔ ملازمت اور کاروبار نئے ذریعہ معاش کے طورپرابھریں ہیں۔ یہاں کی ٹراوٹ مچھلی بہت مشہورہیں۔ موسم بہار میں دریاکے کنارے بڑا رش ہوتا ہے۔ مقامی لوگ مچھلیاں پکڑنے اوران کے کاروبار میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے لیکن دوسرے علاقوں سے لوگ یہاں آکر مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں۔ ان علاقوں میں مقامی اورملکی سیاح آتے ہیں لیکن ان کامقامی لوگوں کو خاطرخواہ فائدہ نہیں کیونکہ وہ اپنے ساتھ کھاناپینا اور دیگر اشیاء لاتے ہیں۔ مقامی سطح پر ہوٹل اور ریسٹورنٹ کی سہولیات کم اور غیر معیاری ہیں۔ ان لوگوں کے لئے آنے والے زمانے میں اس شعبے پر توجہ دینا چاہئے۔ سڑک کی بہتر سہولیات کی وجہ سے لوگ دن بھر سیروسیاحت کرکے واپس گاہکوچ یا گلگت کی طرف نکلتے ہیں۔جنت نظیر علاقوں کی سیروسیاحت اور مچھلیوں کے شکارسے یہاں کی معیشت بہترہوسکتی ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ نئی نسل اس قسم کی تربیت حاصل کرے۔ پہاڑ، دریا، جنگل اورمیدانی علاقے ان علاقوں کی حسن کو دوبالا کئے ہوئے ہیں۔ فصل، پھل فروٹ، سبزیاں، جنگلی اور پالتو جانوروں کے علاوہ قدرتی پھول اور چراگاہیں دیدہ زیب ہیں۔خلتی جھیل کے کناروں پراپریل سے اکتوبر تک بہت چہل پہل رہتی ہے۔اس پرفضا مقام کی سیر بہت صحت افزاہے؛

شوق کس کا سبزہ زاروں میں پھراتا ہے مجھے   اور چشموں کے کناروں پر سُلاتا ہے مجھے
لیٹنا زیر شجر رکھتا ہے جادو کا اثر   شام کے تارے پہ جب پڑتی ہے رہ رہ کرنظر

داہیمل

خلتی جھیل سے آگے تنگ وسنگلاخ پہاڑی درّہ ہے اور دریاکے ساتھ سڑک بنی ہے۔ پکڈنڈی راستے کی وجہ سے سفر بہت خوفناک لگتا ہےلیکن اس خوف کو قدرتی مناظر بھلا دیتے ہیں۔ راستے میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے گاؤں آبادہیں۔ ان میں خوتمُ، گھوگہہ، جولیجالی اورجلکرُم شامل ہیں۔ راستے میں نالہ بتریت واقع ہے جوجنوب مغرب

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کی جانب ایک وسیع نالہ ہے۔ دائیمل ایک چھوٹا گاؤں ہے لیکن شندور اور چترال کے لئے یہاں سے روڑ گزرتا ہے۔ قدیم زمانے سے اس علاقے میں مقامی اور غیر ملکی حملہ آوروں کا پڑاؤ ہوتا رہتا تھا۔ جنگی فراریوں اور مفروروں کے لئے یہ درّہ پناہ گاہ سے کم نہ تھا۔کٹوروں اور خوشوقتوں کے درمیان اہم لڑائیوں میں یہ علاقے بہت اہمیت کے حامل تھے۔ راستے میں تھمرنگ کے مقام پر ایک چٹان ہے جس کے اوپر ہزاروں کنکریاں پھینگ دی گئیں ہیں کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایک لشکر یہاں سے گزرا اور ان کنکروں کو یہاں چٹان پر پھینکا تا کہ یہ دکھائے کہ اُن کے ساتھ اتنے ہی نوجوان جنگجو ہیں۔

قدیم زمانے سے اس علاقے میں جن بھوت اور پریوں کے بہت قصے مشہور ہیں۔ یہاں ایک زیارت ہے اس زیارت میں لوگ سالانہ نذر و نیاز کا انتظام کرتے تھے تا کہ اس قسم کے آفات اور بلاؤں سے نجات مل جائے۔فصل اور دیگر زرعی اجناس میں برکت اور اضافہ ہو وغیرہ۔اس زیارت کو بزرگ دادا کی زیارت کہتے ہیں۔لوگ ماضی میں جوق درجوق اس زیارت پر آتے تھے۔ اس زیارت سے منسوب کچھ رسومات ہیں جیسے بدبودار فصلوں کا نہ بونا جن میں پیاز،ادرک وغیرہ شامل ہیں۔ شادی بیاہ اور دیگر مواقع پر نذر و نیاز دیتے تھے۔ ہر جمعہ کو اس زیارت پر نیاز ہوتا تھا اس زمانے میں یہ رسومات بہت کم منائے جاتے ہیں۔ یہاں بھی ٹروٹ مچھلی بہت پائی جاتی ہیں۔ مقامی لوگ ان کا شکار محض شوق کی وجہ سے کرتے ہیں۔معیشت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ معیشت کا دارومدار زمینداری، گلہ بانی، کاروبار اور ملازمت ہے۔ سیاحت سے ان لوگوں کو کوئی خاطرخواہ فائدہ نہیں کیونکہ لوگ ادھر سے گزرتے ہیں لیکن اس گاؤں میں رُکتے نہیں۔یہاں کوئی ہوٹل نہیں۔یہاں کی آبادی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اس لئے اب زمین کے رقبہ میں بھی کمی آرہی ہے اس گاؤں میں شینا اور کھوار زبانیں

بولی جاتی ہیں۔اسماعیلی مسلمان اکثریت میں ہے ان کے ساتھ اہل السنّت والجماعت بھی یہاں آباد ہیں۔ یہاں کے قبائل میں مقصدتے، آباجے، چھاڑے، کوروباٹے اور والیئے شامل ہیں۔

بتھریت

بتھریت کا شمار بھی غذر کے بڑے بڑے نالوں میں ہوتا ہے۔ یہ نالہ بہت وسیع اور قدرتی مناظر سے مالامال ہے۔ داہیمل سے شروع ہوکر داریل تانگیر کی سرحد تک جاتا ہے۔ اس نالے میں مزید چھوٹے چھوٹے نالے ہیں جوگا کھوچ اور سنگل تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس نالے میں کئی ایک گاؤں آباد ہیں جن کے بارے میں اس کتاب میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں کے لوگ بہت سادہ اور مہمان نواز ہیں۔ مال مویشی اور زمینداری سے روزی کماتے ہیں۔تعلیمی شرح بالکل کم ہے۔اس علاقے میں دو پرائمری سکول ہیں۔ آغاخان ڈائمنڈ جوبلی پرائمری سکول کی وجہ سے لڑکیاں بھی علم کی نعمت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔مگر کم وسائل اور اعلیٰ تعلیمی ادارے دور ہونے کی وجہ سے اپنی تعلیم مکمل نہیں کر پاتی ہیں۔لڑکے میٹرک کے بعد ملازمت کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ بہت کم بچوں کو اعلیٰ تعلیم کا موقع ملتا ہے۔ گلہ بانی کی وجہ سے یہاں دیسی گھی، دودھ، گوشت کے دیسی پکوان بناتے ہیں۔سیاحت کے لئے یہ علاقہ بہت موزوں ہے لیکن سڑک اور دیگر وسائل نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر سیاح یہاں نہیں آتے ہیں۔ ماضی میں اور بعض اوقات اب بھی داریل تانگیر سے چرواہے مال مویشی چراتے ہیں جس کی وجہ سے سماجی حالات صحیح نہیں رہتے ہیں بعض اوقات قتل و غارت بھی ہوجاتی ہے۔ اس خوف کی وجہ سے لوگوں کا ایک دوسرے پر کم بھروسہ ہے اس غلط فہمی کو مستقبل میں تعلیم اور شعور سے کم کیا جاسکتا ہے۔

پنگل

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

گوپس سے آگے پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع یہ علاقہ کافی دشوارگزار ہے۔ قدرتی مناظر' دریا کی خوبصورت آوازوں اور آبشاروں کی وجہ سے راستے کی دشواری کا بہت کم احساس ہوتا ہے۔ پگڈنڈیوں کی سی سڑک اس علاقے کے لوگوں کے لئے زندگی کی اُمید اور ترقی کی علامت ہے۔ راستے میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے ہوٹل بنے ہیں جو تھکے ہارے مسافروں کے لئے چائے پانی کے بہترین سرائے ہیں۔ پنگل گوپس کے خوبصورت گاؤں میں سے ایک ہے۔ یہاں ٹراوٹ مچھلیاں بہت ملتی ہیں جگہ جگہ نوجوان مچھلیوں کا شکار کرتے نظر آتے ہیں۔ اس گاؤں کے لوگ تعلیمی سرگرمیوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں اس وجہ سے اس چھوٹے گاؤں سے سینکڑوں نوجوان لڑکے لڑکیوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ معیشت کا دارومدار زمینداری اور زراعت کے علاوہ ملازمت پر ہے۔ لوگ بڑے ایماندار اور محنتی ہیں۔ شرح تعلیم مردوں اور عورتوں میں برابر ہے۔ نئ نسل تعلیم کی طرف بہت شغف رکھتی ہے۔ قدرتی مناظر اور جنگلات کی وجہ سے سیاحت کیلئے بہت موزوں ہے۔ اس علاقے کے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں سنجورو کوچ' شرالوکوٹو' ماتج لسٹ' تھنگئی' پایوش' سوسوٹ' پنگل' توُرجھال' کسندر اور کھاشن شامل ہیں۔ اس علاقے میں 1994ء کو ایک جھیل سوسوٹ میں بنی تھی جس میں کافی جانیں بھی گئیں اب سیاحت میں یہ جھیلیں بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ سیلابوں اور ندی نالوں کی وجہ سے اب یہ جھیلیں بھر گئیں ہیں۔

شمرن

شمرن وادی غذر کے خوبصورت گاؤں میں شامل ہے۔ اس وادی میں یہ گاؤں کافی میدانی اور وسیع پھیلا ہوا ہے۔ گاؤں کی آبادی تین ہزار سے زائد ہے۔ یہاں کھوار زبان بولی جاتی ہے۔ زیادہ تر آبادی چترالیوں کی ہے۔ تعلیمی اداروں میں حکومتی اور نجی ادارے شامل ہیں۔ آغاخان ایجوکیشن سروس کی وجہ سے لڑکیوں کی تعلیمی شرح بھی

بہتر ہے۔ یہاں ایک گورنمنٹ ہائی سکول کے ساتھ دو پرائمری دو آغاخان ڈائمنڈ جوبلی کے سکول قائم ہیں۔ چار جماعت خانے اور ایک مسجد ہے۔ ان کی تعمیرات میں موجودہ زمانے کا بہت اثر ہے۔ لوگوں کے مکانات کی تعمیرات میں اب نئ ٹیکنالوجی اثرانداز ہو رہی ہے۔ قدیم نقشے کے گھر اب کم نظر آتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت محنتی اور شریف ہیں۔ ان کی معیشت کا دارومدار زراعت' ملازمت' گلہ بانی اور کاروبار پر ہے۔ یہاں کے نالوں میں چھشی نالہ بہت مشہور ہے۔ اس نالے میں لکڑی عام ملتی ہیں اس لئے دور دور گاؤں سے لوگ اس نالے سے لکڑی لے جاتے ہیں۔ یہاں بھی پھل فروٹ کے درخت ہیں جن میں خوبانی' اخروٹ' بادام' چیری' آلوبخارا' آلوچہ' آڑو اور بید شامل ہیں۔ اس گاؤں کے نالوں میں جنگلات بہت پائے جاتے ہیں۔ مقامی لوگ ماضی میں بہت شکار کھیلا کرتے تھے اب مارخور اور دیگر شکار کم کیا کرتے ہیں۔ ان علاقوں میں مئی سے اکتوبر تک سیاحت اور زمینداری کے مواقع ہیں اس کے بعد برف پڑتی ہے۔ ماضی کی نسبت اب ان علاقوں میں کم برفباری ہوتی ہے۔ سڑک کی سہولت کی وجہ سے اب یہاں سے لوگ صبح گاہکوچ یا گلگت جاکر شام کو واپس آتے ہیں۔ ماضی میں یہاں سے گلگت یا دوسرے علاقوں تک رسائی بہت کم تھی۔ مہتران چترال اور دیگر اہم شخصیات بھی اس گاؤں سے شندور چترال جاتے تھے۔ قدرتی مناظر کی فروانی ہے۔ یہاں کے دریا میں ٹراوٹ مچھلیاں عام ملتی ہیں۔ یہ علاقے سیاحت اور سیر سپاٹے کے لئے بہت موزوں ہیں۔ آپ صبح گاہکوچ سے جاکر ان علاقوں کی سیر کر کے شام کو گوپس یا گاہکوچ واپس آسکتے ہیں۔ ہائی سکول شمرن سے پہاڑی نظارہ آپ کی یادوں کی دنیا میں نقش ہوجائے گا؛ بقول اقبالؔ

ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ   پانی بھی موج بن کے اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو

پھنڈر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

غذر کا سب سے خوبصورت گاؤں پھنڈر ہے۔اس گاؤں کو منی کشمیر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ گاؤں گوپس سے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ پکی سڑک کی وجہ سے اب سفری مشکلات نہیں۔ راستے میں قدرتی مناظر پہاڑی راستے کے خوف کو بھلا دیتے ہیں۔ پھنڈر سرسبز وشاداب اور میدانی علاقہ ہے۔یہاں پر دو قدرتی جھیل ہیں ان کی سیاحت قابل دید ہے۔ اس گاؤں میں ایسے سبزہ زار ہیں کہ آپ کو علامہ اقبال کی شاعری یاد آئے گی؛بقول اقبالؔ

ہو ہاتھ کا سرہانا سبزہ کا ہو بچھونا   شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو
آغوش میں زمین کی سویا ہوا ہو سبزہ   پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

اس گاؤں میں ہوٹل کی سہولیات ہونے کی وجہ سے مسافر عموماً مناظر فطرت سے لطف اندوز ہونے یہاں قیام کرتے ہیں۔مئی سے اکتوبر تک یہ جنت نظیر ہے لیکن سردیوں میں یہاں رہنا کافی مشکل ہوجاتا ہے۔اس گاؤں میں پھلدار درخت بالکل نہیں ہیں۔ صرف ہائی برڈ اور دیگر قدرتی درخت ہیں۔ نجی اور تعلیمی اداروں کے شعور کے باوجود یہاں کے لوگوں نے پھلدار درخت نہیں اُگائے ہیں۔ چند گھرانوں کے سامنے ایک دو سیب یا خوبانی کے درخت نظر آتے ہیں۔ لوگوں کی معیشت کا دارومدار زراعت' ملازمت' گلہ بانی اور مزدوری پر ہے۔ زیادہ تر نوجوان فوج میں جانا پسند کرتے ہیں۔ تعلیمی شرح بہت بہتر ہے۔لڑکے لڑکیاں دونوں سکول جاتے ہیں۔ لوگ بہت محنتی اور سادہ ہیں لیکن اب روڈ بننے کی وجہ سے اس علاقے میں گرمیوں میں لوگ بہت آتے ہیں اس وجہ سے ان کی عادتوں میں بہت تبدیلی آئی ہے۔ کاروبار اور دیگر سیاحتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں اب ان میں وہ سادگی نہ رہی مواقع کا خوب فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہاں کھوار زبان بولی جاتی ہے۔ٹراوٹ مچھلیاں عام ملتی ہیں لیکن یہاں کے لوگ ان سے پیسہ نہیں کماتے۔ آپ دن بھر اس گاؤں میں رہ کر شام کو واپس

آنا گوارا نہیں کرینگے۔ عموماً سیاح اس گاؤں میں اتنی فوٹوگرافی کرتے ہیں کہ اگلے گاؤں تک جانا بھی بھول جاتے ہیں یوں شام ہوجاتی ہے۔ صاف پانی اور قدرتی حسن اس گاؤں کی زینت ہے۔یہاں پر بنیادی صحت کے لئے حکومتی اور نجی ادارے شامل ہیں۔ آغا خان ایجوکیشن سروس کے زیراہتمام سکولز یہاں بھی قائم ہیں جن سے سینکڑوں بچیاں زیور تعلیم سے فیض پارہی ہیں۔ یہاں کی آبادی میں اسماعیلی مسلمان اکثریت میں ہیں اور ان کے ساتھ اہل السنّت و الجماعت بھی ہیں۔برسوں سے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان میں ہم آہنگی اور ہمدری ہے مل جل کر رہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں زیادہ تر لوگ چترال سے یہاں آکر آباد ہوئے ہیں۔یہاں نسلی گوناگونی ہے۔ یہاں پر آٹھ جماعت خانے اوردو مساجد ہیں۔ان کی تعمیر جدید انداز میں ہے۔ لوگوں کے قدیم گھروں کے نقشے اب بدل رہے ہیں۔ اب سیمنٹ اور چادر(شیٹ) کے مکانات زیادہ بن رہے ہیں۔ لوگوں کی زندگی کا معیار پہلے کی نسبت اب بہت بہتر ہوا ہے۔حکومت پاکستان اور آغا خان فاؤنڈیشن کے تعاون کی وجہ سے یہ ترقی ممکن ہوئی ہے۔ مقامی لوگوں کی محنت اورمشقت بھی شامل ہے اس گاؤں کی خوبصورتی کی وجہ سے ہر آدمی یہ کہتا ہوا نکل جاتا ہے۔بقول اقبالؔ

دور سے دیدۂ امید کو ترساتا ہوں   کسی بستی سے جو خاموش گزر جاتا ہوں
سیر کرتا ہوا جس دم لبِ جُو آتا ہوں   بالیاں نہر کو گرداب کی پہناتا ہوں
سبزۂ مزرعِ نو خیز کی امید ہوں میں   زادۂ بحر ہوں' پروردۂ خورشید ہوں میں

پھنڈر کے اہم گاؤں میں آنو ٹک' پھنڈر پراپر' دیر برکلتی' گلوغ' سربل' رحیم آباد' دلول شامل ہیں۔

گلاغمولی

پھنڈر سے آدھ گھنٹے کی مسافت کے بعد گلاغمولی کا گاؤں آتا ہے۔یہ گاؤں چارپانچ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

گاؤں کا مجموعہ ہے جس میں ہندراب' گلاغتوری' برستوتک' شاہی مل' ترچ' کھونانده' بویانده' ہرکوش' علی آباد اور باچ شامل ہیں یہاں کی آبادی میں نسلی گوناگونی ہے۔ سرد موسم اور دور افتادہ ہونے کی وجہ سے لوگ اس گاؤں کو چھوڑ کر گلگت کی طرف نکلے ہیں۔ یہاں کھوار زبان بولی جاتی ہے۔ماضی میں مہتران چترال اس گاؤں سے گزر کر گوپس یاسین اور گلگت کی طرف آتے تھے اس وجہ سے یہاں اکثر قیام بھی کیا کرتے تھے۔ اس گاؤں کی سرحدیں کلام کوہستان تک جاتی ہیں۔ ماضی میں چترال اور کلام کوہستان سوات وغیرہ سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں۔ اس گاؤں کی زندگی کافی مشکل ہے کیونکہ سردیوں میں بہت سردی ہوتی ہے۔یہاں کے مکین اس سردی کا خوب مقابلہ کرتے ہیں۔ معیشت کا دارومدار زراعت' ملازمت' گلہ بانی اور کاروبار پر ہے۔ سیرو سیاحت کے لئے مئی سے اکتوبر تک یہاں لوگ آتے ہیں۔ اسماعیلی مسلمان اکثریت میں ہیں ان کے ساتھ اہل السنّت والجماعت کے لوگ بھی ہیں۔ ان میں بہت ہم آہنگی اور مل جل کر رہتے ہیں۔ بنیادی ضرورت کے حکومتی ادارے یہاں پر ہیں ان میں ایک بوائز ہائی سکول اور چند پرائمری سکولوں کے علاوہ فرسٹ ایڈ کے ہسپتال بھی قائم ہیں۔ ان کے علاوہ آغا خان ایجوکیشن سروس کے صحت' تعلیم' معیشت اور دیگر سماجی ادارے قائم ہیں۔اس گاؤں میں بھی پھل دار درخت بہت کم پائے جاتے ہیں۔جنگلی درخت بھی محدود ہیں۔لوگ بہت محنتی اور مہمان نواز ہیں۔ مال مویشی بہت پالتے ہیں اکثریت کی روزی کا دارومدار بھی ان پر ہے۔اتنے دور ہونے کے باوجود تعلیمی شرح بہت بہتر یعنی آبادی کا ۸۰ فیصد سے زائد ہے۔گرمیوں میں اس گاؤں میں بہت رونق رہتی ہے اور سردیوں میں غیر آباد سا دکھتا ہے۔ اس گاؤں کی آبادی بھی پانچ ہزار سے زائد ہے۔ ہوٹل کی سہولیات ہیں یا واپس پھنڈر ریسٹ ہاؤس بھی پہنچا جاسکتا ہے جو کہ صرف آدھ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ جولائی اگست میں آپ اس گاؤں

سے نکلتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں۔

جی یہ چاہتا ہے فراق انجمن سہنے لگوں
شہر کی رنگینیاں چھوڑوں یہی رہنے لگوں

ٹیرو

گلاغمولی سے دو کلومیٹر آگے ایک اور گاؤں واقع ہے جس کو مقامی لوگ ٹیرو کہتے ہیں۔ ٹیرو کا قدیم نام تیرو تھا انگریزوں کی آمد کے بعد تلفظ بگڑ کر ٹیرو ہوگیا۔ ٹیرو بھی پانچ چھے گاؤں کے مجموعے کا نام ہے تنگ پہاڑی وادی میں دس پندہ کلومیٹر تک پھیلا یہ گاؤں بہت دشوار گزار ہے۔ اس علاقے کی آبادی بھی تین ہزار سے زائد ہے۔ اس علاقے میں اسماعیلی مسلمان رہتے ہیں۔ ان کی زبان کھوار اور لہجہ چترالی ہے۔ چترال سے قدیم زمانے میں بہت زیادہ مراسم ہونے کی وجہ سے تمام ثقافت اور روّیے چترالی ہیں۔ رہن سہن اور تعمیرات بھی چترالیوں سے ملتے ہیں۔

بہت محنتی اور مہمان نواز لوگ ہیں۔ ان کی معیشت کا دارومدار زراعت' گلہ بانی اور ملازمت پر ہے۔ یہاں فصل بہت کم اور محدود پیمانے پر ہوتے ہیں۔ پھلدار درخت بالکل نہیں۔ لکڑی دور دور تک نظر نہیں آتا پھر بھی یہ لوگ سردیاں گزار دیتے ہیں۔ ایک مخصوص گھاس ہے جس کو وہ مٹی کے ساتھ زمین سے نکال کر گھروں کی چھتوں پر سُکھا دیتے ہیں اور گوبر کے ساتھ ملا کر جلاتے ہیں۔ جون سے اکتوبر تک موسم تھوڑا گرم رہتا ہے۔ راستے دشوار گزار ہیں۔حکومت پاکستان کی مہربانی سے بنیادی ضرورت کے چند ادارے قائم ہیں جن میں پرائمری اور مڈل سکول صحت کے لئے ایک فرسٹ ایڈ سنٹر وغیرہ اس کے ساتھ ساتھ آغا خان فاؤنڈیشن نے بھی تعلیم' صحت اور دیگر سماجی ضروریات کے چند ادارے قائم کی ہے ان سے ان لوگوں کے کافی مسائل حل ہوتے ہیں۔تعلیمی شرح پاکستان کے دوسرے دور دور علاقوں سے یہاں بہت بہتر ہیں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

شندور اور چترال کے لئے یہاں سے راستہ ہے اس لئے گرمیوں میں ٹرانسپورٹ کامسئلہ کم رہتاہے۔ ایک دو چھوٹے چھوٹے قہوہ خانے بھی یہاں قائم ہیں جو گرمیوں میں چائے وائے کی خدمات دیتے ہیں۔ سال بھرموسم ٹھنڈا رہنے کی وجہ سے بعض اوقات برف جون تک جمی رہتی ہے۔ قدرتی مناظرمیں گلیشیرز اور دریا دیدہ زیب ہیں۔شکارکیلئے موزوں علاقہ ہے جس میں مارخور'رام چکور وغیرہ شامل ہیں۔ اس گاؤں کی سرحدسے آگے شندور کی سرحد شروع ہوتی ہے جہاں جولائی میں پولو کا میلہ ہوتاہے۔ شندور غذر اور چترال کی سرحدہے۔ اس سرحدکا ابھی تک صحیح تعین نہیں ہواہے سیاسی مباحثے جاری ہیں۔ تاریخی لحاظ سے یہ علاقے مہتران چترال کی حکمرانی میں تھے جو بعدمیں دو حصوں میں تقسیم ہوگئے ایک کا نام کٹور اور دوسرے کا نام خوشوقت۔ شندورسے غذر کی طرف کے علاقے خوشوقت خاندان کی حکمرانی میں رہے۔ ان علاقوں میں سیاسی فسادات پاکستان کے قیام تک جاری رہے۔ یہ علاقہ کبھی خوشوقت اور کبھی کٹورکے زیرتسلط رہے۔ تاہم بین الاقوامی سطح پر ایک قانون ہے کہ'پانی پہاڑی سے جس طرف گرتا ہے وہاں سے آگے علاقے اُسی علاقے میں شامل ہوتے ہیں' لیکن شندور کے معاملے میں اب تک صوبہ خیبر پختونخواں (صوبہ سرحد) اور صوبہ گلگت بلتستان(شمالی علاقہ جات) کی حکومتوں میں کوئی مفاہمت نہیں ہوئی ہے اس پر مذاکرات جاری ہیں۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ شندور کا نصف حصہ ہمارا باقی اس طرف چترال کاہے۔ اس پرسیاسی وقانونی ماہرین ہی بہتر رائے دے سکتے ہیں۔اس مسئلے کو ترجیحی بنیادوں پرحل کرنے کی ضرورت ہے۔

پھنڈرسے گلاغمولی تک مختلف قبیلے آبادہیں ان میں شمشیرے' شُومرے' پُھوتے' سارالے' گلیتے' سُوکھے' حکیمے' مہجانے' دورانے' خوجے' لادے' رباکھانے' مُوئیئے' رٹسّے' ارطسے' بُوڈنگے' برگویئے' بوجُکے' ولیئے' یہ غیئے' کھونے' جِکانے' شوکھایئے' ڈوبے' چُوروٹے' نردے' خلہ سے' بُویئے' ٹونگے' چُمرے' مراد علیئے' دلیئے' بوہے' ٹٹنے' خلیفے اور ولیئے' شامل ہیں۔ ان میں لادے پھتکن قوم ہیں۔پھتکن سے مراد اصل باشندے جن سے ہرکام کا آغازکرایا جاتا تھا۔ یہ تمام قبائل شین قوم ہیں سوائے چند کے جو یشکن اور ڈوم ہیں۔

یاسین نازبر

وادی یاسین کے اہم نالوں میں سے ایک نالہ نازبر ہے۔ یاسین خاص سے چندکلومیٹر آگے یہ نالہ بہت دور دورتک پھیلا ہواہے۔ اس نالے میں کئی ایک گاؤں بھی ہیں۔ جنگل زیادہ ہونے کی وجہ سے لکڑیوں کی فراوانی ہے۔ اس نالے میں پن بجلی گھر بھی ہے جو یاسین کے لئے بجلی فراہم کرتا ہے۔ان علاقوں میں بروشسکی بولی جاتی ہے تاہم کھوار بولی اور سمجھی جاتی ہے۔یہاں پھلدار درخت بہت پائے جاتے ہیں۔ فصلیں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ یہاں کی معیشت میں زراعت' گلہ بانی'ملازمت اور کاروبارہے۔ زمینیں کم ہونے کی وجہ سے اب لوگ تعلیم اورملازمتوں کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ زندگی کی بنیادی ضروریات کے کچھ ادارے یہاں پرقائم ہے ان میں گورنمنٹ پرائمری سکول اور آغاخان ڈائمنڈ جوبلی سکول بھی قائم ہے۔ پرائمری کے بعدبچے یاسین اور گوپس کا رخ کرتے ہیں۔ لوگوں کے پاس مال مویشی بہت ہوتے ہیں۔ قدرت نے ان لوگوں کوپانی'جنگل' پھل فروٹ اور سبزہ زاروں سے نوازاہے۔ سیاحت کے لئے بہت موزوں جگہ ہے کیونکہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی ہیں اس نالے تک جانے کے لئے راستہ ہے ایک حدتک گاڑیاں جاتی ہیں۔اس نالہ سے چترال اور شمرن تک بھی راستہ ہے۔

یاسین

یاسین بہت مشہور علاقہ ہے۔ اس میں کئی ایک گاؤں ہیں جن میں بوجایوٹ'یاسین

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

خاص،نوح مورکہ،سلطان آباد،سندی اور قرقلتی شامل ہیں۔ تاریخ کے اوراق میں یاسین کی داستانیں رقم ہیں۔ فرنگیوں نے ان لوگوں کے ساتھ معرکے بھی کئے اور ان کی تاریخ بھی تحریر کی۔ ان کا انداز تحریر بہت دلچسپ اوردل فریب ہے۔ اس وادی کے قدرتی مناظر کی سیر کے بہانے وکٹورین کمانڈرز خفیہ رپورٹیں لکھتے رہے جو آج تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں اور وہی کتابیں ہمارے ریفرنس کا ذریعہ ہیں۔قطع نظر اس کے کہ یاسین انگریزوں،ڈوگروں،سکھوں،مہتروں اورمقامی راجاؤں کی وجہ سے مشہور ہونے کے ساتھ اپنے جغرافیہ کے لحاظ سے بھی اہم علاقہ تھا۔ بُجایوٹ سے آگے میدانی علاقہ برنداس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس علاقے کے سرسبز کھیت، دریا، جنگل، پہاڑ اور وادیاں اپنے منفرد آب وہوا کی وجہ سے بہت پر فضا ہیں۔ اس علاقے میں نسلی، ذاتی، ثقافتی، لسانی اور مذہبی گوناگونی ہے۔ بروشسکی اکثریتی زبان ہے تاہم کھوار اور شینا بھی یہاں بولی جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ بہت زیرک، باشعور، محنتی اور مہمان نواز ہیں۔ان کی معیشت کے اہم ذرائع میں زراعت، ملازمت، گلہ بانی، کاروبار اور سیاحت ہے۔ دور دور تک پھیلے کھیتوں میں ہر طرح کی فصلیں ہوتی ہیں۔ پھل فروٹ میں بھی یہ علاقہ غذر کے دوسرے علاقوں سے آگے ہے۔ قدیم کے نسلی اور سیاسی فسادات کے باوجود یہاں زندگی بہت پرامن اور خوشگوار ہے۔ اگرچہ ڈوگروں نے یہاں بہت قتل وغارت کی اس قتل وغارت میں بھی اپنوں کا ہاتھ تھا جس میں غریب لوگ مارے گئے۔سیاسی بیداری ان کی اہم خصوصیت ہے۔ اس علاقے کے نوجوان بہت دوراندیش ہیں اس وجہ سے گلگت اور دیگر علاقوں میں ہجرت کرگئے ہیں۔ مختلف پیشوں میں ہونے کی وجہ سے معیشت کافی مضبوط ہورہی ہے۔ علاقے سے دور ہونے کے باوجود اپنے گاؤں کا خیال رکھتے ہیں۔ اس علاقے کے لوگ جھگڑالو بھی ہیں اس کی وجہ قدیم نسلی اور سیاسی فسادات ہیں جو یہاں ہوتے رہے تھے۔ ماضی کی حکومتوں کو یہاں کے لوگ اچھی نگاہ

سے نہیں دیکھتے ذاتی اورنسلی غرور اب بہت حد تک کم ہوگیا ہے۔ ترقی کے طوفان میں ماضی کے بہت ساری عادتوں کے ساتھ یہ بھی ختم ہوتا نظر آتا ہے یاسین میں قدیم زمانے کی تعمیرات محفوظ نہیں چند قدیم گھر ہیں۔اب کی تعمیرات جدید طرز کے ہیں۔ رہن سہن اورزندگی کی معیار میں بہت بہتری آئی ہے۔تعلیمی شرح ایک اندازے کے مطابق ۸۰ فیصد سے زائد ہے۔ لڑکے لڑکیاں دونوں تعلیم میں ایک دوسرے سے پیچھے نہیں۔ یہاں کے نوجوان پی۔ایچ۔ڈی کی سطح تک رسائی حاصل کرچکے ہیں۔ڈاکٹر کریم پناہ، ڈاکٹر حاجی کریم اور جان مدد ان کی مثالیں ہیں۔ یہاں کی سیاسی قیادت بھی نمایاں ہے۔ راجاؤں اورپیروں کے بعدغلام محمد، محمدایوب شاہ اور راجہ جہانذیب، وغیرہ اس علاقے کے سیاسی راہنما ہیں۔ مذہبی ہم آہنگی اور امن ہے۔ یہاں پراسماعیلی مسلمان اکثریت میں ہیں اہل السنّت و الجماعت بھی کافی تعداد میں ہیں۔ صدیوں سے ساتھ رہنے کی وجہ سے آپس رشتہ داریاں ہیں اورمل جل کر رہتے ہیں۔ان علاقوں میں آبادی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اس وجہ سے وسائل میں بھی کمی آرہی ہے۔ کاروبار اور سیاحت کے بہت اہم مواقع ہیں۔یہاں پرسیاحوں کے لئے ہوٹل اور رسٹورنٹ بھی ہیں۔مئی سے اکتوبر تک گرمی پڑتی ہے اور یہی سیزن سیاحت کے لئے بہت موزوں ہے۔ سڑک کی سہولیات کی وجہ سے آنے جانے کا کوئی مسئلہ نہیں۔سیر سپاٹے کیلئے قدرتی مناظر اور دلکش کوہسار ہیں۔حکومت پاکستان کی جانب سے یہاں بنیادی ضرورت کی ہرادارے قائم ہیں جن میں سکول، ہسپتال، سڑک، بجلی وپانی اور سماجی ادارے شامل ہیں ان کے ساتھ آغاخان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک کے ادارے بھی ہر گاؤں میں قائم ہیں۔ جن میں ہائی سکول، فیملی ہسپتال، سماجی اورثقافتی ادارے شامل ہیں۔ غذر کی تعمیروترقی میں یاسین کے لوگوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ یاسین کے علاقوں میں مختلف نسلیں اور قومیں آباد ہیں ان میں راجپوت(لالے، راجے، مہترجاوے) سارالے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

شکر بیگے، غولے، سادات (سادات کی بھی الگ الگ ذاتیں ہیں) شامونے، دَشانے، حکیمے، رخمونے، بیگے، مرزاخانے، حوکیئے، پٹھان (خان خیل، میا خیل اور خوجہ خیل) وغیرہ شامل ہیں۔

برکلتی

برکلتی یاسین کے اہم گاؤں میں سے ایک ہے۔ اس گاؤں کی آبادی بھی ہزاروں میں ہے۔ پیرشاہ کلان کی اولاد یہاں آباد ہونے کی وجہ سے اس گاؤں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ماضی میں اس علاقے کے لوگ پیر کے پاس ملنے اس گاؤں میں آتے تھے۔ ان پیروں اور سیدوں میں پیر شاہ کلان ثانی، پیر سید جلال الدین، موکھی سید جمال شاہ، سید شاہ عبدسلطان، سید فضل حسن اور سید کرم علی شاہ (چٹورکھنڈ) مشہور ہیں۔ ان کے بارے میں دلچسپ کہانیاں بتائی جاتی ہیں کہا جاتا ہے کہ سید شاہ کریم حیدر (غالباً پندویں صدی کی بات ہے) کے پاس ایک 'بیچ' دیو یا جن تھا جو آپ کے حکم سے ہر کام کرتا تھا۔ اس گاؤں کے بیشتر درختوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سب اس نے لگائے ہیں۔ جن میں پھلدار اور غیر پھلدار بھی شامل ہیں۔ ان درختوں کے تنوں میں ایسے نشانات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ واقعی یہ اس جن نے یہاں لگائے ہیں۔ اس 'مرزا کچٹ' کے بارے میں معتبر روایات ہیں اس خاندان کے ایک نوجوان کہتے ہیں کہ 'میں جب چھوٹا تھا ہمارے گھر میں ایک 'بیچ' یعنی دیو رہتا تھا۔ سید شاہ کریم حیدر نے اس دیو کو قابو کر کے اپنی مریدی میں لایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس دیو نے سات پشتوں تک اس خاندان کی خدمت کا وعدہ کیا تھا۔ اس وجہ سے یہ ایک عرصے تک اس خاندان کے ساتھ رہا۔ گھر والے اس کے لئے بہت زیادہ کھانا رکھتے تھے۔ چترال میں اس خاندان کی بہت زمینیں ہیں اس وجہ سے وہاں سے خشک فروٹ یہاں لانا ممکن نہیں تھا۔ لوگ وہاں سے پیدل آتے اور مرزا کچٹ ان تمام فروٹ کو یہاں پہنچاتا تھا۔

اس کے رہنے کا الگ مکان تھا۔ اگر خدا نخواستہ وہ ناراض ہوجاتے تو پورے صحن میں پتھر بھر دیتے تھے۔ اس خاندان کے آباؤاجداد کے پاس یہ مخلوق عرصے تک رہا لیکن ان کی وفات کے ساتھ وہ غائب ہوگیا'۔

برنداس بہت خوبصورت گاؤں ہے یہاں اب جنگل کافی ہے۔ ہرطرح کے پھل فروٹ اور فصل ہوتے ہیں۔ مقامی لوگوں کی معیشت میں زراعت، ملازمت، گلہ بانی اور کاروبار شامل ہے۔ اب لوگوں کے پاس پہلے کی طرح مال مویشی نہیں۔ زمینیں بھی اب آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے کم پڑ گئی ہیں۔ لوگوں کا زیادہ تر انحصار ملازمت پر ہے۔ اس علاقے کے لوگ بڑے محنتی اور مہمان نواز ہیں۔ زیادہ تر لوگ ہجرت کر کے دوسرے علاقوں میں گئے ہیں۔ اب اس علاقے میں پیر مریدی میں وہ شدت نہیں جو ماضی میں تھی لیکن لوگ ان کی خدمات کی قدر کرتے ہیں۔ اس گاؤں میں بروشسکی بولی جاتی ہے تاہم کھوار بھی لوگ سمجھتے اور بولتے ہیں۔ اس گاؤں میں زندگی کی بنیادی سہولتیں کم ہیں اس لئے تعلیم اور صحت کی ضروریات کے لئے یاسین سے گوپس کی طرف جانا ہوتا ہے۔ اس گاؤں میں بھی اسماعیلی مسلمان اکثریت میں ہیں۔ اہل السنّت والجماعت کے بھی چند گھرانے آباد ہیں۔ یہاں کی آبادی کا زیادہ تر حصہ چترالی ہیں دوسرے علاقوں سے بھی لوگ یہاں آباد ہیں۔ مذہب اور سیاسی حالات کی وجہ سے ماضی میں ان لوگوں نے اپنے مذہبی اور سیاسی راہنماؤں کے ساتھ اس علاقے کا رخ کیا اور یہی آباد ہوگئے۔ سیاحت کے لئے کوئی خاص جگہیں نہیں البتہ یہاں سے گزرتے ہوئے آپ کو اس علاقے کا ایک نیا رخ مل سکتا ہے۔ حکومتی اداروں کے علاوہ آغاخان ڈویلپمنٹ نٹ ورک کے اداروں نے اس علاقے میں بہت کام کیا ہے۔ اس گاؤں میں پانی، جنگل، کھیت اور پہاڑی نالے ہیں جو گاؤں کی بیشتر ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہندور یاسین

وادی یاسین کے اہم گاؤں میں سے ایک ہندور ہے۔ ہندور بہت خوبصورت اور میدانی علاقہ ہے۔ اس گاؤں کی شہرت میں اس وقت اضافہ ہوا جب اس گاؤں کے ایک نوجوان سپوت نے کارگل کی جنگ۱۹۹۹ء کو جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایااور پاکستان کے سب سے بڑا فوجی اعزاز'' نشان حیدر'' حاصل کیا۔ ہندور میں حوالدار لالک جان کامزارہے۔ اس مزار پرسالانہ یوم دفاع کو فوجی سلامی دینے آتے ہیں۔ ہندور میں سرکاری اور نجی ادارے قائم ہیں جن میں گورنمنٹ ہائی سکول اور ڈی جے ہائی سکول،سرکاری اور نجی ہسپتال اور دیگر پرائمری سکول شامل ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت محنتی اور مہمان نواز ہیں۔ زراعت، گلہ بانی،ملازمت اور کاروبار ان کی معیشت کا ذریعہ ہیں۔تعلیمی شرح مردوں اور عوتوں میں برابرہے۔ اس گاؤں میں اسماعیلی مسلمان اور اہل السنّت و الجماعت کے چند گھرانے آباد ہیں۔یہاں چھ جماعت خانے اور ایک مسجد ہے۔ ان کی تعمیر مقامی اور جدیدطرز کی ہے۔خاص طور پر ہندور کا جماعت خانہ جو جدید اور قدیم طرز تعمیرکا امتزاج ہے۔اس علاقے میں پھل فروٹ اورفصلیں ہوتی ہیں۔یہاں بروشسکی زبان کے علاوہ کھوار بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔نوجوان لڑکے لڑکیاں جدیدیت کی طرف راغب ہیں۔مئی سے اکتوبر تک اس علاقے میں گرمی پڑتی ہے۔ لالک جان شہید کے مزار پر لوگوں کاہجوم رہتاہے اس لئے سیاحت کے لئے موزروں حالات ہیں۔یہاں ہوٹل اور ریسٹورنٹ موجود ہیں۔ قدرتی مناظراور دریا کی خوبصورتی اس گاؤں کی اہم خاصیتوں میں سے ایک ہے۔ اس گاؤں میں نسلی اور ذاتی تکثیریت ہے۔

درکوت

درکوت غذر کے آخری سرحدی علاقوں میں سے بہت تاریخی گاؤں ہے۔گوپس سے دو

ڈھائی گھنٹے کی مسافت پرواقع ہے۔مشہور انگریزی سیاح اور خفیہ رپورٹر ہیوارڈ کو اس علاقے میں میر ولی کی راجگی میں قتل کیاگیا۔ اس واقعے نے پورے گلگت بلتستان پر بہت سیاسی اثرات مرتب کئے۔ یاسین مُدوری قلعے میں قتل وغارت بھی اس واقعے کی ایک کڑی تھی۔ اس واقعے کی تفصیلات اس کتاب میں بتادی گئی ہیں۔ درکوت بہت دور افتادہ علاقہ ہے۔ پہاڑی سلسلوں کے درمیان ایک چھوٹے گاؤں پر مشتمل ہے۔ یہاں کی آبادی بھی ہزاروں میں ہے۔یہاں بروشسکی زبان بولی جاتی ہے۔نسلی اور ثقافتی گوناگونی ہے۔ یہاں کے قبیلوں(چھوٹے چھوٹے قومیں) میں وخی، ٹھالے،وزیرے، بڑھالے،ترنگئے،خوشالے، شگرتے،غلامے، لگشارے، قنبرے اور کنہ وے شامل ہیں۔ زیادہ تر کاتعلق واخان اور بدخشان کے گرد و نواح سے ہیں۔ اتنے دور علاقے میں بھی حکومت پاکستان نے زندگی کی بنیادی سہولتیں فراہم کی ہیں جن میں سڑک، بجلی، پرائمری سکول، فرسٹ ایڈسنٹر وغیرہ شامل ہیں۔ہزہائنس پرنس کریم آغاخان کے امامتی اداروں نے بھی ان لوگوں کیلئے کافی سماجی اور تعلیمی ادارے دی ہیں۔ اس وجہ سے یہاں بھی تعلیم کی شرح پاکستان کے کسی اچھے شہرکے برابر ہے۔لوگوں کا زیادہ تر انحصار زراعت، گلہ بانی،ملازمت اور کاروبار پرہے۔گرمیوں میں سیاح اس علاقے میں آتے ہیں۔ اشکومن اور یاسین دونوں طرف سے راستے یہاں ملتے ہیں۔ درکوت سے یارخوند کے لئے تاریخی راستے ہیں اس وجہ سے یہ قدیم زمانے میں مشہور درّہ تھا جہاں سے لوگ روس اورافغانستان جاتے تھے۔ اس گاؤں میں جنگل عام ہے۔گلیشیئرز بہت زیادہ ہیں مئی سے اکتوبر تک گرمیاں پڑتی ہیں۔کچھ پھل فروٹ جن میں خوبانی، اخروٹ، بادام وغیرہ ہوتے ہیں فصل میں گندم، مکئی اور جو بوُتے ہیں۔ یہاں ایک گرم چشمہ ہے جہاں پورے گلگت بلتستان سے لوگ آتے ہیں۔صحت کے لئے یہ بہت کارآمد چشمہ ہے۔ یہاں کے لوگ بہت محنتی اورمہمان نواز ہیں۔سردیوں میں بہت برف پڑتی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہے اس لئے لکڑی اورگرم کپڑے ان کے سٹاک میں شامل رہتے ہیں۔ برکلتی سے درکوت کے علاقے کوسلگان بھی کہتے ہیں۔

تھوئی

تھوئی یاسین سے آگے جنوب مغرب کی طرف ایک وادی ہے جس میں دس سے زائد گاؤں ہیں جن میں غائینسل' داپس' حرب' نلتی' دریچ' کھونو'نلتی اورتھلتی شامل ہیں۔ یہ وادی بھی بہت خوبصورت ہے۔ یہاں فصل اچھی ہوتی ہے میوہ جات بھی عام ملتے ہیں۔ سردیوں میں سردی اورگرمیوں میں کافی گرمی پڑتی ہے۔ اس وادی میں چھوٹے چھوٹے نالے بھی ہیں جواس وادی کے گاؤں کو پانی فراہم کرتے ہیں۔ پہلے اس وادی میں سڑک نہیں تھی اب یہاں پکی سڑک بھی بنی ہے اس لئے گوپس سے محض ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔یہاں کے لوگ بہت محنتی اورجفاکش ہیں۔ اس علاقے کی تعلیمی شرح ضلع غذر میں سب سے بہتر ہے۔یہاں صرف بروشسکی زبان بولی جاتی ہے۔کھوار زبان بھی سمجھی جاتی ہے۔ اس علاقے میں کئی پرائمری سکول اورصحت کے ادارے قائم ہیں۔ نجی اداروں میں آغاخان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک کے ادارے شامل ہیں جنھوں نے اس علاقے کی تعمیرو ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیاہے۔ تنگ اور پہاڑی درّہ ہونے کی وجہ سے برف بھی پڑتی ہے۔مئی سے اکتوبر کے دوران اس وادی کی سیر کی جاسکتی ہے۔ یہاں کوئی ہوٹل نہیں اس لئے واپس یاسین طاؤس میں قیام کیا جاسکتا ہے۔

تھوئی میں کئی ایک قبیلے آباد ہیں ان میں بیگالے جن کے ذیلی شاخوں میں نوچے، نونے' شکربیکے' مرکلی کوژ' صوبہ کوژ' چونے' آتمیں' خلیفے' گشپورے 'فانوکژ' پٹی گرے' خوشوقتے' ذرگرشو' خیبرے' ماشوے' بریغونک' بزگرے' کالے' اورنونے شامل ہے۔

اس علاقے میں چند ایک زیارتیں بھی واقع ہیں۔ ان میں 'تھوئی حرب زیارت' اشقم

داس' کونو' تھلتی اور داپس پیرو دَن شامل ہیں۔

تاریخی پس منظر

آزادی افکار سے ہیں ان کی تباہی
رکھتی نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ

(علامہ اقبال)

ہر علاقے کی تاریخ کااپنا ایک پس منظر ہوتا ہے۔ غذر گلگت بلتستان کے ان علاقوں میں سے ایک ہے جن کی تاریخ بہت اہم ہونے کے باوجود رقم نہیں کی گئی ہے۔ ماضی کے مورخین نے ان علاقوں کی مشترکہ تاریخ لکھی ہے جس کی وجہ سے اس کی الگ شناخت باقی نہیں۔ جیسا کہ فرانسیسی مورخ مارک بلوخ نے کہا تھا کہ تاریخ عمر رسیدہ ہو رہی ہے' کیونکہ اس میں دیومالائی قصوں' کہانیوں اور مبالغہ آمیز روایات کی بھر مار ہوگئی ہے۔ اس صورت حال میں ایک مورخ کیلئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اس ملبہ سے تاریخی حقائق کو چھان بین کرکے نکال سکے اور انہیں صحیح تناظر میں پیش کرسکے۔ انہوں نے تاریخ کا دوسرے سماجی ومعاشرتی علوم سے رشتہ استوار کیا۔ انہوں نے برطانوی مورخ پلمب (Plumb) کا یہ نظریہ غلط ثابت کیا کہ تاریخ زراعتی معاشروں میں تو اہم کردار ادا کرتی ہے' مگر صنعتی معاشروں کی تیز رفتاری میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتی اور اپنی افادیت کھودیتی ہے۔ (تاریخ وتحقیق ، ڈاکٹر مبارک علیؒ 2002ء)۔کے۔کے۔عزیز

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اپنی کتاب Authors Death میں ۳۶ سے زائد قومی نصابی کتب پر تجزیہ کیا ہے اور کہتا ہے کہ تاریخ کو صرف اپنے مفادات کے لئے نظریات سے ملایا گیا ہے جس کی وجہ سے اسکی حقیقت ختم ہو کے رہ گئی ہے۔

گلگت بلتستان کو مورخین اور سیاحوں نے قدیم زمانے میں کئی نام دیئے ان کی کتابوں میں یہ نام اکثر ملتے ہیں۔ ڈاکٹر لینٹر پہلے آدمی ہے جس نے ان علاقوں کو دردؔ دردستان لکھا ہے (احمد حسن دانی' 2001ء)۔ جوں۔ بڈلف اور دیگر لکھاری اس نام کو تسلیم نہیں کرتے۔ کچھ مورخین نے ان علاقوں کو 'بلور' کہا ہے جیسا کہ " Jettmar Prof. K. اپنی تحقیق ' Bolor- A contribution to the political and ethnic geography of Northern Pakistan, ص۔۳۹ تا ۷۹) میں اس اصطلاح کی تفصیل لکھی ہے۔ احمد حسن دانی اپنی کتاب میں ان تمام مورخین کے حوالے سے لکھتے ہے کہ 'چائنا اور یورپی مورخین نے اس علاقے کو عظیم بلور لکھا ہے' ۔ اس کے علاوہ دیگر مورخین اس علاقے کو بورونز یا بروشال بھی لکھتے رہے ہیں۔ اس نام سے منسوب حکمران بروشال پر صدیوں تک حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ ان ناموں کی تفصیل میرے موضوع کا حصہ نہیں ان موضوعات پر الگ ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ اس تمام عرصے میں غذر کے علاقے بھی ان لوگوں کی حکمرانی میں رہے۔ 'دردستان' ہو یا 'بلور' یا 'بروشال' یا 'گریٹر یاسین' پونیال' اشکومن' یاسین اور گوپس کے لوگ ان ریاستوں کے حکمرانوں سے فائدہ لینے کی بجائے ان کی ریاستوں کی جغرافیائی سرحدات کے پھیلاؤ کی حفاظت کے لئے کام کرتے رہے ہیں۔اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ ان چاروں علاقوں میں کوئی تاریخی عمارت یا کھنڈرات نہیں البتہ چند قلعے فوجی مقاصد کے لئے بنائے گئے اوران کے آثار نظر آتے ہیں۔جن میں 'بری کھن یاسین' ڈوری یاسین' شیر قلعہ' گاہکوچ قلعہ' اشکومن' گوپس اور مستوج شامل ہیں۔

گلگت بلتستان جغرافیائی لحاظ سے بہت اہم خطہ ہے۔ قدیم قبائلی، ریاستی حملوں اور پیش قدموں میں یہ علاقے سٹریٹیجک دوڑ کی حیثیت رکھتے تھے۔ کوہ غذر' ورشگوم' اشکومن اور پونیال بھی اُس زمانے اپنے وسیع زمینی راستوں کی بناء پر ہمسایہ ریاستوں اور ممالک کیلئے بہت اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ جب ہم 1830ء سے پہلے کے سیاسی منظر نامے پر نظر ڈالتے ہیں تو ان علاقوں کی اہمیت واضح نظر آتی ہے۔ 1830ء کے لک بھگ برطانوی ہندوستان' چین' متحدہ روس' افغانستان اور سنٹرل ایشائی ریاستیں خاص کر ایران بھی اس عظیم کھیل (Great Game) میں اپنے اپنے مفادات کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ اس عظیم کھیل کو ہم 1950ء سے 1960ء کی سرد جنگ سے تقابلی طور پر بھی سمجھ سکتے ہیں۔ جس میں دنیا کے دو عظیم نظریات سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام مد مقابل تھے۔ بالکل اسی طرح 1830ء سے 1870ء کے زمانے میں برٹش انڈیا اور رشیا (روس) کے بھی سیاسی مفادات تھے۔ ان طاقتوں کے علاوہ مقامی آزاد ریاستیں اور قبائلی جنگجو بھی اس میدان میں کسی سے کم نہیں تھے۔ اس دور میں کشمیری ڈوگرا حکمرانوں نے بھی گلگت بلتستان کے تمام علاقوں میں پیش قدمی کی اور مقامی راجاؤں اور قبائلی سرداروں سے ساز باز کرکے بہت سے علاقوں پر قبضہ کیا۔ اس دوران مقامی حکمرانوں نے بھی ایک حد تک تگ ودو کی لیکن کم وسائل اور جنگی مہارتوں کی وجہ سے ان کو دوسری طاقتوں کا سہارا لینا پڑا۔ یہی وہ وجوہات ہیں کہ گلگت بلتستان کے بہت سے علاقے کشمیری ڈوگروں' انگریزوں اور دیگر ہمسایہ ملکوں کی زد میں آگئے۔ اس عظیم کھیل کے بڑے کھلاڑی برطانیہ اور روس تھے۔ ہندوکش' ہمالیہ اور قراقرم کے پہاڑی سلسلوں میں واقع یہ علاقے ان کھلاڑیوں کے خاص میدان تھے جہاں یکے بعد دیگرے خفیہ یا سیاحت کے بہانے یہ طاقتیں ہمہ وقت چوکنا رہتی تھیں۔ اس معرکے میں مقامی قبائلی لیڈران کی زد میں یا لالچ میں آتے تھے۔ خفیہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

معاہدے اور دستاویزات کے تبادلے بھی اس کھیل کا حصہ تھے۔ اس منظرنامے کو بہت سے مغربی افواج کے کمانڈرز نے رقم کر کے محفوظ بھی بنالیا ہے۔ان میں Rudyard Kipling، Jhone Master، Jhone Biddulph، Leitner، George Hayward، Karnel Duerand اور Calnal Shambarg شامل ہیں۔

اس تاریخی تناظر میں غذر کے علاقے بھی بہت اہمیت کے حامل تھے۔ یونیال، اشکومن، ورشگوم اور کوہ غذر اُس زمانے کی اہم گزرگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی لحاظ سے بھی برطانوی انڈیا، افغانستان اور روس کے لئے Gate Way دروازے کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ علاقے موجودہ پاکستان کے شمالی علاقے ہونے کی وجہ سے قدرتی وسائل سے بھی مالامال تھے۔کشمیر، پامیر، واخان، سوات، کافرستان اور چترال یہ وہ علاقے تھے جہاں سے یہ بڑی طاقتیں آسانی سے ایک دوسرے پرحملہ کرسکتے تھے۔ دفاعی اہمیت کے پیش نظر یہ طاقتیں مقامی راجاؤں اور مہتروں کو خوب خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے تا کہ ناگہانی اوقات میں یہ لوگ ان کا ساتھ دیں۔ مقامی دور اندیش حکمرانوں نے ان سے فائدہ بھی اُٹھایالیکن زیادہ تران کی سازشوں کا شکار ہو کر خود اپنی ریاستوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ مہاراجوں، سکھوں، ڈوگروں اور راجوں کے ساتھ انگریزوں نے بھی ان علاقوں میں ملی بھگت سے حکومت کرنے کی کوشش کی۔

غذر کے جغرافیائی حالات کے پیش نظر افغانستان، چترال، سوات، دیڑداریل تانگیر، گلگت ریاست ہنزہ، پامیراور یارخند واخان کے حکمران ان علاقوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے مقامی سطح پر کوئی مضبوط اور پائیدار حکومت کہیں نظرنہیں آتی۔

اس صورت حال میں مذہب، سیاست اورسیاحت کے فروغ کے لئے یہ علاقے ہر ایک کی نظر میں تھے۔

مقامی قبائلی فسادات اور جنگوں کی وجہ سے یہاں کی ریاستیں اندرسے کھوکھلی پڑی

تھیں۔ ان حالات میں غذر میں سیاسی عدم استحکام فطری بات تھی۔

چترال کے مہتروں نے اس علاقے سے دوسرے علاقوں پر کئی حملے بھی کئے اور اپنی ریاستوں کو پھیلانے کی کوششیں کی۔ ’راجہ گوہرامان نے گلگت پر کئی حملے کئے اور گلگت میں تہلکہ مچادیا۔ ان کی پہلی جنگ 1852ء کو ہوئی اور اس جنگ میں گوہرامان کامیاب ہوگئے۔ دوسری لڑائی معرکہ چکرکوٹ کہلاتی ہے۔ ڈوگروں کے ساتھ اس لڑائی میں بھی آپ کی فوج نے بہت کامیابی حاصل کی اور دشمن کو کچل دیا۔ تیسری لڑائی 1855ء کو ہوئی۔ اس جنگ میں بھی گوہرامان کی فوج کو جیت نصیب ہوئی اور اس خوشی میں گلگت میں ایک شاندار قلعہ بنوایا جو گلگت کی آزادی تک یہاں موجود تھا تاہم یہ قلعہ 1871ء کو زلزلے کی وجہ سے منہدم ہوگیالیکن ایک برج باقی رہی جس پر بعد میں آزادی حاصل کر کے پاکستانی پرچم لہرایاگیا۔ چوتھی لڑائی چھوپ سنگھ پڑی 1857ء میں لڑی گئی اس جنگ میں بھی ڈوگرے تکبر ونخوت سے آگے بڑھ رہے تھے لیکن گوہرامان کی فوج نے ان کی اس غرور کو خاک میں ملا دیا۔ ڈوگروں کوایسی شکست دی کہ ہزاروں لوگ مارے گئے۔ رات کے اندھیرے میں دشمن کوشکست دینے کاعبرت ناک منصوبہ بنایا اور دشمن کو کچل دیا۔ اس جنگ میں ڈوگروں کے امیر چھوپ سنگھ بھی قتل ہوا۔ اس جنگ سے فراغت کے بعدگوہرامان نے نگرپرحملہ کر دیا۔ اس جنگ میں خاطرخواہ کامیابی نہیں ہوئی اور گوہرامان کے خاندان کے اندرہی انتشار برپا ہوا لیکن اپنی زیرکی اورہوشیاری سے ان حالات پر قابوپایا۔ گوہر امان 1860ء کوطبی موت مر گئے۔ آپ گلگت میں بیمار ہوئے اور یاسین کی طرف لے جانے کو کہا راستے میں چل بسے۔ آپ کویاسین طاؤس میں سپردخاک کردیاگیا۔ آپ نے تیئس سال تک حکمرانی کی۔‘(تاریخ اقوام دردستان وبلورستان، عبدالحمیدخاور، 2009ء ص۔84تا92)

اگرچہ گوہر امان ان علاقوں میں جنگ وجدل کے ہیرورہے۔ اپنوں اورغیروں سے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جنگیں کی۔ چترال سے گلگت تک کی حکمرانی ان کی بصیرت کی عکاسی کرتی ہے۔
بہرحال گوہر امان کو جہاں کامیابیاں ملیں وہاں مشکلات بھی پیش آئیں۔ چاروں اطراف دشمن ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی شورش برپا ہوتی تھی۔ آپ ہمیشہ جنگ وجدل میں مصروف رہے اس وجہ سے کاروبار ریاست میں کوئی یادگار سماجی کام نہیں کر پائے۔ یہ ان کی مجبوری بھی ہوسکتی تھی کیونکہ ان کی ریاست میں مالیاتی وسائل بہت کم تھے۔

ذرائع آمدورفت نہ تھی اور رابطے کا انتظام بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس تنگ دستی میں بھی ہمیشہ جنگ وفسادات کی ریاست کے لئے بڑے چیلنج تھے۔'گوہرامان کی وفات کے بعد ڈوگروں نے گلگت' یاسین اور پونیال پر قبضہ کیا۔(ص۔ ۹۷)

جنگ مُدوری1863ء

مُدوری یاسین سندی میں ایک قلعے کا نام ہے۔ یہ قلعہ بھی قبائلی فسادات کی وجہ سے ہمیشہ جنگ وجدل کی صورت حال میں رہتا تھا۔ مقامی حملہ آوروں کے ساتھ بیرونی دشمن کے حملے بھی ہوتے رہتے تھے۔ 1863ء کو اس مقام پر ایک جنگ لڑی گئی۔اس جنگ میں ہزاروں افراد مارے گئے۔ اس زمانے کے سیاحوں اور تاریخ نویسوں کے مطابق اس جنگ میں بھرپور مزاحمت بھی ہوئی۔ گوہرامان کی عنادکی وجہ سے ڈگروں نے خوب بدلہ لے لیا۔ ڈوگروں کی مدد مقامی چند لوگوں نے کی۔ جس کی وجہ سے ڈوگرے اس قلعے پر قابض اورلوٹ مار میں کامیاب رہے۔ اس جنگ کی رپوٹنگ بعد میں انگریزوں نے کی جس کو اس کتاب میں غذر اور ورشگوم کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔

اس جنگ کے بعد1864ء کوہی عظمت شاہ کی حکمرانی ختم ہوئی۔ یاسین پرحکمرانی کا تاج میرولی کو ملا۔ 1869ء کو مہاراجہ اور ملک امان کے درمیان ایک معاہدہ ہوا لیکن

عیسیٰ بہادر کی وجہ سے ناکام ہوا۔ 1870ء کو لندن جیوگرافیکل سوسائٹی کی جانب سے کوہ ہندوکش اور پامیر کی ایکسپڈیشن کے تحت جارج ہیوارڈ یاسین آئے اور امان الملک کی وجہ سے قتل ہوئے۔ اس عرصے میں سیاسی مشکلات نے جنم لیا ہر طرف سے سازشیں اور حملے ہونے لگے۔ مہتروں اور راجاؤں کے اپنے خاندان کے افراد بھی اقتدار لینے کے لئے ایک دوسرے سے وفاداریاں بدلتے رہے یہی وجہ کہ اس عرصے میں ان علاقوں میں کوئی اچھا حکمران سامنے نہیں آیا کمزور حکمرانوں کی وجہ سے ریاستی معاملات بگڑ گئے اور آخرکار1935ء کو غذر اور ورشگوم پٹے پر انگریزوں کو حوالے ہوا۔

1880ء کو پہلوان بہادر نے گلگت پر حملہ کیا اوراس نے گلمتی' سنگل اور شیر قلعہ کو بھی فتح کیا۔ یہ گوہرامان کے جنگی سلسلے کی کڑی اور بدلے کا ایک سلسلہ تھا۔ ڈوگروں کے بعد انگریزوں کی ان علاقوں میں مداخلت شروع ہوئی۔ انگریز بڑے زیرک اور ہوشیار تھے ان کے لئے ان علاقوں سے اہم روسی سرحدی علاقے تھے۔ انگریزوں نے یہاں گلگت ایجنسی قائم کی اور غذر کے بیشتر علاقوں کو اس میں ضم کردیا۔ گلگت سکاؤٹ اور مقامی فورس ان کی دفاعی ذریعہ تھی۔ حالات بدلتے گئے زمانہ تبدیل ہوتا رہا یورپی جمہوری صدائیں یہاں تک پہنچیں۔ مادی ترقی کے آثار کو انگریزوں نے یہاں متعارف کرایا مثلاً کیمرہ' سڑکیں' سکول اور ہتھیار وغیرہ۔اس عرصے میں کئی سیاسی تبدیلیاں ہوئیں۔ 1905ء چترال کو گلگت بلتستان سے الگ کرکے مالاکنڈ سے ملایا گیا۔ 1907ء کو راجہ اکبرخان کو قیدی بنا کر سری نگر لے جایا گیااور پونیال میں صفت بہادر کو قائم مقام گورنر بنایا گیا۔ یہی وہ تبدیلیاں تھیں جن کی وجہ سے مقامی سیاست متاثر ہوئی۔

ڈوگروں نے78 سال گلگت بلتستان پرحکمرانی کی ان کی یہ حکمرانی جواہر سنگھ 1859ء سے1935ء تک جاری رہی اور آخری پنڈت رام رتن ایم اے تھے۔ کل25 وزیر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

وزارت رہے۔(ص۔۲۳)۔1911ء کو راجہ عبد الرحمٰن یاسین قیدی بنائے گئے۔ اس عرصے میں ان لوگوں نے اپنے انداز میں حکمرانی اور اپنے مفادات کی ترجمانی کی۔ مقامی لوگوں کو ان کی حکمرانی سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ یہ ہمیشہ جنگ میں مصروف رہے بہرحال ان کو سری نگر کی حمایت حاصل تھی اس لئے مالیات اور معیشت کے وسائل وہ فراہم کرتے تھے۔ مقامی راجاؤں اور دیگر حکومتی ادارے اسی امداد سے چل رہے تھے۔اس دوران گلگت میں انگریز داخل ہوئے۔

گلگت ایجنسی 1878ء کو قائم ہوئی اور یکم نومبر 1947ء تک قائم رہی آخری گورنر بریگیڈئر گنسارا سنگھ تھے۔کل 26 آفیسر مقرر ہوئے۔(حمید خاور' ص۔۲۶)ان کی حکمرانی پر اس کتاب میں کئی جگہ تفصیلاً لکھا گیا ہے۔ بہرحال انگریزوں نے اس علاقے میں بڑی بڑی تبدیلیاں کئیں۔ سڑکیں بنوائیں' اسکول قائم کئے'ڈاک و رابطے کے ذرائع استوار کئے۔ دریاؤں کے اوپر قدیم پلوں کی جگہ نئے پل نسب کئے ان کے زمانے کے یادگار پل اب بھی گلگت بلتستان میں دیکھے جاتے ہیں۔ فوجی چھاونیاں اور دیگر دفاعی نظام ان کی حکمرانی کا نتیجہ ہے۔ انگریزوں نے اپنے مفادات کی بہت دفاع کی۔ان کے فوجی جرنیلوں نے اس علاقے کی تاریخ کو اپنے سفرناموں میں محفوظ کر لیا۔ اگرچہ ان سفرناموں میں بہت بڑی غلطیاں بھی ہیں اس کے باوجود آج ہم ان ہی کی بنیاد پر تاریخ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی حکمرانی کی بہت سی خامیوں کے ساتھ یہ خوبی بھی رہی کہ انہوں نے لوگوں کے مذہب کو متاثر نہیں کیا۔ غذر اس دوران بڑے سیاسی اونچ نیچ کا شکار رہا۔ وزیر وزارت'ڈوگروں کا نظام اور انگریزوں کی ایجنسی کے قوانین کے علاوہ مقامی قدیم حکمرانوں کے آثار بھی نمایاں تھے۔ بیسویں صدی کے اوائل تک غذر ایک گزرگاہ تھی۔ یہاں کے باشندے کم اور مہاجرین زیادہ تھے۔ لوگ ذہنی طور پر یہ فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ وہ اپنے مستقبل کہاں گزاریں!

چترالی' افغانی' کوہستانی' پامیری' بروش اور دیگر قومیں اپنے آبائی علاقوں کی جدائی بھلا نہیں پائے تھے کہ ان علاقوں میں بھی سیاسی تبدیلیاں بڑے پیمانے پر ہوئیں۔جن مہتروں اور راجاؤں کے ساتھ وہ آئے تھے ان کی حکومت ختم ہوگئی۔ ان کی امیدوں پر پانی پھیر گیا۔ زیادہ تر لوگ اس عرصے میں اپنے آبائی علاقوں کی طرف چلے گئے۔ بچے کچے مہاجرین نے مقامی لوگوں سے رشتے ناطے کئے اور یہی آباد ہوگئے یہی وجہ ہے کہ غذر میں سینکڑوں نسلیں اور ذاتیں آباد ہیں۔ اس عرصے کے چند حکمرانوں کی حکمرانی اس طرح رہی۔

راجہ بروش کے زمانے میں گاکوچ اور راجہ عیسیٰ بہادر کے زمانے میں شیر قلعہ دارالحکومت بن گیا۔(تاریخ بلورستان' ص۔191)۔

راجہ مہربان شاہ حاکم غذر نے 1895ء سے 1905ء تک حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد حکیم لعل شاہ حاکم مقرر ہوا لیکن 1911ء کو برطرف ہوا۔(ص۔ 197)صفت بہادر 1905ء پونیال اور 1913ء کو یاسین کا گورنر مقرر ہوا۔

1838-1842تک متحدہ روس کی جانب سے امیر کابل پر حملے کئے گئے اور اس روسی افغان جنگ میں برطانوی افواج نے بھی دلچسپی لی۔ جنگ کے اختتام پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے جون ووڈ نے سر الیگزنڈر برنس کو اس علاقے کی سرحدات کی تلاش کے لئے بھیجا اور یوں 1836-38ء میں انڈین مشن نے ان سرحدات کی زمینی اور سیاسی نشاندہی کی۔(دی کرغز اور وخی آف افغانستان، 1979ء ص۔۲۸ تا ۳۰)

اسی مشن نے قدیم سلک دوڈ کی دریافت بھی کی جو چائنا' افغانستان' شمالی پامیر اور چترال کی جانب تنگ گلی کی مانند ایک درّہ ہے جس کو وادی واخان کہتے ہیں۔ اس دریافت کی وجہ سے بعد میں پتہ چلا کہ بدخشان کے میروں کے ساتھ ہنزہ اور چترال کے میروں کے تعلقات ہیں۔ واخان کے موروثی میروں نے ان علاقوں پر عرصے سے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

حکومت کی ہے اور یہ بھی بدخشان کے میروں کے ساتھ منسلک رہے ہیں۔ امیر کابل عبدالرحمٰن کی ان علاقوں پر یلغار کی وجہ سے شغنان، دروزاور بدخشان پر قبضہ کیا جس کی وجہ سے واخان کے میر بھاگ کر چترال کی جانب آیا۔ اس پورے سیاسی کشمکش میں متحدہ روس، چین، افغانستان اور برٹش انڈیا نے ایک کمیشن بنا کر واخان اور پامیر کو ایک غیر جانب دار بفر زون بنایا۔ تین عظیم طاقتوں کے درمیان یہ غیر جانب دار پٹی اس کے بعد بہت اہم درّہ ثابت ہوئی جو یاسین تک پہنچتی ہے۔(احمد حسن دانی، 2001ء ص۔۱۸)

12 جنوری1928ء کو کشمیر ریذیڈنٹ کی طرف سے ایک سرکاری خط میں شمالی علاقہ جات کے تمام علاقوں کی انتظامی حدود اس طرح کردی گئی؛

☆ ریاست کشمیری علاقہ جات جن میں گلگت وزارت اور استور

☆ پولیٹکل ڈسٹرکٹ جن میں ہنزہ، نگر، اشکومن، یاسین، کوہ غذر اور ریاست چلاس۔

(احمد حسن دانی، 2001ء ص۔ ۱۷)

(Rudyard Kipline1881-89) گلگت گیم کے بانیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے انڈرولڈ گریڈ گیم (یعنی خفیہ عظیم سیاسی کھیل) کی بنیاد رکھی تھی جس کی وجہ سے خفیہ سیاسی تحریکیں اور خفیہ سیاسی معاہدے بھی ہوتے رہتے تھے۔

غذر کے سیاسی حالات

قدیم غذر کی سیاسی تاریخ کا صحیح اندازہ نہیں' کہا جاتا ہے کہ شاہ خیر اللہ اور شاوت کے حسرت ناک انجام کے بعد غذر اور یاسین میں بادشاہ کی حکومت قائم رہی اور لوگوں نے ان کا خیر مقدم کیا لیکن پونیال والوں نے بادشاہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ موضع گلاپور کا وزیر ٹھوشو جو شاوٹ کا رضاعی قرابت دار تھا اس نے بادشاہ کا مقابلہ کیا۔ آخر کار بادشاہ اور برش نے ٹھوشو کو شکست دی اور برش کو پونیال کا حاکم مقرر کیا۔ وزیر ٹھوشو

گلاپور کا ایک وزیر تھا ان کے قلعے کا نام 'بھورئی ٹھوکی' تھا۔ گلاپور کے بادشاہ کا نام شاوٹ تھا اس کے بعد ان علاقوں میں چترال کی حکمرانی نظر آتی ہے۔

بروشال اور مہتران چترال (گوہرامان، سلیمان، فرامز شاہ) سنگھ، ڈکرہ، انگریز کے گلگت پر بار بار حملوں کی وجہ سے بھی لوگوں نے دور دور تک ہجرت کی۔ 1857ء سے پہلے ان علاقوں پر مہتروں اور بروشال خاندانوں کی حکومتیں تھیں جن کو کہا جاسکتا ہے کہ کم وبیش یہ ان علاقوں کے لوگ ہی تھے مگر اپنی خاندانی ریاستوں کو طول دینے اور قبائلی فسادات کی وجہ سے کوئی خاندان بھی ان علاقوں کی تعمیر و ترقی پر توجہ نہ دے سکا۔ 1850ء کے بعد کی سیاسی حالات میں ڈوگرے اور انگریز نظر آتے ہیں ان علاقوں میں سڑک، پل اور اسکولوں کی عمارتیں کم و بیش انہی کی نظر آتی ہیں۔ موجودہ زمانے کی ترقی کی بنیادیں ہی یہی چیزیں ہیں جن کا آغاز ان علاقوں میں غیروں نے کیا۔ تعلیم کا تصور اگرچہ اسلام کی آمد کے ساتھ ان علاقوں میں آیا تھا لیکن یہ صرف دینی تعلیم تک محدود تھا اور وہ بھی مخصوص خاندانوں کے لئے تھا۔ سال2010ء کی سیلابوں میں جو پل بچے گئے ہیں وہ بھی مہاراجہ یا انگریزوں کے بنائے ہوئے ہیں ماسوائے آر سی سی پلوں کے۔ بہرحال باور کیا جاتا ہے کہ مقامی راجاؤں اور مہتروں نے ان علاقوں میں طویل حکومتیں تو کیں لیکن عوام کے حق میں تعمیراتی کام نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ ان سیاسی فسادات میں مصروفیات تھیں۔ عوام ہمیشہ فوجی اور درندوں کے حملوں کی دفاع اور شاہی قلعوں کی حفاظت پر معمور ہوتے تھے یہی وجہ ہے کہ یہ ریاستیں وقت کا ساتھ نہ دے سکیں اور اپنی موت آپ ختم ہوگئیں۔ غذر کے لوگوں میں قیام پاکستان کے بعد سیاسی شعور پیدا ہوا لیکن طاقتور راجاؤں اوردیگر خاندانوں کے ہمعصر حکومتوں کے ساتھ الحاق کی وجہ سے بھی یہ شعور پنپ نہ سکا۔ رہی سہی کسر مذہبی کرداروں نے ادا کی اور حکومت وقت کی فرمانبرداری کو عین مذہبی فریضہ قرار دیا گیا۔ ان وجوہات کی وجہ سے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

1960ء کی دہائی تک عوام میں سے کوئی لیڈر سامنے نہیں آیا۔ اہم زمینوں اور علاقوں پر بھی ان حاکموں نے قبضہ کیا۔ بیسویں صدی کے نصف کے آخری دہائیوں میں اس علاقے کے گردونواح میں آزاد سیاسی گروپوں نے تشکیل پایااوراس روّیے سے یہاں کے لوگ بھی متاثر ہوئے۔ ان سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے بیسویں صدی کے چھٹی دہائی میں ان علاقوں تک جمہوریت کے اثرات پہنچ گئے یہی وجہ ہے کہ آج سیاسی و مذہبی قیادت میں عام و خاص لوگ نظر آتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد مرکزی حکومت کے اثرات کی وجہ سے وقتاً فوقتاً لوگ مفادات بدلتے رہے تا آنکہ گلگت بلتستان میں موجودہ سیٹ اپ دیا گیا۔ بقول اقبالؒ

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بَن ہوگئیں
سَطوَتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

غذر اور چترال

چترال کو ماضی میں چھاچھال کہا جاتا تھا۔ حال ہی میں ایک کتاب 'تاریخ شاہان چترال' منظرعام پر آئی ہے جس کو اخونزادہ مرزا فضلِ واحد بیگ نے تحریر کی ہے۔موصوف لکھتے ہیں کہ چترال میں کٹور اور خوشوقتہ حکمرانوں سے پہلے تین اور خاندانوں نے حکمرانی کی ہے جو کہ درج ذیل ہے ؛

۱۔ شاہی خاندان اول سکندرے کالاش دور (۳۳۴ قبل مسیح تا ۶۴۰ء)

۲۔ شاہی خاندان دوم چینی نژاد عہد رئیس (۶۴۰ء تا ۱۰۳۰ء)

۳۔ شاہی خاندان سوم ترک نژاد بیگالے عہدہ رئیس (۱۰۳۰ء تا ۱۶۶۰ء)

۴۔ شاہی خاندان چہارم سنگین علی عہدہ مہتران چترال،کٹوریہ وخوشوقتہ (۱۶۶۰ء

تا قیام پاکستان)

کہا جاتا ہے کہ پندرہویں صدی عیسوی میں چترال پر ایرانیوں کی حکومت تھی۔ ایرانی سلطنت کا حصہ ہونے کی وجہ سے ان علاقوں میں بھی نوروز کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ اس کے بعد اسکندراعظم نے ان کو یہاں سے نکال دیا۔56 عیسویں کے قریب چینیوں نے اس پٹی پر قبضہ کیا اور یوں گلگت تا چترال ان کی حکومت کے زیر اثر آگئے۔ ان علاقوں میں بدھ مت کے آثار ان کی وجہ سے ہیں۔سات ویں صدی عیسوی میں بھی ان علاقوں پر چاینا نے حملہ کیا تھا اور چترال' گلگت اور بلتستان تک قبضہ کیا تھا اس زمانے اس علاقے کو 'بلور' کہتے تھے۔ اس جنگ میں ہزاروں لوگوں کو قیدی بنا کر یہاں سے لے گئے اور ان کو یارخند میں رکھا۔ اس کے بعد ایران اور گردونواح میں اسلام پھیل چکا تھا اور وہاں سے اسلامی فاتحین ان علاقوں پر حملہ کر رہے تھے لیکن چاینا اور بلور حکمرانوں کو ان علاقوں میں آنے نہیں دیا۔ اسلامی فاتحین اور مبلغین کا ان علاقوں کی طرف وقتاً فوقتاً آنا بعد کے لوگوں کیلئے نیک شگون ثابت ہوا۔ان حملوں میں محمود غزنوی کے حملے بھی شامل ہیں۔مشہور زمانہ سیاح محمد البیرونی نے ان واقعات پر قلم اٹھایا ہے۔ منگولوں نے بھی ان علاقوں پر حملے کئے یہاں تک کہ سوملک نے گلگت اور چترال پر اپنی بادشاہت کو مضبوط کیا۔ سو ملک کے بعدان کی سلطنت پران کے خاندان سے تین سلطنتیں وجود میں آئیں۔ ان کے ایک بیٹے کا نام 'حاریؤ' تھا جس نے ہنزہ نگر پر حکمرانی کی اور وہاں کا حکمران بن گیا۔ دوسرے بیٹے کا نام 'رون' تھا جو گلگت کا حکمران بن بیٹھا اور تیسرے بیٹے کا نام 'ژون' تھا جو چترال کا حکمران بن گیا۔ان تینوں کے ناموں سے تین خاندانوں کی بنیاد پڑی۔ ان کے بعد سنٹرل ایشیاء سے تاج الدین مغل نے 1320ء کو ان علاقوں پر حملہ کیا۔ وہ فاطمین مصر کی طرف سے اسماعیلی مسلمانوں کی تبلیغی مشن پر تھا۔ ان کے ہمراہ داعی اور مبلغین بھی تھے۔چترال اور گلگت پر قبضہ کر کے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اس علاقے میں اسماعیلی فرقے کی اشاعت کی اور اس زمانے کے حکمرانوں نے بھی اس مذہب کو قبول کیا جس کی وجہ سے تراخان کوگلگت اور نادر شاہ کو رئیس بنا کر چترال کا حکمران بنایا۔ رئیس خاندان نے1320ء تا 1595ء ان علاقوں میں حکومت کی۔ یہ خاندان بعد رئیسان چترال کہلائے۔ ان حکمرانوں میں رئیس، تموری، کٹورے اور خوشوقتے خاندان کا تعلق سے سنٹرل ایشیاء سے ہیں۔ باباایوب کی نسل سے محمد بیگ کی اولاد خوشوقتوں، کٹور اور بروش نے گلگت اور چترال تک صدیوں تک حکمرانی کی۔ان کے آباؤاجداد ہرات اورافغانستان میں حکمران تھے۔ غذر میں زیادہ ترخوشوقتوں نے حکومت کی۔ تاہم بروش اورکٹور خاندان سے بھی اس علاقے میں حکمران رہے جن کی تفصیل اس کتاب میں ہوچکی ہے۔ اس دوران ان علاقوں میں کئی ایک خاندانوں نے حکومتیں کی لیکن خوشوقتیں اور بروش خاندان نے بڑے عرصے تک یہاں ریاستیں قائم کی۔ یوں چترال کے علاقے صدیوں سے گلگت اور غذر کے ساتھ رہے۔کبھی حکمران گلگت سے کبھی چترال سے لیکن اس علاقے کی جغرافیائی تقسیم ہی رہی۔ چترال ہمیشہ ان علاقوں کے ساتھ منسلک رہی۔ ڈوگروں، سکھوں، انگریزوں اور مقامی راجاؤں کے زمانے میں چترال کے تعلقات ان علاقوں کے ساتھ تھے لیکن 1905ء میں چترال کو انگریزوں نے الگ کرکے مالاکھنڈ ڈویژن کے ساتھ کر دیا جو اب تک قائم ہے۔

19اپریل 1895ء کو برٹش گلگت ایجنسی کے کرنل جیمز کیلی (Colonel James Keyy) کی قیادت فوج نے چترال پر چڑھائی کردی اور پونیال، اشکومن، گوپس اور یاسین کوچترال سے الگ کرکے گلگت ایجنسی کے فرنٹیئر علاقہ جات کا درجہ دیا۔ یاسین، اشکومن اور گوپس کے پولیٹیکل علاقہ جات میں گورنرز،پولیٹیکل ایجنٹ گلگت کی صوابدید پر مخصوص مدت یعنی دس سال کے لئے مقرر ہوئے۔ ان گورنروں کی تقرری گلگت ایجنسی کی وفاداری کے ساتھ مشروط تھی۔ پونیال عیسیٰ بہادر کی خدمات کی وجہ سے مہاراجہ کشمیر

نے جاگیر میں دیاتھاوہ اب بھی ان کے پاس رہی۔

پونیال کی جاگیر

ریاست پونیال بھی قدیم تاریخی علاقوں میں سے ایک ہیں۔ پونیال کی اہمیت اس لئے بھی اہم ہے کہ یہ گلگت سے کوہ غذر،ورشگوم اورچترال کے لئے ایک اہم گزر گاہ تھی۔ پونیال کی سرحد کا پہلا گاؤں بیارچی سے شروع ہوکر شمال میں برگل اور ہاتون تک اور مغرب میں ہوپر تک پھیلا ہواہے۔ پونیال کے مشرق میں گلگت، نلتر ،شمال میں وادی اشکومن، یاسین، مغرب میں گوپس اور جنوب میں داریل تانگیر کے پہاڑی علاقے واقع ہیں۔ پونیال میں بھی کہیں کہیں اہم درّے ہیں جوپونیال کو دوسرے علاقوں سے ملاتے ہیں۔ جغرافیائی اور دفاعی اہمیت کی وجہ سے اس علاقے پر بھی وقتاً فوقتاً مقامی اورغیر ملکی حملے ہوتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ وکٹورین اور بعد وکٹورین تاریخ نویسوں اور سیاحوں نے اس علاقے کو بھی اہم کوریج دی ہے۔ پونیال کے علاقے پر یاسین اور گلگت کے حکمرانوں کا جھگڑا ہوتارہتا تھااور باری باری اس علاقے پرحکمرانی کرتے رہے ہیں۔ جون ۔بڈلف اپنی کتاب''Tribes of the Hindokush'' میں راقمطراز ہے؛

> '' وادی گلگت سے نومیل اوپرپونیال کاعلاقہ آتاہے۔ یہ بیس میل اوپر کی طرف یاسین کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے پونیال کاعلاقہ یاسین اورگلگت کے حکمرانوں کے درمیان وجہ تنازعہ بن گیا۔ فیصلہ کے مطابق یہ دونوں ایک خاص عرصہ تک باری باری حکومت کرتے رہے حتیٰ کہ1860ء میں یہ علاقہ قطعی طورکشمیر کے قبضہ میں چلا گیا۔ سو ملک جس کا نام گلگت کے راجاؤں میں ملتاہے کہا جاتاہے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کہ اس نے یہ علاقہ پونیال جہیز کے طور پر اپنی بیٹی کو چترال کے شہزادے سے شادی کے وقت دے دیا تھا۔ ایک عرصے تک یہ علاقہ خود مختار بھی رہا۔ پھر ایک شخص جس کا نام شارٹ تھااس نے خود کو پونیال کاٹھم بنالیا۔لیکن تھوڑے عرصے بعد کش وتی خاندان کے شاہ نے اس کو قتل کردیااور اپنے بیٹے بروش کو وہاں کا ٹُھم یا حکمران بنادیا۔ پونیال کا موجودہ حکمران اکبر خان اُسی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ بروش کی خدمات کی وجہ سے کشمیر کی خدمات کے عوض پونیال کا دوبارہ قبضہ دے دیا گیا تھا ۔ (ہندوکش کے قبائل‘از جون بڈلف، ترجمہ جاوید شاہین‘ (ص۔۵۰)۱۹۹۱ء)۔

پونیال میں ایک اہم جگہ کا نام‘چر‘(چھیر) ہے جس کا مطلب ہے سَر نہ ہونے والی چٹان۔لیکن ڈوگروں نے اسے بگاڑ کر‘شَر‘ کردیاہے۔معدودے چند لوگوں کے سوا باقی سارے لوگ بورے یا یشکُن ہیں لیکن وہ سب شینا زبان بولتے ہیں اور مذہب کے لحاظ سے یہ لوگ مولائی (اسماعیلی مسلمان) ہیں۔ ان میں کچھ سُنی (مسلمان)اور کچھ شیعہ (مسلمان)ہیں۔ پونیال کی آبادی کوئی دوہزار نفوس پر مشتمل ہیں۔ (ہندوکش کے قبائل،صفحہ۔50)۔

پونیال کے بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں

’’پونیال کے مغرب بعید میں گاکچھ (گاہوچ) کاقلعہ اور گاؤں ہے جو راجہ عافیت خان کی رہائش گاہ ہے۔ یہ بروش خاندان کا فرد ہے اور کشمیر کی اطاعت گزاری کے عوض سالانہ مدد ملتی ہے‘‘ (ہندوکش کے قبائل،صفحہ۔51)۔

پونیال اور دیگرعلاقوں میں بروشوخاندان نے حکومت کی ہے۔ اس خاندان کے بارے عثمان علی اپنی کتاب قراقرم کے قبائل میں لکھتے ہیں،

’’بروشے شاہ بروش کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ شاہ بروش شاہ خوش وقت کے پوتے تھے۔ پونیال کے گورنروں اور راجوں کا سلسلہ اس خاندان سے چلاآرہا ہے۔ ورشگوم اورگلگت کی ملکی سیاست میں پران کے بڑے اثرات مرتب ہوئے۔ شیرقلعہ بروش خاندان کی حکمرانی کامرکز رہاہے۔ شاہ بروش کے خاندان سے آزاد خان نے گلگت پر حکمرانی بھی کی ہے۔ انہوں نے سلیمان شاہ کوشکست دی اور قتل کردیا۔ والئی پونیال آزاد خان نے بھی گلگت پر حکمرانی کی ہے‘‘۔(قراقرم کے قبائل‘ عثمان علی،2000ء ص۔۳۵۶)

پونیال قدیم زمانے سے مختلف ریاستوں کے درمیان گزرگاہ کے ساتھ ساتھ ان ریاستوں کا حصہ بھی رہاہے۔ اس وجہ سے قدیم سیاح یہاں تک آتے اوراس کے بارے اپنے تاثرات لکھتے رہے ہیں وہ لکھتے ہے کہ

’’ گلگت کے شمال کی جانب دریائے گلگت کے ساتھ وادی کو پونیال کہتے ہیں۔ یہ وادی خوبانی کے پھل کی وجہ سے مشہور ہے۔ راستے میں اس علاقے کاپراناہیڈکوارٹر شیرقلعہ واقع ہے۔ گلگت سے اس سفر میں راستے میں ہینزل کا علاقہ بھی ہے جہاں ایک قدیم بدھ مت سٹوپاملتاہے یہ یقیناً قدیم ہنی سارا تہذیب کی عکاس ہے جو ہاتون کے مقام پردریافت ہوئی۔ ہوسکتاہے کہ پونیال کا پرانا نام ہی‘ہنی ساراوسایا‘ ہو۔ اب اس

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

علاقے کا ہیڈ کوارٹر سنگل ہے"۔ (ایف۔ڈیریوڈی جموں اینڈ
کشمیر ٹیریٹوریز، 1980ء ص ۔۴۱۲)

پونیال کی جاگیر پر عیسیٰ بہادر سے راجہ جان عالم تک پانچ راجوں نے حکمرانی کی۔ پونیال عیسیٰ بہادر کو مہاراجہ کشمیر نے جاگیر میں دیا تھا۔ عیسیٰ بہادر' خان بہادر کا بیٹا تھا۔ اس وجہ سے عرصے تک ان کی اولاد یہاں کی حکمران رہی۔ان سے پہلے راجہ شجاعت خان اور عافیت خان بھی راجے رہے ہیں۔ گلگت ایجنسی کے بعد اس علاقے کو بھی اس نظام کا حصہ بنایا گیا۔ پونیال؛ لیویز کو 1889ء کو کرنل ڈیورنڈ نے بنایا تھا جو کہ گلگت سکاؤٹس میں نمایاں تھی۔ ۱۹۱۳ء کو ان کے نمایاں نوجوانوں کو گلگت سکاؤٹس میں شامل کیا۔ (میجر براؤن' ص ۵۷) لیکن پونیال راجہ عیسیٰ بہادر کی جاگیر تھی ان کے بعد ان کی اولاد ولی عہد کی طرح وراثتاً اس کی راجگی کرتے رہے ہیں۔درجہ ذیل راجوں نے یہاں راجگی کی۔

عیسیٰ بہادر (1862 تا 1874ء)

محمد اکبر خان (1874 تا 1903ء)

صفت بہادر (1903 تا 1913ء)

محمد انور خان المعروف چالو راء (1913 تا 1954ء)

جان عالم خان (1954 تا 1972ء) (بحوالہ انٹرویو وقار عالم ولد راجہ جان عالم خان)

عوامی انقلابی تحریک پونیال 1951ء

قیام پاکستان کے بعد ملک کے دیگر حصوں کی طرح شمالی علاقہ جات گلگت بلتستان میں بھی عوام میں جمہوری شعور پیدا ہوا۔ راجگی اور شخصی حکومتوں کے خلاف عوامی بغاوتوں کا رجحان شروع ہو چکا تھا صرف مناسب وقت کا انتظار تھا وقت کے ساتھ ساتھ عوام کی طاقت مضبوط ہوتی گئی زیر زمین جمہوری عوامی تحریکیں کام کرنے لگیں۔ گلگت اور

گردونواح میں راجگی نظام کی جڑیں کھوکھلی پڑی تھیں ان کا آخری سہارا مہاراجہ کشمیر کی ان علاقوں سے مداخلت ختم ہونے کے بعد انگریزی نظام حکومت تھی۔ پونیال' اشکومن' گوپس اور یاسین کو پولیٹیکل ڈسٹرکس کا درجہ مل چکا تھا آبادی میں اضافے اور جمہوری شعور کی وجہ سے عوامی انقلاب یقینی تھا۔ عمائدین پونیال کے مطابق مئی 1951ء کو پونیال کے عوام نے اپنے راجے (پولیٹکل گورنر) سے مالیہ اور دیگر عوام پر لاگو ٹیکسوں میں کمی کی درخواست کی مگر راجہ نے ان کی ایک نہ سنی۔ جس کی وجہ سے عوام سڑکوں پر آئے اور سنگل ریسٹ ہاؤس میں جمع ہوگئے۔ عوام کا موقف تھا کہ راجہ اب گلگت ایجنسی کا ملازم ہے اور سرکار سے وظیفہ لیتا ہے تو عوامی مالیہ کیوں؟ راجہ کا موقف تھا کہ مالیہ ایک قسم کا ٹیکس ہے جو حکومت چلانے کے لئے ہوتا ہے لہٰذا اس کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ معاملہ راجہ کی اختیارات سے حل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اس نے گلگت سے پولیٹیکل ایجنٹ' جس کو اس وقت کاب (Cobb) صاحب کہتے تھے' کی مدد طلب کی۔ وہاں سے ایک نمائندے کی سنگل آمد پر راجہ صاحب نے عوامی نمائندگی کی بجائے عوام کی حکومتی بغاوت سے ان کو آگاہ کیا۔

ے

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

مسئلہ حل ہونے کی بجائے الجھ گیا گلگت سکاؤٹس اور نگر آرمی یونٹ نے عوام کو اپنے نرغے میں لیا حالات بگڑ گئے لوگوں نے گلگت کی طرف مارچ کی جس پر فورس نے فائر کھول دی اور سات (7) شہری شہید اور اسی (80) سے زائد زخمی ہوگئے۔۔۔ عمائدین کے مطابق اس بغاوت میں ہر گاؤں سے لوگوں نے شرکت کی تھی جس پر راجہ صاحب بہت برہم ہوئے اور لوگوں کو پولو کے ڈنڈے سے مار مار کے لہولہان کر دیا۔ دماس کے ایک بزرگ نے اُس زمانے کے زخم بھی مجھے دکھائے جو اس کے سر پہ لگے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تھے۔ اُس وقت راجہ کے حامیوں نے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی لوگوں پر پتھراؤ کی ۔۔۔ تنازعے کا حل کسی حدتک ہوا بھی تھا لیکن چند لوگوں نے اس کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی معاملہ حل ہونے کے بجائے اور بگڑ گیا۔۔۔ اگرچہ اُس وقت عوام کو انصاف نہ مل سکا لیکن آزادی کی تحریک اور مضبوط ہوتی گئی راجہ سے مقامی لوگوں کا اعتماد اٹھ گیااور دوریاں شروع ہوگئیں۔ حکمران اس کے بعد چین سے نہیں سوئے ۔۔۔ لوگ اس نظامِ حکومت سے تنگ آچکے تھے۔ شخصی حکومت ایک آمرکی حکومت ہوتی ہے اِس حکومت میں اُس کے خاندان کے تمام افراد صاحب اختیار ہوتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرتی انصاف نہیں رہتا۔ اس واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں پر مالیہ اور دیگر لاگوٹیکسوں میں کمی آگئی۔ 1972ء میں جناب ذوالفقارعلی بھٹو کی جنبش قلم سے یہ نظام ختم ہوگیا۔ لوگوں نے شکرانے کے نوافل پڑھے اورسنگل ریسٹ ہاؤس کے باہر جہاں کبھی وہ دم نہیں نکال سکتے تھے آزاد فضاؤں میں آزادی کے گن گانے لگے۔ اپنی قربانی کی یادتازہ کی۔

ڈوبتی ہے کس طرح منجدھار میں ظالم کی ناؤ
کس طرح ہوتا ہے مظلوموں کا بیڑا پار دیکھ

دنیاکے سیاسی نظاموں میں جب بھی ظلم وجور کا آغاز ہوتاہے وہ ان کی زوال کی پہلی نشانی ہوتی ہے۔ ان علاقوں میں پہلے مہتری نظام(چترال سے)'راجگی نظام (ڈگروں اورسکھوں سے)اور پھرگورنری نظام(انگریزوں سے) قائم رہا ان تینوں نظاموں میں انسانی حقوق محفوظ نہیں تھے۔ رعایاصرف حکمران وقت کی خدمت کے لئے ہوتے تھے حکمران وقت رعایا کے لئے کم اپنی اقتدارکیلئے زیادہ اقدامات کرتے تھے۔ اس طرح کے حالات کا خاتمہ بڑی بڑی قربانی کا تقاضاکرتی ہیں جو پونیال کے عوام نے دے دیا۔ بقول مولاناکوثرنیازیؔ

فراز عرش میسر زمین سر بسجود
وہ کس مقام پہ آئے ہیں کس مقام کے ساتھ

ورشگوم(یاسین) کے سیاسی حالات

وادی یاسین غذر کی سب سے پرانی تہذیب کی عکاسی کرتی ہے۔ اس وادی میں بدھ مت' زرتشت' اور دیگر مذاہب کے آثاربھی ملے ہیں۔ جن کاذکر اس کتاب میں ہوچکا ہے۔اس وادی کے بارے'شاہ رئیس خان کی تاریخ گلگت' میں ڈاکٹر احمدحسن دانی لکھتے ہیں کہ

> 'راجہ سوملک نے اپنے فرزند شہزادہ شاہ ملک کی سفارش پران کے رضاعی بھائی بری خان کویاسین پرمعمورکیا۔ یاسین میں دشت طاؤس کے شمال مشرقی کنارے دریائے یاسین کے اوپر بلندی پربری خان عامل یاسین نے ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اس قلعے کانام بری خان کھن پڑگیا بعدمیں اس قلعے کوکھن ہی کہا گیا۔ ورشگوم اپنی قدیم تاریخ کی وجہ سے بھی مشہور ہے اس وقت 700 سے 800ء کوتاتاریوں (چینیوں) نے اس علاقے پرحملہ کیاتواس قلعے میں ان کوزبردست مزاحمت ہوئی' (صفحہ نمبر ۳۲)۔

یاسین کی سرزمین کے بارے جون بڈلف کہتے ہیں کہ

> 'سولہویں صدی کے آخریاسترھویں صدی کے شروع میں اسلام کے ظہورکے بعدایک رائے حکمران تھا۔ اس کانام محفوظ نہ رہ سکا لیکن بابا ایوب نامی ایک شخص رائے کی موت کے بعد حکمران بن گیااور اپنا لقب مہتر رکھا جو بعدمیں ماضی قریب تک جاری

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تھا۔ اس کواس خاندان کابانی کہاجاتاہے۔ اس کے بیٹے محمد بیگ کے ہاں خوش احمد اور خوش وقت کٹور نامی دو بیٹے پیدا ہوئے۔ کٹور کو چترال کاحکمران مقررکیا گیا۔اس وجہ سے اس خاندان کا نام کٹور یاکتور پڑ گیا۔ اس وقت یاسین چترال کے حکمرانی میں تھا۔ خوش وقت کا بیٹا فرامزشاہ نے بعد میں یاسین کو فتح کیا۔ چترال اور یاسین کے درمیان مسلسل جنگ ہوتی رہتی تھیں ۔۔۔ سلیمان شاہ نے گلگت تک علاقوں میں قبضہ کیا تھا۔۔۔ شاہ کٹور نے سلیمان شاہ کے بیٹوں کی شکست کے بعد دوبارہ حملہ کیا اور یاسین پرقبضہ کیا۔'(ہندوکش کے قبائل'از جوں بڈلف، ترجمہ جاوید شاہین' ص۔۱۹۰ تا ۱۹۷)۔

قدیم انتظامی سیاسی تقسیم اور جغرافیائی حالات کے پیش نظر عالمی طاقتوں کی نظریں ان علاقوں پرجمی ہوئی تھیں۔ یاسین بھی ان طاقتوں کی زدمیں رہی۔ یہ علاقہ اگرچہ ایک وادی پر مشتمل ہے لیکن درکوت پاس کی وجہ سے یارخند واخان اور سنٹرل ایشیاء کیلئے ایک دروازے کی حیثیت رکھتی تھی۔ یاسین جہاں ایک اسٹریٹیجک اہمیت کا علاقہ ہے وہیں ایک افسانوی حیثیت کی وادی بھی ہے۔ وکٹورین اور بعد وکٹورین زمانے کے فرنگی سیاحوں نے اپنے سفرناموں یاخفیہ رپورٹوں میں اس وادی کی اہمیت ثقافت، غربت،شخصی راج اورلوگوں کی کسمپرسی پربہت کچھ لکھاہے۔مہتران چترال اور مقامی راجاؤں کی شب وخون کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کی فطرت میں بھی جنگجوانہ عادتوں نے جنم لیا۔ یاسین گلگت بلتستان اور قدیم دردستان کے ان اہم علاقوں میں شامل ہیں جن پرڈوگروں'سکھوں'انگریزوں'مقامی حکمرانوں اور چترال کے ریاستوں کے علاوہ چین'روس اورافغانستان کی بھی نظریں تھیں۔ یہ حالات صرف اور صرف اس

خطے کی دفاعی جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے تھی۔ یاسین کی مقبولیت میں اس وقت مزید اضافہ ہوا جب جارج ہیورڑکا 18جولائی 1870ء کو درکوت کے مقام پرقتل ہوا ('Gligit Game',Jhone Keay, 2001, p-66) ڈوگرہ افواج کے یاسین پر قبضے کے بعدکسی بھی انڈین برٹش آفیسر کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ اگرچہ ان علاقوں پر وقتاً فوقتاًمہتران چترال کی حکمرانی رہی تھی۔ اس دوران بھی یہاں مہتر چترال کے خاندان سے میرولی حکمران تھے۔ مقامی حکمرانوں کی ملی بھگت سے ڈگروں نے یاسین پر قبضہ کرلیا انہوں نے اس علاقے میں بقول'جوں۔کے'قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔ جس کی خبرلندن کے اخبار"The Pioneer"میں 9 مئی 1863ء کو چھپی جس کا متن ذیل میں دیاجاتاہے۔

> "They threw the little ones in the air and cut them in two as they fell. It is said the pregnant women, after being killed, were ripped open and their unborn babies backed to pieces. Some forty wounded women who were not yet dead were dragged to one spot, and were there burnt by the Dogra spays. With the exception of a few wounded men and women who ultimately recovered, every man, woman and child within the fort, and, in all, 1200 to 1400 of these unhappy villagers, were massacred by the foulest

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

treachery and cruelty. After plundering the place Yasin was burnt and all the cattle carried off, together with some 2,000 women and men...most of the women still in the zenanas of the Dogra leaders and spays. I have visited Madoori, the scene of the massacre, and words would be inadequate to describe the touching sight to be witnessed on this now solitary and desolate hill side. After the lapse of seven years since the tragedy, I have myself counted 147 still entire skulls, nearly all those of women and children. The ground is literally white with bleached human bones and the remains of not less than 400 human beings are now lying on this hill. The Yasin villagers returned to bury their dead after the Dogras retired, and the skulls and bones now found at Madoori are presumably only those of villagers whose whole families perished in the massacre..."(The Gilgit Game, p-63-64).

'' ظالم (ڈگروں) نے چھوٹے بچوں کو ہوا میں اچھال اچھال کر دو ٹکڑے کردیا کہاجاتا ہے کہ انھوں نے حاملہ خواتین کو موت کے گھات اتار دیااور نومولود بچوں کوچیر پھاڑ کے رکھ دیا۔ ڈوگرہ سپاہیوں نے چالیس خواتین جو بہت بُری حالت میں زخمی تھیں ایک جگہ میں ڈال کر ان پرآگ لگادی۔ بدقسمت دیہاتیوں کوجن میں سے چند کے ابھی زخم بھر رہے تھے ظالم قاتلوں نے غصے سے ان کوسبق سکھانے کے لئے 1200سے1400لوگوں کو موت کے نیند سُلا دیا۔ مال غنیمت کے طور پرتمام مال مویشیوں کے ساتھ تقریباً 2,000 مرد عورتوں کو ساتھ اُٹھالے گئے اور باقی یاسین کے علاقے پر آگ لگا دی۔۔۔زیادہ ترخواتین کو پھر بھی ڈوگرہ افواج اور ان کے نمائندوں نے اپنے نرغے میں رکھاتھا۔ میں نے ڈھلوانی مُدوری قلعے کا خود دورہ کیاجہاں کے کھنڈرات اس منظرکوثابت کرنے کیلئے ناکافی منظر پیش کررہے تھے لیکن میں‌اس واقعے کے سات سال بعداس علاقے میں آچکا ہوں اب بھی یہاں147 کھوپڑیاں میں نے خود دیکھا جوچھوٹے بچوں اور خواتین کے لگ رہے تھے۔ قلعے کی زمین انسانی ہڈیوں سے بالکل سفید نظر آتی ہے اورکم ازکم اس پہاڑی پر 400 انسانی اجسام لیٹے ہوئے بوسیدہ حالت میں نظر آتے ہیں۔ ڈوگرہ افواج کے انخلا کے بعد یاسینی لوگوں کے رشتہ داروں نے اپنے مردوں کو دفنا دیالیکن اس قتل و غارت کے باقی بچے کچے کھوپڑیاں بھی مُدوری قلعے کی اس واقعے کی شہادت کے لئے کافی ہیں۔۔۔''۔

اس واقعے کی خبر کی وجہ سے یہ علاقہ بدنام بھی ہوا اورمشہور بھی۔ بدنام اس حوالے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سے کہ یہاں بیرونی سیاح اور راہ گیر محفوظ نہیں اور مشہور اس لئے کہ اس کے بعد دیگر ریاستوں نے بھی اس علاقے کو اہمیت دی اور اس پر قبضہ کرنے کی کئی بار کوششیں کی گئیں۔ جارج ہیورڈ کی قتل ایک سازش تھی جو کہ اپنے انجام کو پہنچ گئی لیکن اس واقعے نے اس علاقے کو بہت بعد تک سیاسی لحاظ سے بہت متاثر کیا۔

یاسین کے لوگ مختلف نسلی اور لسانی گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گلگت بلتستان کے علاوہ چترال، دیرؔ سوات، افغان سرحدات اور دیگر علاقوں سے آئے یہ لوگ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں آباد ہوئے ہیں۔ آپس کی شادیوں اور مذہبی یکجہتی کی وجہ سے اب ان میں اتنی دوریاں نہیں جو ماضی میں تھیں۔ اس کے علاوہ اب وقت کے تقاضے بھی بدل گئے اور سیاسی حالات بھی۔ اس تناظر میں ان علاقوں کے لوگوں کے روّیوں کا بدلنا فطری امر ہے۔ گوپس کے شمال کی جانب واقع یہ علاقہ اپنی قدرتی حسن اور شادابی کے حوالے سے بھی مشہور ہے۔ سلی ہرنگ، گندائے، نوح، بُجایوٹ، یاسین خاص، نازبر وادی، طاؤس، سلطان آباد، سندی، قرقلتی، برکلتی، وادی تھوئی، ہندور، رحیم آباد اور وادی درکوت اس علاقے کے اہم گاؤں ہیں۔ قدیم زمانے سے اب تک ان علاقوں کے قدرتی وسائل اور فصلیں اس علاقے کی آبادی کیلئے کافی مددگار رہے ہیں۔ ان تمام گاؤں میں وادی درکوت کو بہت اہم مقام حاصل ہے اگرچہ یہ دور افتادہ پہاڑی علاقہ ہے لیکن یارخند اور افغان واخان تک زمینی راستہ ہونے کی وجہ سے ماضی میں اہم فوجی پیش رفت اس علاقے سے ہوتی رہی ہیں۔ سویت یونین، واخان، چترال اور پامیر سے سیاح اور خفیہ گروپ اس درّے سے گزرتے تھے۔

جارج ہیورڈ کے قتل کے بعد ریاست یاسین میں فرنگیوں کی آمد کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اس وادی میں خوف کے بادل عرصے تک ڈھگمگاتے رہے۔ ریاست یاسین پر مقامی حکمرانوں کی حکومت بھی مہینوں تک برقرار رہتی تھی کیونکہ ایک بھائی مہتر بنے ابھی

سکھ کا سانس لیتا دوسرا بھائی اس کو قتل کرکے یا بھگا کر اقتدار پہ قابض ہوتا۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ 1889ء میں برٹش گلگت ایجنسی قائم ہوئی اور ریاست چترال سے قدیمی رشتے تقریباً ختم ہوئے۔ گلگت ایجنسی کے ایک صوبے کی حیثیت سے یاسین میں راجگی نظام متعارف ہوا۔ 1870ء کے مُڈوری قلعے یا درکوت میں فرنگی دیہہ میں انڈین برٹش فوجی آفیسر کا قتل اس علاقے کے لئے مہنگا بھی پڑ گیا۔ اس واقعے کے بعد Jhone Buddulph نے اس علاقے میں آنے کی کوشش کی اس وقت یاسین میں مہتر پہلوان کی حکومت تھی اور ان کی حکومت کا دائرہ اشکومن اور بالائی چترال تک تھا (Giglit Game, p-96)۔ جون بڈلف ان مشکلات کے باوجود وادی ہنزہ اور ان علاقوں تک آنے میں کامیاب ہوئے۔ ڈوگرہ راج میں زوال کے بعد برٹش انڈیا کی طرف سے گلگت میں برٹش ایجنٹ مقرر ہوئے اور پورے گلگت بلتستان کے علاقوں کو دوبارہ جغرافیائی تقسیم کی گئی۔ یوں یاسین اس راج کا ایک صوبہ بن گیا۔

جون بڈلف نے ان علاقوں میں کہیں ایک دوست بنا لیا تھا اور مقامی ریاستوں کے حکمرانوں کی مدد سے گلگت ایجنسی کو وسعت دینا چاہتا تھا لیکن جہاں جون بڈلف زیر زمین خفیہ مقاصد رکھتے تھے وہاں مقامی حکمران بھی زیرکی میں اپنی مثال آپ تھے۔ مثال کے طور پر یاسین کے مہتر پہلوان کے ساتھ بڈلف کے اچھے مراسم استوار ہوئے تھے۔ توقع یہ تھی کہ وہ چترال کے مہتر امان الملک پر حملہ کردیں اور برٹش ایجنسی کی مدد کرسکیں۔ 1880ء کی دہائی میں پہلوان بہادر مہتر یاسین نے ایسا کرنے کے بجائے سات سو افواج کے ساتھ گلگت کی طرف حملہ آور ہوئے اور شیر قلعہ پر چڑھائی کردی۔ بڈلف ایک بڑے امتحان میں پھسے ہوئے تھے کیونکہ افغان جلال آباد کے حالات بھی موزوں نہیں تھے۔ ادھر چلاس اور گردونواح سے بھی حملے کا خوف تھا۔ ڈگرہ افواج بھی اپنے تیئں کسی بھی موقع کو ضائع کرنا نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ پہلوان کے شیر قلعہ پر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

چڑھائی کی خبر سن کر مہتر چترال نے یاسین پر حملہ کر دیا اور گلگت کی طرف کمک بھیجنے کی بجائے اپنے ہی علاقے پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے پہلوان کو دو طرفہ شکست ہوئی اور یاسین پر دوبارہ مہتر چترال نے قبضہ کر دیا۔ کشمیری ڈوگرہ بھی بہت خوش ہوئے کہ اب انگریزوں کی گلگت ایجنسی نہ بن پائے گی یوں گلگت بلتستان ایک اور بڑے سیاسی کھیل کے آغوش میں چلا گیا۔ یاسین کی سیاسی بیداری یا کشمکش جاری تھی ادھر گلگت ایجنسی کی ناکامی بھی ہوئی اور ڈوگرہ کسی حد تک مطمئن ہوئے لیکن 1880-89ء کے حالات نے کچھ اور ہی حالات پیدا کر دیئے۔

’تاریخ جموں1991ء‘(صفحہ٦٧٦ تا ٦٧٧) میں مولوی حشمت اللہ نے یاسین کے اہم کٹورے مہتروں کی ٹائم لائین یوں دی ہے۔

نمبرشمار	نام حکمران	از	تا
۱	مہتر شاہ خوش وقت (شاہ یاسین)	1640ء	1700ء تقریباً
۲	مہتر شاہ عالم (چترال و یاسین)	1700ء	1750ء
۳	مہتر فرامزشاہ (چترال تا بونجی)	1750ء	1780ء
۴	مہتر خیراللہ (یاسین ومستوج)	1780ء	1790ء تقریباً
۵	مہتر بادشاہ	1790ء	1795ء
۶	مہتر ملک امان	1755ء	1800ء
۷	مہتر سلیمان شاہ	1800ء	1830ء
۸	مہتر گوہرامان (یاسین تا گلگت)	1830ء	1860ء
۹	مہتر عظمت شاہ	نامعلوم	1860ء
۱۰	مہتر ملک امان (ثانی)	1860ء	1867ء
۱۱	مہتر میرولی	1867ء	1870ء

۱۲	مہتر غلام محی الدین (پہلوان بہادر)	1870ء	1880ء
۱۳	مہتر عبدالرحمن خان (یاسین)	1885ء	1928ء تقریباً
۱۴	مہتر نظام الملک (کچھ کتابوں میں ذکر ہے)	نامعلوم	1900ء
۱۵	صفت بہادر (کچھ کتابوں میں ذکر ہے)	1905ء	1913ء
۱۶	(اتالیق) غفران	1928ء	1933ء تقریباً
۱۷	راجہ میر باز خان بروش	1934ء	1942ء
۱۸	راجہ محبوب علی خان (نگر)	1942ء	1966ء
۱۹	تحصیلداری نظام	1966ء	1973ء

راجہ محبوب علی خان کی تعیناتی کے بارے میں میجر براؤن کہتے ہیں ’یاسین سے خوش وقت کو ان کی نااہلی کی وجہ سے راجگی سے فارغ کیا گیا اور ان کی جگہ نگر سے محبوب علی کو یاسین کا گورنر بنایا گیا‘(میجر براؤن’ بغاوت گلگت‘ ص۔۱۰۸)۔ مقامی لوگ اس بات سے اتفاق نہیں کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ انگریزوں کے مفادات اور دیگر وجوہات کی وجہ سے ان کو راجہ بنا کرلایا گیا۔ کہتے ہیں کہ’’یاسین وہ واحد صوبہ (اس زمانے کے نظام میں) تھا جہاں راجگی نظام خود راجوں نے ختم کیا اور جمہوریت کی طرف قدم رکھا۔ راجہ محبوب علی خان کی تعیناتی کی ایک وجہ یہ تھی کہ راجہ غلام دستگیر عمر میں چھوٹے تھے۔ جب 1966ء میں راجہ محبوب علی خان وفات پا گئے تو یاسین کے لئے نیا راجہ شہزاد علی مقرر ہوئے۔جس کی وجہ سے یاسین کے عوام مسلح ہوکرنوح پل تک آئے اور حکومت وقت کو یہ پیغام دیا کہ’ اس دفعہ ہم برآمدی راجے کوتسلیم نہیں کرینگے ہمیں ہمارے اپنے علاقے کا راجوں میں سے ایک راجہ مقرر کیا جائے‘ انہوں نے راجہ شہزاد علی کو راجہ ماننے سے انکار کیا جس کی وجہ سے ناصر یاسین کے لئے تحصیلدار مقرر ہوئے۔ یہ کہانی بھٹو صاحب کی جمہوریت سے پہلے کی ہے‘‘۔ اس بات کی توثیق کیلئے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

غیر جانبدار لوگوں سے رائے لی گئی تو انہوں نے کہا کہ یہ بات صحیح ہے کہ 1966ء کو یاسین کے عوام اپنے راجے کے حق میں بہت سرگرم اور سراپا احتجاج کر چکے تھے۔ بہرحال یاسین سے راجگی 1966ء کو ہی اپنے اختتام کو پہنچی۔

باور کیا جاتا ہے کہ یاسین کے حکمران راجے اور مہتران کی یاسین کے لئے بڑی خدمات ہیں۔ ان کی شاندار تاریخ رہی ہے۔ یاسین کے حکمرانوں نے گلگت بلتستان کے علاقوں پر کئی عرصے تک حکمرانی بھی کی ہے۔ اس تمام کے باوجود وہ یاسین میں کوئی خاص تاریخی عمارات یا عوامی ترقیاتی نقوش بہت کم چھوڑ گئے ہیں۔

یاسین کے راجوں کا اپنے رعایا کے ساتھ سلوک مختلف اوقات میں مختلف رہا ہے۔ بعض راجوں نے حکمرانی کے ساتھ رعایا کا بہت خیال بھی رکھا ہے۔ سماجی انصاف' امن' باہمی تعاون کے فروغ میں راجہ شاہ عبدالرحمٰن خان کا زمانہ بہت بہتر اور قابل ذکر رہا ہے۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ موصوف کے زمانے میں لوگ امن وامان اور مذہبی یکجہتی کے ساتھ رہتے تھے۔ آپس کی رشتے ناطوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ایک دوسرے کی مذہبی مجالس میں بھی شرکت کی جاتی تھی۔ راجہ موصوف ہر ایک کے دکھ درد میں شامل ہوتے تھے۔ ان کی اس رویے سے یاسین امن کا گہوارہ تھا جس کو بعد میں باہر سے آنے والے عناصر نے شبوتاژ کیا۔

اشکومن کے ساتھ روابط

موضع گلاپور کا وزیر ٹھوشو جو شاوٹ کا رضاعی قرابت دار تھا اس نے بادشاہ کا مقابلہ کیا۔ آخر کار بادشاہ اور برُش نے ٹھوشو کو شکست دی اور برش کو پونیال کا حاکم مقرر کیا۔ وزیر ٹھوشو گلاپور کا ایک وزیر تھا ان کے قلعے کا نام 'بھورئی ٹھوکی' تھا۔ گلاپور کے بادشاہ کا نام شاوٹ تھا۔ اس بادشاہ کے زمانے میں پونیال سے اشکومن میں سیاسی مداخلت ہوتی تھی۔ پونیال سے شاوٹیں' یاسین سے خوشوقتیں' چترال سے کٹوریں' یارخون سے والئی

واخان و بدخشان' ہنزہ سے میروں' چائنز اور متحدہ روس سے خفیہ سیاسی سرگرمیاں ہوتی رہتی تھیں۔ اس تناظر میں یہ علاقہ محض ایک درّہ اور گزرگاہ تھی۔ لوگوں اور قبائلی حملوں کی وجہ سے یہاں کی آبادی ہجرت پر مجبور تھی اس وجہ سے قدیم زمانے کی کوئی نسل یہاں باقی نہیں۔ تاریخ بلورستان میں عبدالحمید لکھتے ہیں کہ

> 'اتالیق محمد تراب کو ملک امان اوّل نے اتالیق کا عہدہ دے کر
> اشکومن بھیجا تھا۔ یہ عہدہ ان کے خاندان میں جاری رہا۔
> لیکن میر امان نے اس سے یہ عہدہ چھین کر خدا امان کو دیا'
> (تاریخ بلورستان' ص۔ ۱۷۵)۔

وادی اشکومن قدیم زمانے سے ایک الگ ریاست تھی۔ یاسین کے حکمران کافی حد تک اس پر حکمرانی کرتے رہے۔ براؤن کے نزدیک اشکومن تعزیری بندوبستی علاقہ رہا ہے (بغاوت گلگت' ص۴۰) اس وادی کے زیادہ تر تعلقات یاسین اور چترال کے ساتھ تھے۔ جس کے بارے 'وادی اشکومن کی تاریخ' کے نام سے راقم نے ایک الگ کتاب لکھا ہے جو جولائی 2010ء کو شائع ہوئی ہے۔

اشکومن کے عمائدین کے مطابق قیام پاکستان کے بعد اشکومن کے لوگوں میں بھی شعور پیدا ہوا۔ مقامی راجاؤں کے خلاف بغاوتوں کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہا۔ مالیہ اور خراج کے خلاف لوگوں نے برملا راجوں کی مخالفت کی۔ اس وجہ سے اس علاقے سے کئی لوگوں کو گرفتار کر کے بونجی جیل تک بھجا گیا۔ اس علاقے میں راجوں کے ساتھ جو لوگ باہر سے آئے تھے انہوں نے بغاوتوں میں حصہ نہیں لیا۔ اشکومن پراپر کے لوگوں نے قیام پاکستان سے پہلے بھی اس طرح کے بغاوتوں میں حصہ لیا تھا جس کی وجہ سے اشکومن خاص کے کئی کے ایک نوجوانوں کو قید وبند سے گزرنا پڑا۔ نمبردار میر نبی' روزہ بیگ اور مرزا محمد کے مطابق چھ لوگوں کو راجوں نے گرفتار کر کے جیل بھجا جس کی وجہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سے مالیہ اور دیگر واجبات میں کافی کمی آئی لیکن ان کی یہ کاوش کئی سال بعد رنگ لائی۔ صدیوں تک کی نشیب و فراز سیاسی منظر نامے کا امتحان 1972ء میں ختم ہوا اور وادی اشکومن ضلع غذر کی ایک تحصیل بن گئی۔ ترقیاتی کاموں کا آغاز ہوا۔ ابھی آزادی کی مستی اور نمو کے جوش میں ضلع غذر پھلنے پھولنے لگا تھا کہ 1978ء میں جنرل ضیاالحق نے ضلع غذر کو ختم کر دیا اور پھر ان علاقوں کو ضلع گلگت میں شامل کر دیا اور یوں تاریخ ایک نئے دھارے پر پہنچ گئی۔ وادی اشکومن ایک بار پھر ہیڈ کوارٹر سے سینکڑوں میل دور رہی۔ گیارہ سال بعد دوبارہ پیپلز پارٹی کی حکومت آئی اور وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے اپنے والد کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے اس ضلع کو 16 نومبر 1989ء کو دوبارہ بحال کر دیا۔ غذر کی رونقیں دوبارہ بحال ہوئیں اور یہ ضلع ایک بار پھر نئے سرے سے ترقی کی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ الحمداللہ۔(عثمان علی۔ گلگت کی روگ کہانی،صفحہ۲۰۰)اس تاریخی فیصلے کے بعد غذر میں بھی نظام حکومت گلگت بلتستان کے دیگر علاقوں کی طرح جاری وساری ہے۔ بدقسمتی سے وادی اشکومن کی سیاسی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ جو صرف اپنے لئے سیاسی پوزیشن کو آمدن کا ذریعہ بنا چکے ہیں۔ جمہوری اقدار کے برعکس شخصی آمریت اس علاقے کی پسماندگی کا باعث ہے۔ جمہوریت کی چار دہائیوں میں اس علاقے میں صرف ایک ہی شخصیت نے نظام حکومت سنبھالا ہوا ہے۔ شیرقلعہ سے بورتھ تک دریا کے اوپر لکڑی کے پل، کچی سڑک اور نام نہاد ہائی سکول اس اقتدار کی مثالیں ہیں۔ غذر کی انتظامیہ میں بھی اب تک اس علاقے سے کوئی سپوت پیدا نہیں ہوا جس کی وجہ سے اس وادی میں کوئی خاطر خواہ ترقی نہیں ہوئی۔

1896ء سے 1924ء تک ان علاقوں کی گورنری کے فرائض میر علی مردان خان نے ہی سرانجام دیئے۔ وادی اشکومن کا دوسرا راجہ میر باز خان مقرر ہوئے۔ آپ نے

1924ء سے 1934ء تک ان علاقوں میں راجگی کی۔ راجہ میر باز خان بُروشو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد عافیت خان پونیال کے راجہ تھے۔ میر باز خان کی وفات کے بعد راجہ حسین علی خان یہاں کا گورنر مقرر ہوا۔ آپ نے 1934ء سے 1938ء تک یہاں گورنری کی۔ آپ باباجان کے نام سے مشہور تھے۔ باباجان کی وفات کے بعد سلطان مرادخان (خوش وقتہ) المعروف مُولک یہاں کا گورنر مقرر ہوا۔ آپ نے 1938ء سے 1951ء تک یہاں گورنری کی۔ 1951ء سے 1972ء تک راجہ سلطان غازی یہاں کا گورنر رہا۔ راجہ سلطان غازی اشکومن کا آخری راجہ ہو گزرا ہے۔

کوہ' گوپس اور غذر

گوپس غذر کی چار تحصیلوں میں سے ایک ہے۔ پونیال میں ہوپر سے تحصیل گوپس کی سرحد شروع ہوکر شندور تک جاتی ہے۔ رقبے کے لحاظ سے غذر کی سب سے بڑی تحصیل ہے۔ اس کا رقبہ 5232 مربع کلومیٹر ہے۔ گوپس کے بڑے بڑے گاؤں میں سمال' راوشن' یانگل' درمدر' گوپس پراپر' ہمرداس' ڈوڈوشوٹ' گوتھ' چھرمایون' جنڈروٹ' خلتی' دائیمل' سوسوٹ' پنگل' تھنگئی' شمرن' پھنڈر' گلاغمولی' ہندارب' ٹیرو اور بترریت وغیرہ شامل ہیں۔ ماضی میں گوپس کو کھوہ کہتے تھے۔ اس علاقے کے باشندوں کو 'کوھوچیے' شاویرے اور پوریئیے کہا جاتا تھا۔ بعض اوقات اس علاقے کو 'پوریا کی' بھی کہا جاتا تھا یہ علاقہ 'جج بارگو' سے شروع ہوکر پنگل تک پھیلا ہوا تھا۔ پنگل سے آگے شندور کی سرحد تک کا علاقہ غذر کہلاتا تھا۔ یہ نام بعد میں چار تحصیلوں پر مشتمل ضلعے کا نام پڑ گیا۔ گوپس اپنی طویل سرحد کی وجہ سے ماضی کے جنگجوؤں کے لئے پناہ گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک گزرگاہ تھی۔ راجہ سلیمان شاہ ہو یا راجہ گوہرامان' ملک امان ہو یا پہلوان بہادر' مہتران چترال اور گلگت و پونیال کے تقریباً ہر حکمران نے اس علاقے کو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کئی بار کراس کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ماضی میں گوپس اور بالائی علاقے چترال میں شامل تھے اس وجہ سے مہتران'راجگان اور ان کے اتالیق اس وادی سے آتے جاتے تھے۔عظیم ریاست یاسین کے زمانے میں بھی گوپس کی بڑی اہمیت تھی۔ اس وادی میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے قلعے بنے تھے جو حملہ آوروں کے لئے پناہ گاہیں اور حملہ کرنے کیلئے محفوظ مقامات تھیں۔ اس وادی میں نالہ بتریت' درمدر' راؤشن' چھشی' ہندراب اوردیگر کئی نالے اس علاقے سے بھاگنے والے قبائل کیلئے ایک قسم کی شاہراہیں تھیں بعض دفعہ لوگ اپنی فوج کے ساتھ اور بعض دفعہ خود فرار ہو کر دریل تانگیر یاوادی یاسین میں جاتے تھے۔ اس وادی میں قدرتی مناظر بہت خوبصورت ہیں۔ ہرگاؤں اپنے اندرقدرت کی جانب سے تمام نعمتوں سے مالامال ہے۔ اس وادی میں کئی خوبصورت جھیلیں ہیں۔ سیاحت کے لئے جنت سے کم نہیں۔مئی سے اکتوبر تک آپ کسی بھی وقت اس وادی کی سیر کو جاسکتے ہیں۔ گاہکوچ سے گلاغمولی تک میٹل روڑ بناہوا ہے۔ اس روڑکو صدرمملکت جناب پرویز مشرف کی حکومت نے بنوایا۔ پکی سڑک ہونے کی وجہ سے اس وادی کی سیروسیاحت میں اب کوئی مشکلات نہیں۔ یہاں کے لوگ بہت مہمان نواز اور شریف ہیں۔ اس علاقے میں لسانی اورنسلی تکثریت پائی جاتی ہے۔اس پٹی میں مقامی بولی کھوار اور شینا بولی جاتی ہے۔کھلوچا اور دیگر مقامی بولیاں بھی اس وادی میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔راجہ علی خان مقپون گوپس کے راجوں کا جدامجد ہے۔اس خاندان کے خان بہادرٗراجہ مراد خان اورجعفر علی خان مشہور ہو گزرے ہیں۔'گوپس سے خوش وقت کو ان کی نااہلی کی وجہ سے راجگی سے فارغ کیا گیا اور ان کی جگہ بلتستان سے حسین علی خان مقپوں کو گوپس کوہ غذر کا گورنر بنایا گیا' (میجر براؤن' بغاوت گلگت ص۔۱۰۸)۔راجہ حسین علی خان (1944ء سے گوپس کے راجہ تھے) اشکومن اور یاسین کے بھی پولیٹیکل گورنر رہ چکے ہیں۔

سیاسی شخصیات پر ایک نظر

۱۹۷۰ء میں ان علاقوں سے ایف۔سی۔آر کے خاتمے کے بعدسیاسی جمہوری سیٹ اپ دیا گیا۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی ۱۹۷۰ء کے ڈسٹرکس پولیٹیکل علاقوں میں انتخابات ہیں۔ تا حال دس مرتبہ انتخابات منعقدہوئے ہیں اور سیاسی نظام حکومت میں بہتری آتی رہی ہے۔ ان انتخابات میں غذر کی صورتحال کو درجہ ذیل ٹیبل سے دیکھا جاسکتا ہے۔

نمبرشمار	منعقدہ سال اورنام	حلقہ پونیال اشکومن	حلقہ گوپس یاسین
۱	NAمشاورتی کونسل1970ء	سید کرم علی شاہ	سیدفضل حسن
۲	NA کونسل1975ء	سید کرم علی شاہ	فداعلی
۳	NA کونسل1979ء	سید کرم علی شاہ	راجہ غلام دستگیر
۴	NA کونسل1983ء	سید کرم علی شاہ	سیدفضل حسن
۵	NA کونسل1987ء	سید کرم علی شاہ	سیدفضل حسن
۶	NA کونسل1991ء	سید کرم علی شاہ	غلام محمد

۱۹۹۴ء کوحکومت وقت نے ناردرن ایریاز میں سیاسی سیٹ اپ میں کچھ تبدیلیاں کی اور غذر کے لئے ایک اضافی سیٹ دیا اس کے بعدسیاسی صورتحال یوں رہی۔

نمبرشمار	منعقدہ سال اورنام	حلقہ اشکومن پونیال	حلقہ گوپس پونیال	حلقہ یاسین
۷	NA کونسل1994ء	سیدکرم علی شاہ	مرتضیٰ خان	سیدفضل حسن
۸	NA کونسل1999ء	سیدکرم علی شاہ	سرفرازشاہ	جلال الدین/غلام محمد
۹	قانون سازکونسل2004	سیدکرم علی شاہ	سلطان مدد	غلام محمد
۱۰	اسمبلی 2009ء اپریل 2011ء	سیدکرم علی شاہ نوازخان ناجی	ڈاکٹرعلی مددشیر	محمدایوب

(معلومات بصد شکریہ' جمشیدخان دکھی' سہ ماہی فکرونظر غذر' اکتوبرتادسمبر۲۰۱۰ء)

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

۲۰۰۴ء کی قانون ساز کونسل میں دو ٹیکنو کریٹ کی سیٹیں بھی غذر کو ملیں ان میں محترمہ نورالعین مشیر تعلیم اورالواعظ علی مراد ٹیکنو کریٹ ممبر شامل ہوئے۔ 2010ء کے انتخابات کے بعد کونسل کو اسمبلی کا درجہ ملا اور غذر سے ایک خاتون ممبر محترمہ یاسمین نظر شامل ہوئی جن کو موجودہ اسمبلی میں پارلیمانی سیکریٹری لاء و پلاننگ اینڈ ورکس گلگت بلتستان مقرر کیا گیا ہے۔ ۹۹۔۱۹۹۴ء تک سید کرم علی شاہ ڈپٹی چیف ایگزیکٹیو بنے۔ ۲۶ جنوری ۲۰۱۰ء کو صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری نے سید کرم علی شاہ کو گلگت بلتستان کا گورنر مقرر کیا آپ گزشتہ چالیس سال سے اشکومن پونیال کے حلقے سے گلگت بلتستان اسمبلی کے ممبر رہے ہیں۔ موجودہ اسمبلی میں ڈاکٹر علی مدد شیر وزیر تعلیم کے عہدے پر فائز ہیں۔ سید کرم علی شاہ کے اس عہدے سے جانے کے بعد ضمنی انتخابات 28 اپریل 2011ء کو منعقد ہوئے جس میں بالاورستان نیشنل فرنٹ کے سپریم لیڈر نواز خان ناجی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے اور 45 سالہ شخصی حکومت کو اپنے انجام تک پہنچا دیا۔ اس حلقے کی یہ تبدیلی مستقبل کے لئے نیک شگون ہوگی۔

اسی طرح ڈسٹرک کونسل بھی ایک اہم عوامی ادارہ ہے ضلع غذر کے قیام کے بعد اس عہدے کے فرائض سید مدد شاہ کو دی گئی جو پہلے ڈسٹرک گلگت کونسل کے چیئر مین تھے۔ اس کے بعد عزیز احمد خان، محمد نظر خان اور ڈاکٹر علی مدد شیر ڈسٹرک کونسل کے چیئر مین رہ چکے ہیں۔ خواتین ممبران میں یاسمین نظر، زبیدہ بی بی، ناہید جان اور پروین فراز اپنے فرائض انجام دے چکی ہیں۔ راقم لیڈوں کے نام اور عہدے کے ساتھ ٹائم ٹیبل بھی دینا چاہتا تھا بار بار ڈسٹرک کونسل دفتر جانے کے باوجود وہاں موجود آفس اسسٹنٹ جمیل اختر مجھے اتنے ہی معلومات فراہم کر سکے۔۔۔آفس ریکارڈ کا نہ ہونا قوموں کی زوال کی نشانی ہے۔ میونسپل کمیٹی گاہکوچ کے چیئرمینوں میں سلطان مدد، خوش محمد اور ہاشم خان اپنی خدمات دے چکے ہیں۔ان تمام کے ساتھ پورے غذر کی چار تحصیلوں میں پندرہ

(۱۵) یونین کونسلات ہیں ہر کونسل کا ایک چیئر مین ہوتا ہے۔ ان کے بارے آپ معلومات لینا چاہتے تو کہاں جاتے؟ ان کا کوئی آفس بھی ہے؟ ووٹر لسٹ اور ان کے نام الیکشن کے دنوں میں مل سکتے ہیں باقی دنوں ان کے بارے معلومات لینا عوام کی بس کی بات نہیں؟ ڈسٹرک انتظامیہ سے ان سطور میں یہی گزارش ہوگی کہ اب اس دور میں کم از کم اپنے آفس ریکارڈ کو درست کیا جائے تو آنے والی نسل کو کم از کم پتہ چلے کہ کس زمانے میں کیا ہوا اور کس نے کیا کئے؟ کم معلومات دینے پر بھی ان کا شکریہ!

ایف۔سی۔آر کے خاتمے اور ضلع بننے کے بعد کی سیاسی صورتحال کا تجزیہ آپ اس ٹیبل کے مطالعے سے کر سکتے ہیں۔ کیا اس سیاسی جمہوری نظام کو ہم عوامی سیاسی جمہوری ادارہ کہہ سکتے ہیں؟ کیا اس جمہوری نظام میں عوام کی شمولیت ہے؟ قدیم راجگی نظام اور اس میں کیا فرق نظر آتا ہے؟ آزاد جمہوری سیاسی نظام میں بھی خاندانی موروثی سیاست کیوں؟ کیا جمہوریت کے بعد ان علاقوں میں سیاسی شعور پیدا ہوا ہے؟ وغیرہ وغیرہ یہ وہ سوالات ہیں جن پر سوچنے کی ضرورت ہے۔ میں یہاں اتنا کہونگا کہ لیڈر شپ میں تبدیلی وقت کی ضرورت ہے۔ لیڈر شپ میں تبدیلی سے کسی ایک لیڈر کی حیثیت کم نہیں ہوتی بلکہ اُس علاقے میں لیڈروں کی ایک مضبوط ٹیم تشکیل پاتی ہے جس سے علاقے کو اور فائدہ مل سکتا ہے۔ ان لیڈوں سے بھی ہم یہ توقع رکھیں گے کہ کم از کم اپنے بعد ایک اچھے لیڈر کو ورثے میں عوام کو دیں تا کہ قیامت کے دن حساب کتاب میں آپ کے اعمال بھاری ہو سکیں۔

گلگت کے ساتھ تعلقات

شمالی علاقہ جات کے موجودہ سات اضلاع ضلع گلگت، دیامر، استور، اسکردو، غذر، ہنزہ نگر اور گانچھے ماضی میں ایک ریجن کہلاتے تھے۔ ان علاقوں پر قدیم سے مختلف لوگ راج کرتے رہے ہیں۔ بدھ مت ہو یا ہندومت، زرتشت ہو یا مسلمان ان علاقوں کی سیاست

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پر گہرے اثرات مرتب کئے اوران میں آ کر نسلیات، ذاتیات اورطبقہ بندیاں کی۔ اسلام ہی وہ دین ہے جو ان لوگوں کے لئے امُید کی کرن بن کرآیا اور آناً فاناً ان تمام درجہ بندیوں کوختم کردیا۔ اگرچہ اس عمل میں بہت وقت لگااور اب تک کچھ لوگ 'پدرم سلطان بودٗ' کے مصداق چل رہے ہیں لیکن تبدیلی کے طوفان میں اب یہ چیزیں بھی آخری سانس لے رہی ہیں۔ چترال سے گلگت تک کے علاقے قدیم میں مختلف تہذیبوں کی زد میں رہے جیسا کہ یحییٰ امجد اپنی کتاب' تاریخ پاکستان' میں لکھتے ہیں۔

'' گندھارااورشمالی علاقہ جات پرتُرک شاہیوں کی حکومت تھی
انہوں نے عربوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف شہنشاہِ چین
کی طرف دوستی کاہاتھ بڑھایاتھا۔حتیٰ کہ ترک شاہی بادشاہوں
نے چینی بادشاہ کی برائے نام قسم کی اطاعت بھی قبول کرلی
تھی۔ گویاعربوں کوروکنے والی اصل بڑی طاقتیں صرف دو
تھیں۔ ایک کشمیر اور دوسری چین۔ ان دونوں کوایک بڑی
طاقت سے بھی خطرہ تھا اور وہ تھی تبت جواس زمانے ایک عظیم
سلطنت بن چکی تھی۔726ء تک ان کاقبضہ نیپال، بنگلہ دیش
تک اوربلتستان میں سکردو تک پھیل گیاتھا۔تبت سے چین بھی
فکرمند تھا۔ چینی بادشاہ نے تقریباً 747ء میں چترال پرحملہ
کرکے یہاں کے راجہ کو جو تبت کا ماتحت تھا، ہٹا کراسُی کے
بھائی کو اپنا نمائندہ بناکرتخت پر بیٹھا دیا۔لیکن بالآخرتبت نے
وادی گلگت اور شمالی چترال تک اپنے مقبوضات پھیلائے تھے۔
(تاریخ پاکستان، وسطی عہد، یحییٰ امجد، 1997ء ص۔513)۔

غذر سے مراد یہاں پونیال، اشکومن، گوپس اوریاسین ہے یہ اس لئے کہ اب غذر ان

علاقوں پرمشتمل ہے۔ ماضی میں ان علاقوں میں یاسین، پونیال اور چترال کا نام بار بار آنے کی ایک وجہ ان علاقوں کے حکمرانوں کاجنگ وجدل اور سیاسی جغرافیائی حالات تھے چونکہ اس سے پہلے تاریخ دانوں نے صرف حکمرانوں کی سرگرمیوں اور ان کے احوال کے مجموعے کو تاریخ تصور کیاہے اس وجہ سے آج ہمیں کتابوں میں محض جنگ و جدول کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ غذر کا تعلق گلگت سے تجارت، صنعت، تعلیم، سیاحت اور انسانی معاشرتی اقدار کے بجائے جنگی کارناموں پرمشتمل ہے۔ اس لئے اس کتاب میں ان واقعات کے علاوہ دورحاضر پربھی ہم اظہارخیال کرچکے ہیں۔

گلگت کے ساتھ مہتران چترال، والئی یاسین اورپونیال کے حکمرانوں کی سیاسی کشمکش کی کہانی بہت پرانی ہے۔ اب سے کچھ صدیاں پہلے سلیمان شاہ نے1800ئسے 1802ء تک گلگت میں تہلکہ مچادیا اور اس پورے علاقے پرحکومت کی۔ کاروبارحکومت میں وسعت اور لالچ کی وجہ سے ان کی یہ سلطنت ختم بھی ہوئی لیکن 1826ء تک ان کی حکومت کے آثار گلگت کی تاریخ میں اب بھی نظر آتے ہیں۔گلگت کے راجہ آزرخان نے سلیمان شاہ کوقتل کیااور ان سے چھٹکارہ حاصل کرلیا۔ اس حکمرانی کے اثرات اس قدر گہرے تھے کہ ان کے بعد ان کے بھتیجے گوہر امان نے رہی سہی کسرنکال دی۔ سلیمان شاہ نے جب گلگت پریلغار کیا تو پونیال اورگوپس ہمیشہ جنگ کے نرغے میں رہے اس وجہ سے شیر قلعہ ہمیشہ میدان جنگ ہی رہاکرتا تھا۔گلگت اورگردونواح کے بارے میں شاہ خان اپنی کتاب گلگت سکاوٹس میں لکھتے ہیں

''راجہ گوہرامان والئی یاسین نے1840ء میں پونیال اورگلگت پر
قبضہ کرلیا اس معرکے میں راجہ سکندرخان والئی گلگت کام آیا۔ ان
کے بھائی کریم خان اورپونیال سے راجہ عیسیٰ بہادر فرار ہو کر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کشمیر پناہ گزین ہوئے اور ان سے مدد مانگ لی۔ کشمیر کے مہاراجہ نے 1842ء کو نتھوشاہ کی قیادت میں فوج گلگت کی طرف بھیجا اور گلگت سے گوہر امان کو شکست دے کر شیروٹ کی طرف نکال دیا۔۔۔بعد میں نتھو شاہ کی واپسی کے بعدراجہ گوہرامان نے پھر گلگت پرحملہ کیا اور سکھوں کو عبرت ناک شکست دے کر بونجی تک نکال دیا۔سکھوں نے ایک عرصے کے بعد پھر گوہرامان پر حملے کی تیاری کی لیکن صلح ہوگئی اور شروٹ سے اوپر گلاپور کے مقام کو سرحدی لائین تسلیم کرتے ہوئے گوہرامان کی عملداری تسلیم کرلی ۔۔۔گوہر امان نے نتھوشاہ کی وفات کے بعد 1851ء کو دوبارہ گلگت پرحملہ کیااور گلگت پر قبضہ کیا۔ 1852ء کو پھر بھوپ سنگھ کی کمان میں گوہر امان پرحملہ کیالیکن دردناک شکست کھائی۔۔۔ سکھوں کی سازباز سے مہترچترال نے 1855ء کو یاسین اور مستوج پر جو گوہرامان کے قبضے میں تھے حملہ کیا اور یاسین اورمستوج پرقبضہ جمالیا۔ ادھرگلگت پر 1856ء کو حملہ ہوا۔ گوہر امان نے یاسین اور مستوج پردوبارہ قبضہ کیا اور گلگت پر1857ء کو دوبارہ حملہ کرکے سکھوں کے مقرر کردہ راجہ عیسیٰ بہادر کو بھگا دیا''۔(گلگت سکاؤٹس' محمد شاہ خان، صفحہ ۸۲۔ تا۸۵)۔

1860ء کو گوہرامان وفات پاگئے اوراس موقعے سے فائدہ اُٹھاکر سکھوں نے دوبارہ گلگت پر قبضہ کیااورعیسیٰ بہادر کے ساتھ پونیال پرحملہ کیااوراس علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد پونیال کوراجہ عیسیٰ بہادر کو تحفے میں دیا۔ اس معرکے میں ملک امان گوہرامان کا

بیٹا بھاگ کر یاسین چلاگیا۔سکھوں کواس سے بھی تسلی نہیں ہوئی اور ماضی کا بدلہ لینے کے لئے یاسین کی طرف یلغارکیا۔1861ء کو یاسین پرقبضہ کیا۔ راجہ ملک امان فرار ہو کر چترال نکلا۔سکھوں نے مُدوری قلعے میں یاسینیوں پرظلم کے ایسے بادل گرائے کہ آسماں بھی یاد رکھے گا جس کا ذکر اس کتاب میں کیا گیاہے۔ اس ظلم میں مقامی لوگوں نے بھی اپنا کردار ادا کیا راجہ یاسین عظمت شاہ اور پونیال کا راجہ عیسیٰ بہادر بھی ان میں شامل تھے۔ کچھ عرصے کے بعدملک امان نے دوبارہ یاسین پر قبضہ کیااورعظمت شاہ کو یاسین سے بھگادیا۔عظمت شاہ فرار ہوکر گلگت میں اپنے آقاؤں کے پاس گیااور انہوں نے بسین کو جاگیر کے طور پر دی۔ یاسین کے حکمرانوں نے خاص کر ملک امان اور ان کے خاندان نے گلگت 1861سے 1880ء تک پرمتعدد حملے کئے تاکہ اپنے آباؤاجداد کی سلطنت پر پھر قبضہ کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ گلگت میں سکھوں کیلئے رہنا کافی مشکل ہوگیا اور 1877ء کو برٹش ایجنسی کا قیام عمل میں آیا اور جون بڈلف پہلے برٹش آفیسرمقرر ہوئے ان کوکششوں سے یاسین اور گلگت کے درمیان معاہدہ طے ہوا اور مہتر چترال و یاسین کو گلگت پر حملہ نہ کرنے پرآمادہ کیااور بدلے میں تیں ہزار روپے سالانہ بطور الاؤنس مہتر چترال کو دینے کا وعدہ کیا۔

غذر کی سرزمین سے گلگت پرکئی ایک حکمران رہے ہیں ان میں پونیال سے والئی پونیال آزاد خان نے چاپنچ سال تک حکومت کی ہے۔ غذر کے حکمرانوں نے ہمیشہ گلگت کو اپنے قبضے میں لانے کی کوشش کی اس وجہ سے اس پرحملے کرتے رہے۔ گلگت پرقبضے کے بعداس کوبرقرار رکھنا کافی بھاری بھی پڑا اور سیاسی مشکلات بھی پیش ہوئے۔ ان مشکلات نے نہ صرف سیاست کومتاثرکیا بلکہ یہاں کی معیشت کوبھی نقصان پہنچایا۔ حکمران نئے علاقوں کی خوشی میں پرانے علاقے بھی کھوگئے۔ نہ صرف کھوگئے بلکہ ان علاقوں میں کوئی اہم کام بھی نہ کرسکے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

گلگت بلتستان میں اس علاقے کا کردار

غذراور گلگت بلتستان کارشتہ بہت پرانا ہے۔متحدہ روس٬ چین٬ افغانستان٬ سکھ٬ انگریز٬ ڈوگروں اورمقامی میروں٬مہتروں٬راجاؤں مقپونوں اوردیگر حکمرانوں کی چپقلشوں کی وجہ سے بھی اس علاقے کا تعلق قدیم رہا ہے۔یحیٰ امجد لکھتے ہیں

> ''گویا عربوں کو روکنے والی اصل بڑی طاقتیں صرف دو تھیں۔
> ایک کشمیر اور دوسری چین۔ اِن دونوں کوایک چوتھی بڑی طاقت
> سے بھی خطرہ تھااور وہ تھی'تبت' جواس زمانے ایک عظیم سلطنت
> بن چکی تھی۔726ء تک ان کا قبضہ نیپال٬ بنگلہ دیش تک اور
> بلتستان میں سکردوتک پھیل گیا تھا''۔(یحیٰ امجد،1997ء)۔

غذر جیسا کہ اس کتاب میں کئی بار ذکرہوا ہے وسط ایشیاء کادروازہ ہونے کی وجہ سے اس علاقے کی اہمیت اسٹریٹجک جغرافیائی اورسیاسی لحاظ سے مسلمہ تھی۔ گلگت شمالی پہاڑی علاقوں ہمالیہ٬ ہندوکش اور قراقرم کا سنگھم ہونے کی وجہ سے ہر حکمران کی توجہ کا مرکز تھی اور یہاں سے یہ حکمران اپنی سلطنت میں وسعت دینے کے لئے وقتاً فوقتاً ہر علاقے سے گزرتے تھے۔غذر اس لحاظ سے کبھی بھی فائدے میں نہیں رہا۔

میرے مطالعے کے مطابق غذرکے علاقے ہمیشہ جنگ کی زدمیں رہے اور زمانہ امن میں مال و اسباب اور دیگروسائل یہاں کے لوگوں کے مقدر ہونے کی بجائے گلگت اور چترال کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ ان علاقوں کے لوگوں نے ماضی میں چترال اور گلگت کے حکمرانوں کے لئے اپنی جانیں تودیں لیکن اپنی سرزمین کے لئے کوئی قابل ذکر مثال قائم نہیں کی۔ مثال کے طور پر سلیمان شاہ نے پورے گلگت پرقبضہ کیا لیکن اپنی سلطنت کا مرکز گلگت ہی کو رکھا۔ گوہرامان نے بھی گلگت اور دیگر علاقوں پر حکمرانی کی لیکن غذر میں ورثے کے طورپر جنگ کے بادل چھوڑے۔ یاسین اور کوہ کے عوام

نے ان کے کارناموں کے بدلے اپنی جانیں اور جائدادیں کھو دیئے حکمران گلگت پر قبضہ کریں تو یہاں کے وسائل وہاں اورچترال پرحکومت قائم ہو تو سامان زندگی کا رخ چترال۔ غذر کے لوگ اپنی زمین پر مرکز نہ بنا سکے۔

اب گردش لیل ونہار نے کروٹ لیا۔ قبائلی ٬ریاستی اور آزادمملکتوں کی جنگوں کا طویل سلسلہ اپنے اختتام اور انجام کو پہنچا۔ دنیانے ترقی کی انسان حیوانیت سے انسانیت کی طرف دوبارہ لوٹا۔علم کا بول بالا ہوا۔ انسانی معاشرتی زندگی کا معیار بلند ہوا۔ ذرائع آمدورفت اور ذرائع ابلاغ کی ترقی کی وجہ سے ان علاقوں کے حکمرانوں اور لوگوں کو بھی احساس ہوا کہ اب جنگ وجدل کے بجائے ہمیں امن اور سلامتی کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ قبائلی خودستائی اور غرور کے مینار گرگئے۔ ان پہاڑی علاقوں کے لوگوں میں شعور کی چنگاریاں جلا دی گئیں۔ یہ سب کچھ مملکت پاکستان کے وجود کی وجہ سے ممکن ہوا۔ سکھ٬ ڈوگرہ اور انگریزوں کی دوراندیشی بھی کام نہ آسکی۔ ان علاقوں کے سپوتوں نے اور اس زمانے کی نئی نسل نے یہ بات سمجھ لی تھی کی جنگ و جدل اب ان کی زندگی کا سرمایہ نہ رہی۔ اس سفرمیں گلگت سکاؤٹس نے اس علاقے کے لئے فرشتوں کا کام دیااور دیکھتے ہی دیکھتے گلگت بلتستان میں بھی ایک اسلامی سماجی شعور نے جنم لیا۔ اگرچہ اس شعور کی نشوونما میں مقامی میر٬راجہ٬مقپون اور دیگر سفید پوش لوگ اپنے ماضی کا تاج سجانے کی کوشش میں عرصے تک مختلف چالیں چلاتے رہے لیکن تبدیلی کے طوفان میں یہ لوگ خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ حکمرانوں کی ڈوبتی ناؤں کا ٹھکانہ اب نہیں رہا۔ 1947ء کے بعد ہر فرد کو اپنی زندگی میں تبدیلی نظر آنے لگی اور وہ تاریخ کے سبق آموزواقعات پر غور و فکر کرنے لگے تو احساس ہوا کہ ہم حکمرانوں کے غلام نہیں بلکہ حکمران ہمارے لیڈر ہیں جوہمیں ہمارے وسائل اور مسائل کی منصوبہ بندی کرکے علاقے کی تعمیروترقی کاضامن بنے نہ کہ چترال سے چلاس تک

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جنگ وجدل کا سامان۔

وقت کے ساتھ ساتھ محض نصف صدی کے عرصے میں مقپونوں'میروں'مہاراجوں' راجوں' سکھوں' ڈوگروں اور انگریزوں کے کارنامے صرف داستانوں کی کتابوں تک محفوظ رہے اور ان علاقوں میں اب خلق خدا آزاد فضاؤں میں سانس لے رہی ہے۔

غذر مملکت پاکستان کے وجود میں آنے کے ستائیس سال بعد وجود میں آیا۔ گاہکوچ ضلعی ہیڈ کوارٹر کی حیثیت پانے کے بعد پہلی مرتبہ یاسین کو اپنی جانب متوجہ کرسکا۔ 1947ء کے بعد غذر اور گلگت میں بہت قریب کا رشتہ رہا۔ یہ علاقے پولیٹکل علاقہ جات کی صورت میں رہے۔ ضلع کا درجہ پانے اور ایف۔سی۔آر کے خاتمے کے بعد گلگت پورے شمالی علاقہ جات کا مرکز بن گیا اور غذر کے علاقے بھی چترال کے بجائے یہاں آنے لگے۔

غذر سے اب گلگت کا رشتہ جنگوں کا نہیں۔تعلیمی'انتظامی'سیاسی'سماجی'معاشی اور معاشرتی اداروں کا یہ رشتہ قبائلی فسادات سے کئی گنا زیادہ اہم اور مضبوط ہے۔

انگریزوں کا انداز حکومت

انگریزوں کی حکومت کے دوران گلگت ایجنسی کا سب سے بڑا سیاسی حاکم پولیٹیکل ایجنٹ کہلاتا تھا۔جس کا عہدہ ڈپٹی کمشنر کے برابر تھا اوراسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ ہوتا تھا جس کے ماتحت پولیٹیکل علاقہ جات گوپس'یاسین اور اشکومن کے حاکم گورنر کہلاتے تھے۔ ان کو انگریز سرکار مقرر کرتی تھی اور یہ لوگ تنخواہ دار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جب تک ان کی کارکردگی اچھی ہوتی تو ان کو اِن کے عہدوں پر برقرار رکھا جاتا تھا۔ یہ اپنے اپنے علاقوں کا مالیہ جمع کرنے کے پابند تھے۔ (ڈاکٹر ناموس، ۱۹۶۱ء ۔صفحہ نمبر۶) اِن علاقوں کے گورنر انگریزوں کے اشاروں پہ چلتے تھے۔ راجہ صاحبان بھی زیادہ اختیارات کے مالک نہیں تھے۔ ڈاکٹر احمد حسن دانی لکھتے ہیں کہ گورنرز صرف لیوی

سٹاف کے لیڈرز کی حیثیت رکھتے تھے۔ اِن کی حکمرانی میں تعلیمی ادارے ہسپتال، سڑک، پُل وغیرہ اس علاقے میں بہت کم نظر آتے سوائے 1941ء کو چند ایک پرائمری سکول کے ذکر کے' جس کو حسن دانی نے1941ء کی مردم شماری کے اعداد وشمار میں ظاہر کیا ہے (حسن دانی۔ ۲۰۰۰ء صفحہ۴۰۹۔۴۰۴)۔ڈوگرہ راج کے زمانے میں یہ علاقے فرنٹیر علاقہ جات میں شامل تھے۔ یہ وزیر وزارت گلگت اور انگریز پولیٹکل ایجنٹ دونوں کے ماتحت ہوتے تھے۔ پولیٹکل ایجنٹ کا کام بیرونی حکومتوں سے تعلقات کی نگہداشت تھا (ڈاکٹر ناموس صفحہ ۱۱) 1878ء سے 1947ء تک گلگت ایجنسی میں 26 پولیٹکل ایجنٹ مقرر ہوئے ان میں سے پہلا لیفٹننٹ کرنل جون بڈلف (1978ء تا 1881) سپیشل ڈیوٹی پر مقرر ہوا تھا آخری پولیٹکل ایجنٹ Bacon. Lt.co.R.N. O.B.E, تھا اس کے بعد آخری مہاراجہ کشمیر کا نمائندہ بریگیڈیر گھنسارا سنگھ صرف چار مہینے تک یہاں رہا۔ اسی دوران پاکستان وجود میں آیا اور وہ گرفتار ہوئے (ڈاکٹر حسن دانی ہسٹری آف نارتھ، صفحہ نمبر 312۔ 313)۔ ان کی حکومت بس یوں ہی رہی۔ اردگرد کے حالات میں تبدیلیوں کی وجہ سے ان کے یہ تمام حربے نہ چل سکے۔ دنیا میں نئی ریاستوں نے جنم لیا اور جمہوریت کے دھارے میں شامل ہوگئے۔ سامراجی قوتیں بھی اپنی بھرپور طاقت کے باوجود اپنے اس نظام کو زندہ نہ رکھ سکے۔ دنیا کے ہر کونے میں انسانیت نے شعور پایا اور یہ پہاڑی علاقے بھی اپنی آزادی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

نہیں سینے میں جس کے سوز آزادی
ہم قوم آزاد ہونے پر بھی ہیں محروم آزادی
جہاد نفس و جہد جسم ہے مقسوم آزادی
فقط آزاد ہونا ہی نہیں مفہوم آزادی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

قیام پاکستان کے اثرات

قیام پاکستان کے بعد گلگت بلتستان کے لوگوں نے بھی ایک آزاد اسلامی ملک کی حمایت میں اپنے علاقوں سے بھی انگریزوں اور ڈوگروں کو نکالنے کی کوشش کی اور کامیاب ہوگئے۔ یکم نومبر 1948ء کو گلگت بلتستان کے لوگوں نے بھی آزادی حاصل کی اور پاکستان میں شمولیت کا اعلان کیا۔ قیام پاکستان کے بعد غذر کے علاقے نیم خود مختار تھے۔ ایف۔سی۔آر جیسے کالے قانون کی وجہ سے ان علاقوں پر پہلے کی طرح نظام حکمرانی تھی اور ہر ریاست پر ایک راجہ مسلط تھا۔ یہ راجگی نظام 1972ء تک جاری رہا۔ غذر کے لوگ تب تک اس نظام حکومت کے غلام تھے۔تعلیم وصحت یا کسی بھی ترقیاتی کام کا دارومدار راجے کی خوشنودی پر تھا۔ راجوں کے پاس بھی کوئی پیسہ اور جائیداد نہیں تھی۔ مالی مشکلات کے شکار یہ راجے خود سیاسی بھکاری بن چکے تھے' مرکز سے ملنی والی مدد بھی بہت محدود تھی۔1947ء سے1972ء تک غذر کے تمام علاقے راجگی نظام میں تھے۔۱۹۷۲ء کے بعد ان علاقوں کو سیاسی نظام میں حصہ ملا۔ضلع غذر کے وجود سے ہی یہاں پاکستانی نظام رائج ہوا۔ضلعی انتظامیہ اور سرکاری سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ پی پی پی دور حکومت کے بعد اس ضلعے کو ایک بار پھر ضلع گلگت میں ضم کر دیا گیا۔ اس وجہ یہاں کی ترقی کافی ماند پڑ گئی۔ 1989ء کو ایک بار پھر ضلع غذر بحال ہوگیا' سرکاری سکول' ہسپتال اور دیگر ادارے بنے اور آہستہ آہستہ ترقی کے دھارے میں شامل ہوتا گیا۔ پاکستانی وفاقی حکومت نے اس علاقے کو کافی ترقیاتی کام دیئے۔ سیاسی انتظامی معاملات اور جمہوری اقتدار کی وجہ سے اب ضلع غذر ہر معاملے میں دوسرے ضلعوں کے برابر ہے۔ گلگت بلتستان اسمبلی میں یہاں سے تین منتخب ممبران اور ٹیکنوکریٹ کی نشست پر بھی ایک دو کو موقع ملتا ہے۔ بہرحال قیام پاکستان سے ان علاقوں کے لوگوں میں شعور پیدا ہوا اور آزادی حاصل کی۔ وہ تمام حکمران جو یہ سوچتے

تھے کہ ان کی حکمرانی کا سورج کبھی غروب نہیں ہوگا نہ صرف غروب ہوا بلکہ ان علاقوں میں ایک نئی صبح کا آغاز ہوا۔ ؎

حرم سرا میں نہ ہوں گے حرم سرا والے
مگر غریب رہیں گے غریب خانے میں

اسلام کی آمد

گلگت بلتستان میں اسلام کی آمد کی تاریخ کا موضوع بھی ایسا ہی ہے جیسے اسلامی فرقے۔ ہر فرقے کے عالموں اور لوگوں نے اسلام کے اہم تعلیمات کو اپنے مفاد اور خیال کے مطابق تشریحات کی۔ ان علاقوں میں جب فرنگ پڑھے لکھے لوگ آئے تو ہر گاؤں کے حاکموں اور باخبر لوگوں نے اپنے اپنے عقائد کی پہل کی اور ان کو وہی بتایا جس پر وہ عمل کرتے تھے۔ اپنے عقائد بڑھا چڑھا کر بتانے کی وجہ سے فرنگوں نے اپنے کتابوں میں وہی چیزیں لکھ دی۔ اب موجودہ زمانے میں ہم پھر ان کتابوں سے ریفرنس لیکر کتابیں لکھتے ہیں تو آپ سوچئے کہ تحقیق کا کیا حال ہوگا؟ بہرحال ان تمام واقعات کے باوجود غیر جانبداری کا مظاہرہ بہت ضروری ہے۔ آیئے ان کتابوں اور لوگوں کی معلومات پر غور وفکر کریں۔

ابو اصفار رضوانی اخبار چودھویں صدی1900ء میں ذات پات کے بارے لکھتے ہیں کہ' ہندوستان میں موجودہ مسلمانوں کی بڑی ذاتیں چار ہیں، سید' مغل' پٹھان اور شیخ لیکن درحقیقت یہ تمام القابات و صفات ہیں' گلگت بلتستان میں اسلام پھیلانے والوں کے مشہور علماء اور صوفیاء کے نام اس طرح لئے جاتے ہیں؛ کشمیر کے اولین ناموں میں سید عبدالرحمٰن' بلبل شاہؒ جو1320ء میں مشرف اسلام ہوکر صدرالدین کے نام سے پہلا مسلم حکمران کہلایا۔سلطان محمود غزنوی بھی ان علاقوں میں اسلام کے اشاعت کے سبب بنے۔چودھویں صدی میں سیدامیر کبیرؒ 'سید ہمدان علیؒ سید میر محمدؒ اور سید محمد نور

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بخش کو ان علاقوں میں آکر اشاعت اسلام کی سعادت ملی۔ ڈریو کہتا ہے کہ

'' انہیں نہیں معلوم کہ یہاں کے لوگ کب مسلمان ہوگئے لیکن سکھوں کے عہد میں ۱۸۴۲ء میں نھتوشاہ جو مہاراجہ کشمیر کا نمائندہ تھا جب یہاں آیا تواستور کے مسلمان اپنے مردوں کو جلایا کرتے تھے انہیں دفن نہ کرتے لیکن نھتوشاہ نے انہیں مردے جلانے سے روک دیا کہ یہ مسلمانوں کا دستور نہ تھا اس کے باوجود وہ جب مردوں کو دفنانے لگے تو قبر کے قریب آگ جلاتے جو ماضی سے ربط پیدا کرنے کی علامت ہے''۔

ڈریو کے بقول مردوں کو جلانے کی رسم نھتوشاہ نے ختم کیا مگر قبر کے پاس آگ بقول ان کے لوگ ان کے یہاں آنے تک جلاتے رہے ہیں۔ شاید ڈریو کو یہ نہیں معلوم کہ یہاں کی اسلامی دعوت کافی پرانی ہے اور پیروں، داعیوں، شیخوں اور مبلّغین نے ان تمام رسومات کو تقریباً ختم کر دیا تھا۔ جہاں تک قبر کے پاس آگ لگانے کا تعلق ہے آگ اس لئے نہیں لگایا جاتا ہے کہ یہ ان کے ماضی کا عقیدہ ہے بلکہ یہاں قبور گاؤں سے باہر ہونے کی وجہ سے لومڑی یا اس طرح کے جانور قبر کے پاس آتے اور رات کو میت کھانے کا خطرہ رہتا ہے آگ جلانے کی وجہ سے درندے یہاں نہیں آتے اور لوگوں کو ڈیوٹی دینے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ رہی بات میت جلانے کی یہ سمجھ سے بلاتر ہے کہ اس زمانے میں یہاں کا کی اشاعت ہوچکی تھی پھر بھی میت جلانے کی رسم کیوں باقی رہی؟

ڈاکٹر ایم ایس ناز اپنی کتاب 'تصویر کشمیر' میں لکھتے ہیں کہ 'دسویں صدی عیسوی میں ایران کے طالع آزما خالص ایرانی فکروثقافت کا عزم لیکر نمودار ہوئے اور فقیروں اور درویشیوں کی صورت بنا کر اسماعیلی تحریک کی اشاعت کے لئے آئے۔ ان میں سب

سے پہلے کشمیر میں وارد ہوا اس کا نام میر شمس الدین عراقی تھا۔اس نے حاکم خراساں سلطان مرزا کے سفیر کے طور پر وادی میں قدم رکھا'۔ان کو کافی کامیابی ہوئی لیکن دیر پا نہیں۔ الحاج مولوی حشمت اللہ اپنی کتاب 'تاریخ جموں' میں لکھتے ہیں کہ میر شمس الدین عراقی ایران سے شیعہ مذہب کی اشاعت کے لئے آئے تھے وہ کہتے ہیں کہ وہ کچھ تحائف لیکر خراسان سے کشمیر آئے تھے'۔ میرے خیال میں جو بھی ہو وہ شیعہ مذہب کے تھے اور اسماعیلی مذہب بھی شیعوں کی ایک شاخ ہے لیکن ہمعصر مورخین ان کے بارے میں کم علمی اور عداوت کی وجہ سے اسماعیلی مسلک کو ایک الگ دین کے طور پر لکھتے رہے ہیں۔ حالانکہ اسماعیلی حضرت امام جعفرالصادق علیہ سلام کے بڑے بیٹے حضرت امام اسماعیلؑ کو امام مانتے ہیں جس کو امام جعفرالصادقؑ اپنی وصیت میں امام مقرر کر چکے تھے۔ یہاں اختلاف کی وجہ سے شیعان علی دو حصوں میں بٹ گئے ایک اثنا عشری مسلمان اور دوسرے اسماعیلی مسلمان۔ اثناعشریوں نے حضرت امام جعفر الصادقؑ کے چھوٹے بیٹے امام موسیٰ کاظمؑ کو امام مان لیا ان کا سلسلہ امام مہدیؑ تک جاری رہا اس کے بعد فرقہ اثنا عشری امام غائب پر یقین رکھتے ہیں جبکہ اسماعیلی امامت کا سلسلہ جاری ہے۔ صدیوں کے تاریخی سفر میں اسماعیلی کئی فرقوں میں منقسم ہوئے۔ (۱۸) اٹھارویں امام مستنصر باﷲؑ کے زمانے میں اسماعیلی مزید دو حصوں میں بٹ گئے ایک نے امام نزارؑ کو امام مان لیا جو امام مستنصر باﷲؑ کے بڑے بیٹے تھے ان کی آلِ اولاد سے امامت کا سلسلہ جاری رہا جو مصر سے ایران منتقل ہوئے اور الموت کو مرکز بنا کر وہاں اس فرقے کو منظّم کیا اور نزاری اسماعیلی کہلائے۔ 1842ء کو حضرت امام علی شاہؑ اسماعیلیوں کے چھیالیسویں امام نے ایران سے ہجرت کر کے کراچی میں سکونت اختیار کی اور اڑتالیسویں امام سر سلطان محمد شاہ الحسینی آغاخان سوّم نے ممبئی کو اپنا مرکز بنایا۔ اس کے بعد وہ یورپ تشریف لے گئے اور آج ہز ہائینس پرنس کریم آغاخان

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

(چہارم) شاہ کریم الحسینی صلواۃُ اللہ علیہ اسماعیلیوں کے انچاسویں امام ہیں۔اس فرقے کی تاریخی پس منظر اور عقائد کے لئے آپ (The Institute of Ismaili Studies London-IIS) دی انسٹیٹیوٹ آف اسماعیلی اسٹیڈیزلندن سے شائع کتب پڑھ سکتے ہیں۔ جبکہ امام مستنصر باللہؑ کے چھوٹے بیٹے مستعلی کو امام مان کرایک الگ فرقہ بناوہ مستعلی کہلائے لیکن اب وہ کراچی اور انڈیا میں بوہرہ جماعت کے نام سے مشہور ہیں۔ ایران میں 1510ء سے 1736ء تک شیعہ مسلک کی حکومت بھی رہی ہے اس لئے اس ملک کا دوسری سرحدات تک اس طرح کے علماء شیوخ' فضلاء' سیدوں اور سیاسی سرحدات کی پھیلاؤ کی کوششیں فطری بات ہے۔

وزیر حشمت اللہ کے مطابق تراخان کے زمانہ میں 1290ء تا 1335ء تاج مغل نے بدخشان سے گلگت پرحملہ کیا اور ایک مذہب پھیلائی اس کا نام مغلی تھا جو بعد میں بگڑ کر مولائی ہوا۔ مختلف لوگ اس بارے مختلف آراء رکھتے ہیں۔ مولائی مغل کی بگڑی شکل ہرگز نہیں۔ یہ مولا سے مولائی ہے۔ اشکومن' یاسین' گوپس اور پونیال میں لوگ اب بھی مولائی کہتے ہیں۔ اس طرح کی باتیں فریڈرک ڈریو(۱۸۷۵ء) نے بھی لکھا ہے ان کے نزدیک یہاں کے مسلمان شیعہ'سنی اور مولائی فرقوں میں تقسیم ہے۔ شیعہ اور سنی تو مسلمانوں کے مشہور فرقے ہیں ان کے بارے ڈریو نے تفصیل میں جانا ضروری نہیں سمجھا البتہ مولائیوں کے بارے وہ کہتا ہے کہ'یہ نور بخش ہیں یہ ایک طرح سے شیعہ ہیں مگر نوربخش نامی ایک بزرگ کواپنا امام مانتے ہیں اور اس کے طریقے پر چل رہے ہیں'۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ڈریو کو بھی صحیح معلومات نہیں ملیں۔ نور بخشی ایک الگ جماعت ہے جو سکردو اور استور کے علاقوں میں رہتے ہیں جبکہ اسماعیلی الگ ایک فرقہ ہے۔ اسماعیلی اپنے لئے مولائی اس لئے کہتے کہ قدیم زمانے میں امام کومقامی زبانوں میں مولا کہا جاتا تھا۔ اس لفظ کی اُس زمانے کی تشریح امام کے معنوں میں ہوتی تھی۔

یہاں کے اسماعیلیوں کے لئے اب بھی مولائی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔میجر براؤن کہتے ہیں''ہنزہ'پونیال'یاسین اور کھوہ غذر کے زیادہ تر لوگ مولائی ہیں جو ہزہائنس کے پیروکار ہیں''(ص۴۲)۔ اسی طرح ڈاکٹر شجاج ناموس نے اپنی کتاب ''گلگت اور شینا'' میں بھی اسماعیلیوں کومولائی لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ' مولائی مغل کی بگڑی ہوئی شکل ہے'۔ بعض اوقات دوسری برادری کے لوگ ان کومغل کا طعنہ دیتے ہیں حالانکہ تاج الدین مغل ان کے ایک سپہ سالار کا نام ہے جس نے ان علاقوں میں اسماعیلی مذہب پھیلائی۔ اس طرح کی معلومات لکھنے کو آج کل کی تحقیقی دور میں کم علمی اور جہالت کہا جاتا ہے۔ اب بھی یہاں یہ مسالک ایک دوسرے کے بارے بہت کم معلومات رکھتے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ علماء اور مولویوں کا ایک دوسرے کے فرقوں کے بارے غلط فہمیاں ہیں۔ اس دور جدید میں بھی ایک دوسرے کے بارے علم نہ ہونا ہماری بدقسمتی ہے جبکہ والڈوائٹ ویب میں ان عقائد کے بارے ہر چیز دستیاب ہے۔ انسٹیٹیوٹ آف اسماعیلی اسٹیڈیز لندن کی زیر نگرانی پیر ناصر خسروؒ کی تبلیغ' مسلک اسماعیلیہ پر کئی ایک تحقیقی کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں ان میں ناصر خسروؒ پر ایک مشہور کتاب 'لعل بدخشان' سب سے اہم ہے۔ اس کے علاوہ مشہور مورخ ایوانوف اور فرہاد دفتری کی تحقیقی کاوشیں بھی بہت اہم ہے۔ جنہوں نے مسلک اسماعیلیہ پر بہت کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں 'اسماعیلی تاریخ وعقائد'' اسماعیلیوں کی مختصر تاریخ' اور کئی ایک مقالے www.iis.ac.uk کی ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔ تاج الدین مغل کے بارے میں مورخین میں بہت زیادہ اختلافات ہیں اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ اس کے بارے میں مستند معلومات اب بھی دستیاب نہیں۔ 'تاریخ عہد عتیق ہنزہ' شمالی علاقہ جات میں اسماعیلی دعوت' اسماعیلی دعوت از عبداللہ جان' قراقرم کے قبائل وغیرہ وغیرہ میں اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ایک اسماعیلی جنزل تھے جس نے یہاں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دعوت پھیلائی۔ ڈاکٹر عزیزاللہ نجیب نے اپنے ایک حالیہ مضمون'تاج مغل حقیقت یا افسانے' جو سہ ماہی فکرونظر جنوری تا جون ۲۰۱۲ء گلگت بلتستان/چترال میں شائع ہوا ہے' کہتے ہیں کہ ''تاج مغل کوئی اسماعیلی جنزل نہیں رہے ہیں اور نہ ہی وہ ان علاقوں میں آئے ہیں۔ اگر وہ اسماعیلی ہوتے تو یہاں اسماعیلی دعوت کے نظام کو بھی نافذ کرتے یعنی خلیفہ' داعی مقرر کرتے۔ دوسری اہم بات یہ کہ بدخشان اور ان کے سرحدات میں اس قسم کے کسی آدمی یا جنزل کا کوئی آتہ پتہ نہیں۔ تیری بات یہ کہ جس وقت اُس نے گلگت بلتستان پر حملہ کیا اُسی وقت اسماعیلی ایران میں اور دیگرعلاقوں میں حالت جنگ میں تھے ایک مخالف جنزل اس فرقے کی دعوت کیسے کرسکتا ہے وغیرہ وغیرہ''۔(اس مضمون سے اقتباس کا خلاصہ ہے)۔ ان کا کہنا ہے کہ اسماعیلی دعوت پیر ناصرخسروؒ کے شاگروں نے اس علاقے میں کچھ صدیاں پہلے کی ہے۔

1500ء کے بعد چترال' گلگت' غذر اور بدخشان کے علاقوں میں اسماعیلی مذہب کی کافی اشاعت ہوچکی تھی۔ غذر میں اسماعیلی فرقے کی آمد شمال سے بدخشان اور چترال سے ہوئی ہے۔ اشکومن'یاسین اورچترال کاتعلق زیادہ ترشمال کی جانب تھا۔ یارخند سے بدخشان اور افغانستان کے کئی علاقوں میں اسماعیلی مذہب پیر ناصرخسروؒ کے زمانے میں پھیل چکی تھی۔حکیم پیر ناصرخسروؒ (1004ء) قبادیان بلخ میں پیدا ہوئے۔آپ اور بعد میں آپ کے شاگردوں نے ان علاقوں اسماعیلی مسلک کی اشاعت کی۔ آج تک ان کی اولادسے یہاں کے اسماعیلی اس وجہ سے مذہبی ہمدردی رکھتے ہیں اوران کی اولاد کو قدر کی نگاہ سے دیکھاجاتاہے۔

اسماعیلی دعوت کے بارے میں الواعظ فداعلی ایثار' الواعظ عبداللہ جان ہنزائی' پروفیسر عثمان علی اور دیگر مورخین نے کافی کام کیاہے۔ غذر کے بارے میں ان کی کتابوں میں تفصیلی تاریخی موادنہیں تاہم چند ایک تاریخی واقعات کا ذکر کیاہے۔ اسماعیلی دعوت

میں چند خاندانوں کے علاوہ بہت سارے لوگوں نے بے لوث خدمات کی ہے ان کے بارے میں بھی تحقیق کی ضرورت ہے۔پوری دعوت کو ایک خاندان سے منسلک کرنا آج کے تحقیقی دور میں مناسب نہیں۔کسی بھی مذہب کی تبلیغ میں بہت سارے عناصر کارفرماہوتے ہیں۔آپ بھی ذرا سوچیے! مثال کے طور پر تاجر' قیدی' خانہ بدوش'سپہ سالار یافوجی 'سیاح' جاسوس یا مخبر'طلباء' شادیاں اور رشتے'یہ تمام وہ عناصرہیں جو مذہب' زبان یا نظریات کی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ میرے تحقیق کے مطابق ان لوگوں نے اپنے مذہب' رسومات' ثقافت اور زبان کوجہاں بھی گئے اپنے ساتھ لے گئے۔محکوم ہونے کی وجہ سے نئے علاقوں میں قیام کے بعد پھر اپنے انہی آقاؤں اورمبلغین کو اپنے پاس لاکرنہ صرف ان کو اپنا حکمران بنایا بلکہ ان کورہائش اور دیگر ضروریات بھی دی ۔۔۔ستم یہ کہ اتنی خدمت کے باوجود ان پرپھرظلم وجبر۔۔۔تبدیلی کی تیزموجوں اور اپنی زیرکی کی وجہ سے اگر ان پیشہ وروں میں سے کوئی کسی عہدے پرفائز ہوجائے تو یہ ان بلائے گئے آقاؤں کو پسند نہیں۔۔۔بہرحال یہ عام لوگ ہی تھے جنھوں نے سعوبتیں برداشت کئے' قلعوں اور محلوں کے لئے پتھر'لکڑی اور خون پسینہ لگایا۔ زمینداری کی لیکن غلہ ان کو دیا' مال مویشی پالا گوشت ان کو دیا' گھی بناکر کھانے کے لئے ان کو دیا' اچھا مکان بنائے تو رہنے کے لئے وہ حاضر' کوئی ہوشیارلڑکا دیکھاتوجوانی ہی میں سرکاٹ دی' یا علم و ہنر سے اس کو دور رکھا'۔۔۔انہوں نے ریاست یااقتدار کا معاملہ پیش آنے پر مذہب بدل لیا اورپوری قوم کو بھی ایسا کرنے دیا'یہ وہ حقائق ہیں جن کا تاریخ میں ذکر نہیں۔

بہرحال مذہب اور زبان کی ترویج میں بادشاہوں' مبلغین اور بزرگوں کے ساتھ ان عام لوگوں کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔

اسماعیلیوں کے ساتھ ساتھ غذر میں اہل السنّت والجماعت کافی تعداد میں آباد ہیں۔ ان

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کے بارے میں مورخین کہتے ہیں کہ چترال‘سوات‘دیر‘چلاس اور سرحدی علاقوں کی طرف جانے والے حکمران اس مسلک کی اشاعت کا سبب بنے۔ان کے بارے اگلے صفحات میں بات ہوگی۔

اسلامی مسالک

قدیم تاریخ کے ذکر میں یہ بتایا گیا تھا کہ غذر کی وادیاں بھی مختلف مذاہب کا مسکن رہی ہیں۔ زرتشت‘بدھ مت‘ہندو مت اور دیگر غیر الہامی مذاہب کے آثاران علاقوں میں ملتے ہیں۔ باوجود اس کے اسلام کی ان علاقوں میں آمد کے بعد وہ تمام مذاہب کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے یاان علاقوں کوچھوڑکر چلے گئے۔ غذر کی وادیاں چونکہ چائنا‘روس‘ افغانستان اورچترال سے ملحقہ ہیں اس وجہ سے ان علاقوں میں موجود تمام مذاہب کے آثار یہاں نمایاں ہیں۔ وسط ایشیا اور افغانستان کے علاوہ پاکستانی سرحدات کے قریب ہونے کی وجہ سے کشمیر اور دیر سوات وغیرہ سے بھی ان علاقوں میں مذہب پر بہت اثرات مرتب ہوئے۔ بہرحال الحمد اللہ آج پورے غذر میں سو فیصد اسلام کا بول بالا ہے۔

غذر میں میں 80 فیصد شیعہ امامی اسماعیلی مسلمان‘ 19.99 فیصد اہل السنّت و الجماعت (سنی مسلمان)اور 01. فیصدشیعہ اثناعشری مسلمان آباد ہیں۔ بیرچ‘ گلاپور‘ دلناٹ‘ برگل اور اسمبر کے گاؤں میں اہل السنّت والجماعت کی اکثریت ہے۔ شیر قلعہ‘ گوہرآباد‘سنگل‘بوبر‘گورنجر‘ گاہکوچ‘ہاتو ‘ہاسس‘ چٹورکھنڈ‘ پکورہ ‘اشکومن ‘ایمت‘ بارجنگل‘ دائین‘ سلپی‘ گلمتی‘سمال‘روشن‘ یانگل‘ ہاکس ‘گوپس‘جنڈورٹ‘پنگل‘ شمرن‘ پھنڈر‘ گلاغمولی‘ ٹیرو‘ نازبر‘ یاسین‘درکوت‘ تھوئی اورسندی وغیرہ میں شیعہ امامی اسماعیلی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ پورے غذر میں ملی اتحاد اور مذہبی یکجہتی پائی جاتی ہے۔ سب لوگ

مذہب کے علاوہ ثقافت اور تاریخی لحاظ سے ایک دوسرے کے بہت قریب رہے ہیں۔
شیعہ اثناعشری جماعت کے لوگ شیرقلعہ‘ یاسین اور گاہکوچ میں بتیس (۳۲) گھرانوں پر مشتمل ہیں۔

قدیم قبائلی اور ریاستی فسادات کی وجہ سے ان کے ذہنوں میں آپس کے لئے چند غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے دبے دبے لہجے میں سوالات ہوتے رہتے ہیں۔ صدیوں ساتھ رہنے کے باوجود یہاں کے لوگ ایک دوسرے کی مذہبی رسومات‘اقدار‘رویوں اوربنیادی عقائد سے سو فصد آگاہ نہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ بچوں کی بنیادی مذہبی تعلیم دیتے وقت ہم صرف اپنے اپنے فرقے کی تعلیمات سکھاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم میں دین اسلام میں تکثیریت اور گونا گونی کی تعلیم دی جائے اور بچوں کو ایک دوسرے سے نفرتیں پھیلانے کی بجائے محبتیں بانٹنے کی تعلیم کے علاوہ عقیدہ‘ ثقافت اور تاریخ کے علوم سے بھی آشنا کیا جائے تو یقیناً ہماری نئی نسل دین اسلام کی تعلیمات سے اس طرح اگاہ ہو جائے کہ دین اسلام ایک باغ کے مانند ہے جہاں ہر طرح کے پھول(مسلک) ہیں اور یہ تمام پھول (مسلک)اس ایک باغ کے اندر مختلف رنگوں میں جلوہ نما ہیں۔ ہمیں مل کر مساجد‘ امام بارگاہوں اور جماعت خانوں کو آباد رکھنے کی کوشش کرنی چاہیۓ تا کہ ہر فرقے کے لوگ اپنی اپنی عبادات اور رسومات اس طرح بجا لائیں کہ معاشرے میں ان کا اثر نظر آئے۔ ہرمسلک کے ماننے والے اس طرح اپنی عبادات کی ادائیگی کریں کہ کسی پر احسان نہ ہوان کا ایک مقصد ہو اور وہ یہ کہ اللہ ان سے راضی ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو۔

ادبی سرگرمیاں

غذر میں ادبی سرگرمیاں بہت کم پیمانے پر ہیں۔ اگرچہ یہاں کے سپوتوں نے علم و

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ادب کے فن میں بڑا نام کمایا مگر اس سرزمین سے ادبی تنظیموں نے کم ہی سرگرمیاں کی۔ زبان وثقافت اور علم وفن سے ہی قومیں اپنی شناخت پاتے ہیں۔ انفرادی کوششیں چند افراد کرتے رہتے ہیں۔ لیکن سرکاری سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے ان کو صحیح معنوں میں پنپنے کا موقع نہیں مل پاتا۔ غذر آرٹ کونسل، ترقی کھوار زبان، کاروانِ فکروادب، غذر اور چند مقامی نجی تنظیمیں چھوٹی چھوٹی کاوشیں کرتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آنے والے وقت میں اجتماعی کوششیں کی جائیں۔ اخباروجرائد، کتابیں، کہانیاں اور تاریخی و ثقافتی ادبی سرگرمیوں سے ہی اس علاقے کی تاریخ کو زندہ رکھاجاسکتا ہے۔

اس وقت غذر میں کافی صحافتی کام ہو رہاہے میڈیامیں نمائندگی اچھی خاصی ہے۔ اخبارات اور جرائد کافی مقدار میں یہاں پہنچتے ہیں۔ اسکے علاوہ شعراء، ادباء، کالم نگار اور لکھاری خواتین و حضرات اپنے تخلیقی ادبی کاموں کو شائع کرانے کی بھر پور کوشش کرتے ہیں۔ اس علاقے کے مشہور اور اہم لکھاری حضرات جو کالم بھی لکھتے ہیں اور تجزیے بھی، ان میں سینئر دردانہ شیر، یعقوب عالم طائی، اسرارالدین اسرار، جاوید اقبال، شکوراعظم رومیؔ، کامریڈ اکبرشاہ، راحت علی شاہ، دولت جان(ڈی۔جے) مظلؔ، عبدالکریم کریمیؔ، راجہ عادل غیاث اور قاسم شاہ شامل ہیں۔ اس میدان میں اب بہت سے نوجوانوں نے قدم رکھاہے آنے والے ادوار میں انشاء اللہ وہ بھی بہتر کارکردگی دکھا کر اس علاقے کی ترویج میں اپنا کردار ادا کرینگے۔

آثارقدیمہ

علم تاریخ اورعلمِ آثار قدیمہ کاچولی دامن کاساتھ ہے۔ اگرچہ یہ موضوع نہایت دقیق سمجھاجاتاہے لیکن آرکیالوجی (Archeology)اب ترقی یافتہ ملکوں میں ایک اہم موضوع کے طور پر دیکھاجاتاہے۔ آرکیالوجسٹ اپنی محنت اور تحقیق سے آثار قدیمہ کا بغور جائزہ لیکرمنطقی بنیاد پر کسی تہذیب اور ثقافت پر رائے قائم کرتے ہیں۔ آثار

قدیمہ اور نوادرات کسی بھی تہذیب اور قوم کی شناخت کا ذریعہ ہیں۔ اس سلسلے میں بابل ونینوا، روم وایران، مصر، گندھاراآرٹ، ہڑپہ، موہن جو داڑو، ٹیکسلا اور شمالی علاقہ جات کے اہم آثار قدیمہ قدیم تہذیب کی سمجھ کیلئے بہت ضروری ہیں۔' اس سلسلے میں 1981ء میں ڈاکٹر احمدحسن دانی کی قیادت میں جرمن ٹیم نے ان علاقوں کا دورہ کیا تھا۔ گلگت بلتستان کے کئی علاقوں کے دوروں سے اس گروپ نے اس علاقے میں چند اہم دریافتیں کئے۔ (پاکستان کے آثارِ قدیمہ، شیخ نوید اسلم، 2008ء)

وادی یاسین میں نازبر نالے کے ساتھ پتھروں پرکچھ لکھائی ہے جس سے اس علاقے کے بارے کافی معلومات ملتی ہیں۔ جیسا کہ احمدحسن دانی لکھتے ہیں؛

> "In Yasin just by the side of Nazbarnala, as we go down on its eastern side, at the place of Fitidas there is a boulder jutting out from the side bank. It is embedded in the gravel. There may be more on this spot. This boulder has very faint engravings, which most probably fall in category A. The engravings represent only and animals, having the interior of the body packed. As the site is not far from Pamir, apparently should be cultural link with trans-pamir

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

engravings". (History of Northern Areas, p-100).

'جوں ہی ہم یاسین کے مشرق سے ناز بر نالے کی طرف اترتے جاتے ہیں وہاں فتی داس کے کناروں سے تھوڑا آگے ایک چٹان دکھائی دیتا ہے۔ اس کو یہاں رکھا ہوا پایا گیا۔ اس علاقے میں اس طرح کی چٹانیں اور بھی ہوسکتے ہے۔ اس کو بہت خوبصورتی سے سجایا گیا ہے جن کو پہلی کیٹگری میں رکھا جاسکتا ہے۔ اس چٹان پر جانوروں کی تصاویر جیسی نقش نگاری ہیں جو عمدہ طریقے سے بنائے گئے ہیں۔ یہ نقش نگاری ہمسایے میں پامیر جو کہ بہت دور بھی نہیں، سے ملتے جلتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ انہی کے ثقافتی آثار ہیں''۔

یاسین کے اس نالے میں اس قسم کے قدیم آثار ملتے ہیں۔ ان علاقوں میں پہاڑوں اور چٹانوں پر قدیم مجسمہ سازی اور کندہ کاری ملتے ہیں۔ زیادہ تر مارخور، پھول، گھوڑے، بدھا، سٹوپے اور دیگر علاقائی جانوروں کے نقشے نظر آتے ہیں۔ تھوئی، درکوت اور قرقلتی نالوں میں بھی اس طرح کے مناظر ملتے ہیں۔

دوسری جانب گوپس کے پہاڑوں پر بھی اس طرح کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اس حوالے سے احمد حسن دانی لکھتے ہیں کہ

"Engravings seen on numerous boulders between Gupis and Funder Lake on the way to Shandur pass and Chitral are definitely later in date as

they show mounted horse, men and circle of solar motifs or squares having dots within. We also get here impressions of palm. It may be pointed out that these designs are also seen in the Pamir region."(P-100).

'بہت سارے نقش نگاری کی عمدہ چٹانیں گوپس سے پھنڈر جھیل تک شندور چترال کی طرف راستے میں پائے جاتے ہیں۔ یہ نقش نگاری یا کندہ کاری بہت بعد کی لگتی ہے جس میں نقطوں سے گھوڑے، آدمی، گھول دائرے اور مربعی اشکال بنائے گئے ہیں۔ ہم ان اشکال سے۔۔۔کا تاثر لے سکتے ہیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ان اشکال کو پامیر سے لیا گیا ہے'۔

گوپس سے شندور تک کی پہاڑیوں پر اس قسم کی نقاشی، مجسمہ سازی اور کندہ کاری عام طور پر ملتے ہیں۔ مقامی لوگوں کو ان چیزوں کی تاریخی اہمیت کا اندازہ نہیں اس لئے ان کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے لیکن ان چیزوں کے بارے میں لوگ کہانیاں خوب سناتے ہیں۔ مثال کے طور پر گوپس ڈوڈوشوٹ کے اوپر پہاڑی پر ایک دروازے کی شکل کی کندہ کاری یا آثار ہیں۔ مقامی روایات میں اس کو پریوں کا مسکن کہا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اہم تقریبات شادی بیاہ میں اس پہاڑی سے گزرتے ہوئے کسی جانور کی قربانی دی جاتی ہے۔ آج کل مرغیاں ہی اس قربانی اور نذرانے کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔ یہ قربانی یا نیاز اس لئے دی جاتی ہے قدیم زمانے میں ایسا نہ کرنے کی وجہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سے اموات واقع ہوئی ہیں یا بیماریوں کا شکار ہوئے ہیں۔ ہمرداس چائنا پل سے تھوڑا آگے یاسین کی طرف ایک چٹان پر بھی اس روایت کی بنیاد پر جانور کی قربانی یا نیاز دی جاتی ہے۔

وادی یاسین میں نوح، برکلتی، درکوت، پونیال میں گورنجر، بوبر، سنگل، شیر قلعہ، ہاتون، گوہرآباد، اشکومن میں دائین، ایمت، چھاوراشکومن، ہندس اشکومن اور گوپس میں سمال، راؤشن، جنڈورٹ، دائیمل، چھشی اور گلاغمولی میں کچھ چٹانوں پر قدرتی اور انسانی فنون کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے بارے مافوق الفطرت عقائد ہیں۔ اسلام کے ان علاقوں میں پھیلنے کے بعد ان میں کمی آگئی اور وقت کے ساتھ ساتھ نئی نسل ان مافوق الفطرت عقائد سے دور ہوتی آرہی ہے۔ دوسری طرف علماء اور محققین نے ان رسومات اور عقائد کے بارے لوگوں کو آگاہ بھی کیا اس کے باوجود کچھ لوگ اب تک ان چیزوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی کچھ بھی کہے ان چیزوں کا ہماری زندگی پر گہرا اثر ہے کہیں ایک دو واقعات کی وجہ سے لوگ ان رسومات کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اب حالات اس نہج تک پہنچ چکے ہیں کہ پڑھے لکھے لوگ جانتے ہوئے بھی ان رسومات کی بجاآوری میں اپنے بزرگوں کی نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اس کی ایک وجہ ان چیزوں سے خوف ہے۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر یہ رسومات منانے کی وجہ سے اب یہ رسومات یہاں کے سماج کا حصہ بن چکی ہیں۔ نہ جانے یہ رسومات تبدیلی کے سیلاب کا کب تک مقابلہ کر پائینگی۔

قدیم دور کے آثار ان علاقوں میں مختلف صورتوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً 'موضع ہاتون کے پاس سنگی کتبے کے مطالعے سے جو پونیال میں واقع ہے مہاراجہ پٹالودیوا شاہی کے عہد میں دریائے اشکومن پر ایک بند باندھا گیا تھا اور اس بند سے ایک نہر نکال کر ایک نیا قصبہ مکراپورہ بسایا گیا تھا۔۔۔ لفظ ہنی سارا اور گلگت اس سنگی کتبے میں

مرقوم ہیں۔ بعض ماہرین کہتے ہیں کہ یہ سنگی کتبہ آٹھویں صدی کا ہے۔' ہاتون کے اس سنگی کتبے کا ٹیکسٹ اور اردو ترجمہ اس مطابق ہے'

''اقبال بلند ہو! پرامابھترا کا مہاراجہ دھراجاپرامن ورا پتولا دیواشامی کے پُراسودہ دورحکومت کے (۴۷) سنتالیس سال تیرویں (۱۳) جزوی چمکدار پوشہ کے دن' پرنور ناوا سُرندرادیتا ننّدی دیوا' بھگاداتامکاسمھا کی نسل میں پیدا ہوئے جو کہ ہاتھیوں کے عظیم آقا (مہاگاجاپاٹی) وزیراعظم مہاسیتا' جاگیرداروں کے عظیم بادشاہ (مہاسامنتا دھپارٹی) اور سپہ سالار گلگتیہ (گلگیتایومگا) ہیں۔ جن کا تعلق کچودی قبیلے سے ہے اور جو ہمہ وقت عظیم شاہی آقا کے قدموں میں وقف ہیں جنہوں نے دونسوامالا نامی جنگل میں ایک نیا شہر مکراپورہ آباد کیا۔ قبل ازیں ندی بنام چاٹ شکمکا پر ایک بند باندھا (لمبائی جو کہ) ایک ہزار کیونٹس (ہتاس) اور پھیلاؤ میں **گاؤں ہاتونہ**' ضلع (وشایا) ھنی سارا (شہر جو مائل بہ ترقی) کی فصیل تک ہے بتیس (۳۲) ہزار ہتاس۔ (تا ازل قائم رہے) جب تک چاند' سورج' زمین قائم ہیں۔ یہ والدہ' والد' اہلیہ اور تمام مخلوقات کی فلاح و بہود کیلئے بنایا گیا''۔ (تاریخ اقوام دردستان' صفحہ نمبر ۲۸۷)

اس بارے میں ایک جگہ لکھا ہے۔

"....the inscription refers to the prosperous region of paramabhattaraka maharajahiraja

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

paramesvara.The Tukarapura, obviously the same site where the inscription has been installed on the bank of Ishkoman River, by makara-simha...district (vishaya) of hanisara identical with Hanisara old name of Ishkoman Valley... Urban centre developed after a dam was built on the river. A usual method of Channeling River water in this region"

(pp151, 152)

اردو ترجمہ: ''اس کتبے میں خوشحال پارامہاٹراکامہاراجہ پرا میسوارا کے علاقے کا ذکر ہے۔ ٹوکاراپورا یقیناً اُسی جگہ دریائے اشکومن کے کناروں پر سے مکاراسمہانے نصب کیا تھا۔۔۔ یہ علاقہ (وِسہایا)ہنی سارا جوکہ وادی اشکومن کا قدیم نام ہے کی عکاسی کرتاہے۔ یہ شہری علاقہ اس بند کی تعمیر کے بعد ہوئی تھی۔ اس طرح کی ترقی بہتے دریاپر ہی ممکن ہے''۔

N.P. Chakravarti اپنی مضمون (Hatun Inscription of Patola (deva, 1953-54, pp.226-231 میں اس اہم دریافت کی وضاحت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'ہاتون اس وقت ایک عظیم اور خوشحال ریاست تھی۔ اس عظیم ریاست کا نام '' Paramabhattaraka Maharajadhiraja

Paramesvara'' تھا کہا جاتا ہے کہ ہاتون کے قریب ایک ڈیم بنایا گیا تھا اور اس وجہ سے اس علاقے میں لہلہاتے کھیت اور خوشحالی تھی'۔ ان تاریخی دریافتوں سے ان علاقوں کی قدیم تہذیبوں کے بارے میں آگاہی ہوتی ہے۔ اُس زمانے کے لوگوں کی سوچ اور فکر کے بارے میں معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ موجودہ ہاتون میں اس تہذیب کے آثار کے علاوہ کچھ نہیں کیونکہ قدرتی آفات اور سیلابوں کی وجہ سے اس علاقے کی جغرافیائی شکل ہی بدل گئی ہے۔ قیاس ہے کہ اس وادی میں ڈیم کی گنجائش اس لئے بھی ہے کیونکہ ہاتوں وادی اشکومن کے عین شروع میں واقع ہے۔ جہاں ڈیم بنایا جا سکتا تھا۔ ایک اور ممکن یہ بھی ہے اُس وقت ہاتوں سے آگے چونکہ گلوداس' دماس اور گاہکوچ کے علاقے واقع ہیں۔ ان علاقوں کے لئے پانی اس ڈیم سے مل رہا ہوگا۔ ڈیم سے مراد آج کل کے ڈیم نہیں بلکہ ایک بند ہوگا جو کسی حد تک ان علاقوں کے لئے کافی ہوگا۔ اس کی بلندی کئی فٹ ہوسکتی ہے۔ زیادہ اونچائی ممکن نہیں۔ دلائل دینے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ ثابت کرسکیں بلکہ ان کے اس کاوش کو داد دینا ہے۔ ہم ان کے بعد ماضی قریب کی تاریخ کو بھی توپڑھتے ہیں لیکن اس میں سوائے ایک دوسرے پر حملے کے علاوہ کوئی اہم کام نظر نہیں آتا۔ بہرحال مورخین اور تاریخ دانوں کی ایک کاوش ہے جس سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس دریافت کی مزید وضاحت ان لوگوں نے بھی کی ہے۔

"A succession of scholars such as sir Aurel stein and professor Karl Jettmart, collected bronze, Iron as well as gold and silver objects spread over a wide region... and Ishkoman

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

Valleys" Dani, Ahmat Hassan .2001

اس کے علاوہ ہاتون اشکومن سے بھی قدیم تاریخی چیزیں ملی ہیں۔ جن کا حسن دانی نے مذکورہ کتاب کے صفحہ ۴۸ پر تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ صفحہ نمبر ۱۱۲ پر لکھتے ہیں کہ

"In 1940 bronze rhyton was found from a habitation mound near Immit in Ishkoman valley ... another find from the Ishkoman valley was reported by Sir Aural stein. It was a bronze Cauldron with two side's handles and a projection framing a horse and the head, breast and arms of an elderly man. This composite figure is intended to represent a centaur of Greek mythology...The rhyton of Hellenistic inspiration." (Dani, Hassan. pp112-113)

قراقرم کے قبائل (1985ء) میں ڈاکٹر محمد رفیق مغل نے بھی ان شواہد کا تذکرہ کیا ہے جسے وہ یونانی متھالوجی کے قنطورس قرار دیتے ہیں۔(ص ۱۸۹) اس طرح رشید احمد ندوی اس بارے میں کہتے ہیں کہ

''وادی اشکومن کے مشہور گاؤں ایمت کے ایک ٹیلے سے

کانسی کی بنی ہوئی ایک رائٹین بر آمد ہوئی تھی جسے سر آرل سیٹین نے دریافت کیا۔ اس کے مطابق نچلا حصہ گھوڑے کی ٹانگوں اور جسم کا مظہر تھا اور سر، سینہ اور بازو ماضی کے آدمی کے شبیہ سے مشابیہ تھے۔ اس قسم کی صناعی عہد قدیم کے عقیدے کے مطابق بھی تھی۔ اُس عہد کی عجیب الخلقت معبودوں اور بتوں کی نمائندگی بھی کرتی تھیں جسے سر آرول سیٹین اپنے ساتھ لے گئے اور اکسفورڈ کے عجائب گھر میں محفوظ کردیا جس کا نام اشمولین ہے''

(رشید احمد ندوی ۱۹۹۰ء صفحہ۲۹)۔

یحییٰ امجد اپنی کتاب 'تاریخ پاکستان' میں ان علاقوں کے بارے میں الگ نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے 'چینی بادشاہ نے تقریباً ۷۴۷ء میں چترال پر حملہ کرکے وادی گلگت اور شمالی چترال تک چینوں کی حکومت پھیلائی۔ ۷۵۱ء میں چینیوں اور عربوں کے درمیان سخت ٹکراؤ ہوا اور عربوں نے چینوں کو شکست دی'۔ (صفحہ ۵۱۳) یہ حملہ درکوت یاسین کے درے سے کیا گیا تھا۔ ان حملوں کی وجہ سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ یہاں کے لوگ بھی چائنا تہذیب سے اگاہ ہوئے ان کو پتہ چلا کہ لوگ چائنا میں بھی رہتے ہیں اور ان کی ایک تہذیب بھی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں میں کچھ لوگ ان علاقوں میں رہے اس وجہ سے اپنی زبان اور تہذیب کے آثار چھوڑ گئے۔

ثقافتی تہوار و رسومات

اس علاقے میں قدیم زمانے سے بہت دلچسپ رسومات اور تہواریں منائی جاتی ہیں ان میں سے بعض مذہبی تہوار و رسومات ہیں اور بعض غیر مذہبی لیکن ان سب کے پس منظر میں مذہبی عقائد ہی کار فرما ہیں۔ زرعی معاشرہ ہونے کی وجہ سے تمام رسومات اور

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

تہوار فصلوں اور آب وہوا کی مناسبت سے منائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر سال کے شروع میں جشن بہاراں پورے غذر میں منائی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ فروری تا مئی جاری رہتاہے۔ اس دوران بل صفائی اور نہروں کی صفائی ہوتی ہے۔ ہرعلاقے میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ مناتے ہیں۔ ہرسال جولائی میں گندم کی کٹائی سے کچھ عرصہ قبل ان علاقوں میں ایک رسم منائی جاتی ہے جس کو گندم کے خوشوں کے ساتھ منسلک کیا گیاہے۔ اس رسم میں بھی شکرانے کی رسومات ادا کی جاتی ہیں اور فصل پکنے کی خوشی میں یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ نسالو سردیوں کے لئے گوشت زخیرہ کرنے کی رسم ہے جس میں گوشت کو سکھا کر رکھا جاتاہے تاکہ سردیوں میں کھایاجاسکے۔ گاؤں سے نالوں میں مال مویشیوں کے ساتھ جانے اور آنے کی بھی رسومات ہیں۔ شادی بیاہ، پیدائش کے موقع کی رسومات، اموات اور کفن دفن کی رسومات، رشتہ داریوں اور مذہبی رسومات ان سب پر الگ الگ بحث کرینگے۔

ان تمام رسومات میں مذہبی و اجداد پرستی نمایاں نظر آتی ہے۔ یہاں اجداد پرستی بھی نظر آتی ہے۔ مختلف مقامات پر لوگ اپنے آباؤاجداد سے منسوب مقامات یا علامات کی اب تک پرستش تو نہیں لیکن قدر ضرور کرتے ہیں۔ ان علاقوں میں لوگوں کے ناموں سے بھی ان کی تاریخی اور مذہبی لگاؤ کا اندازہ ہوتاہے۔ مثلاً گوٹی، بٹو، گوکو، فُر دم، ژاکونو، ھانو، داشو، جاپان، چین، امریکہ، بھارت، بلبل، خونزا، بیکو، شپیر، لوٹو، فونز اور ڈنگی وغیرہ شامل ہیں۔ آگے ہم چند ایک علاقوں کے رسومات پر نظر ڈالتے ہیں تاکہ ان کے عقائد کا مزید اندازہ کرسکیں۔

گاہکوچ بل صفائی کی رسم

رسومات اور تہوار کسی قوم کی قدیم تہذیبوں سے وابستگی کو ظاہر کرتی ہیں۔ گاہکوچ بالا میں ایک دلچسپ رسم جشن بہار کے موقع پر منائی جاتی ہے۔ اس رسم کی ادائیگی ہرسال

مئی میں ہوتی ہے اس موقع پر سارے گاؤں کے لوگ جمع ہو تے ہیں۔ اس دن کا انتظام اور قیادت ایک خاندان کے پاس ہے جس کو 'پھتہ کِن' کہتے ہیں۔ گاؤں کے لوگ اس رسم کے لئے ایک جانور کو نیاز کے لئے تیارکرتے ہیں۔ اس رسم کے لئے جانور کے علاوہ گندم (غلہ) کو آگ میں گرم کیاجاتاہے اور ان دَانوں کو ایک پتھر کے اوپر پیساجاتاہے۔ پھر اس آٹے کو گوندکر خمیر بنایاجاتاہے۔ اس خمیر کو پھتہ کن میں سے ایک آدمی نالے میں کوہل (نہر) کے شروع میں ایک خاص جگہ پر تین دفعہ ڈالتاہے۔ ایک اور آدمی اس کو پانی سے نکال کر پھر اس کو دیتاہے یہ رسم تین دفعہ ادا کی جاتی ہے۔ لوگ سب اس منظر کو دیکھتے ہیں اس رسم کے بعدسب لوگ مل کردعا کرتے ہیں۔ اس دعا میں پورے سال کے لئے پانی، امن، اتفاق، یکجہتی، فصل میں برکت اور صحت کے لئے کی جاتی ہے۔ اس کے بعد جانور کی نیاز کرتے ہیں۔ اس کھانے میں لوگ اس طرح گروپوں میں بیٹھتے ہیں کہ ہر خاندان یاقوم کا الگ دائرہ ہوتاہے۔ اس کھانے کے بعد سہ پہر کو پولو کھیلاجاتاہے۔ جس میں اس گاؤں کے علاوہ بھی لوگ حصہ لیتے ہیں۔ ماضی میں اس رسم کی مزید پیچیدگیاں تھیں جو اُن کے عقیدے کی عکاس تھیں۔ ان علاقوں میں اسلام کی اشاعت کے بعد علماء، پیروں اور صوفیاء نے ان رسومات کو ختم کرنے کے بجائے ان رسومات کو بھی اسلامی لبادہ پہنایاہے۔ اب ان کی ادائیگی میں قرآن پاک کی آیات اور دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ فصل میں برکت، صحت، امن، اتفاق و اتحاد، پانی کی فراوانی کے لئے اللہ سے دعا کی جاتی ہے اور اس سے مدد مانگتے ہیں۔ اس موقع پر اہل بیت اور آل محمدؐ پر صلواۃ بھیجنے کے ساتھ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا بھی اقرار کیاجاتا ہے۔ اگرچہ یہ رسم بہت قدیم ہے لیکن اس رسم کی وجہ سے لوگوں میں اتحاداوراتفاق ہے۔ سب ملکر ایک دن سارے کوہل کی صفائی کرتے ہیں۔ ایک قیادت کو مانتے ہیں۔ اس دن پانی کی باری اور نظم و ضبط کا بھی اعلان ہوتا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہے۔ یہ رسم ایک لحاظ سے جشن بہاراں کی محفل بھی ہے اس لئے لوگ دوسرے کام کاج چھوڑکراس میں شرکت کرتے ہیں۔ نئی نسل اس رسم کی مخالفت اور ایسی رسومات کوفرسودہ قرار دیتی ہے۔ باوجود اس کے ہمیں کسی بھی مذہب کی رسومات کوفرسودہ کہنے کے بجائے ان کے فلسفے اور مقاصد کو دیکھنا چاہیئے اگر یہ چیزیں اچھی ہیں تو ان رسومات کی اصلاح کرکے اپنے دین کے مطابق چلانا چاہئے۔ جیسے کہ اسلام کی آمد پر رسولؐ خدا نے عربوں کی تمام روایات کومسترد نہیں کیاان میں سے کچھ کومن وعن جاری بھی رکھا اور چندکو وقت سے ہم آہنگ کرکے اسلامی سیاق میں لایا۔

بل صفائی کی رسم پورے غذرمیں انتہائی شان وشوکت سے منائی جاتی ہے۔کہیں نمبرداران، کہیں مخصوص خاندان، کہیں حکمران علاقہ اور کہیں مذہبی رہنماؤں کی قیادت میں یہ رسومات اب بھی منائی جاتی ہیں۔

جڑاؤملک غار گاہکوچ

گاہکوچ،بوبراور غذرکے کچھ علاقوں میں گھرنماقبرستان پائے جاتے ہیں جن کومقامی زبان میں گنبدکہتے ہیں۔ اس گھر نما قبرمیں مردوں کو رکھا جا تا تھا۔ گھر کی طرح اس غار میں الگ الگ جگہیں تھیں جہاں ہرقوم کے مُردوں کی نعش کورکھاجا تا تھا۔نعش سڑنے کی صورت میں اس کونیچے گراکر نئی نعش کو رکھ دیتے تھے یوں یہ ان لوگوں کا مشترکہ قبرستان بھی تھا۔ اس رسم کے آثاراب بھی یہاں پرموجود ہیں لیکن میڈیکل کے طالب علموں نے انسانی ہڈیوں کویہاں سے تحقیق کے لئے اٹھااٹھاکراب چند ایک انسانی کھوپڑیاں رہ گئی ہیں۔ ان کے علاوہ دوجگہوں پر برآمدہ کی شکل زیر زمین خندق نما قبریں بھی تھیں جن کے آثار ابھی تک پائے جاتے ہیں۔ ان میں بھی لاش کورکھا جاتااور سڑنے کی صورت میں دوسری لاش رکھتے۔ اس زمانے کے لوگ مُردوں کو یہاں دفناتے تھے۔ دفنانے کا طریقہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد ہر ایک نعش کو اس گھرنما قبر

میں لاتے اور اپنے قبیلے کی مخصوص جگہ پررکھ دیتے تھے۔ نئی موت کی صورت میں پرانی لاش کو وہاں سے ہٹادیتے۔ یوں ان گھرنماقبر میں انسانی ہڈیوں کی کوئی کمی نہ تھی۔

گاہکوچ کے زرین علاقے کو 'ہول' کہاجاتاہے جبکہ اصل بالائی گاؤں کانام گاہکوچ ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ خوفناک غارہے جو اپنے اندر ایک دہشت ناک داستان رکھتاہے اس کے کئی ایک پہلو ہیں۔ چندبرس پہلے یہ غار اپنی اصلی حالت میں تھی لیکن زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ تاریخی غار بھرا رہا۔ اب پہلے کی طرح اس میں گہرائی نہیں۔ روایت ہے کہ قدیم زمانے میں مجرموں کو اس غار میں پھینک دیاجاتا تھا۔''گاہکوچ اور دہشت ناک غار 'جڑاملک' کا علم اللسانیات کے مطابق گاہکوچ دو الفاظ سے ملکر بناہے گہ اور کژ یعنی گہہ کژ کی بگڑی ہوئی شکل ہے اس کے معنی برفانی بستی کے ہیں قدیم زمانے میں یہاں بہت برف پڑتی تھی۔ جڑاوملک کے لفظ سے لگتا ہے کہ ملک کسی قوم یا قبیلے کا نام ہے۔ جڑاؤملک کے معنی پابند سلاسل' یا بہ زنجیر اور صدائے باز گشت وغیرہ''(شکور اعظم رومی' گلگت بلتستان اور آثار قدیمہ' ۲۰۰۶ء)۔

وقت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی مذہبی تبدیلیوں کے باعث یہ رسومات یہاں سے ختم ہوگئیں۔ باور کیاجاتاہے یہ مذہبی رسومات بدھوں یا زرتشتیوں کی تھیں۔ مظاہر پرست بھی اس طرح کی رسومات اداکرتے تھے۔ گاہکوچ کے لوگ اب بھی ان کے بارے زبانی روایات بیان کرتے ہیں یہ لوگ یاتویہاں سے چلے گئے ہیں یامذہب کی تبدیلی کی وجہ سے ان رسومات میں کمی آئی ہے۔ بہرحال یہ قبریں تحقیق کے لائق ہیں۔ انسانی مطالعات (Enthropology) کے ماہریں ہی ان کے بارے صحیح رائے دے سکتے ہیں۔

جڑاؤ ملک سندی یاسین

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

گاہکوچ کی طرح سندی یاسین میں بھی ایک غارنما قبر ہے جس کو جڑاؤملک کہتے ہیں۔ اس غارنما قبر کے اوپر چھت ڈالا گیا ہے۔ قدیم زمانے میں مردوں کو اس قبر میں ڈالا جاتا تھا۔ مقامی عمائدین کے مطابق یہ اس علاقے میں اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بوبر، گاہکوچ اور سندی میں ایک ہی مذہب یا عقیدے سے منسلک لوگ آباد تھے۔ ان تینوں قبروں میں زیادہ تر چیزیں مشترک ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایک مذہب کے مختلف فرقوں کے لوگ ہونگے جو تھوڑی تھوڑی تبدیلی کے ساتھ ان مردوں کو دفنا رہے ہونگے۔ بہرحال ان پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے جو میرے اس کتاب کی وسعت سے باہر ہے۔

ڈومو راء بوبر

بوبر میں ایک ٹیلے کے اوپر ایک زیر زمین گھر نما قبر ہے جو اس ٹیلے کے اندر تک ہے۔ اس کے چاروں اطراف الماریاں پائی جاتی ہیں جہاں تازہ لاشوں کو رکھا جاتا تھا اور نئی لاش آنے کی صورت میں پرانی لاش کو گرا دیا جاتا تھا۔ بوبر میں ایک مخصوص قبیلے میں موت ہونا ہو تو اس دن ڈوموراء سے ڈھول ڈھماکے بجنے کی آواز آتی ہے جو اب تک جاری ہے۔ اس قسم کی رسم شیر قلعہ میں بھی ہے۔ اس رسم کو سمجھنے کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت ہے کہ کس مذہب یا تہذیب کے آثار میں اس قسم کی رسومات ہیں؟

اس طرح کے غار (گنبد) کے نشانات گرونجر اور بوبر میں ملتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان علاقوں میں ایک مذہب کے لوگ تھے۔ یہ عقائد چترال میں کلاش قبائل سے ملتے ہیں جو نعش کو دفناتے نہیں بلکہ اس طرح ایک مقام پر رکھتے تھے جہاں نعش سڑ جاتا ہے یا جانور کھا جاتے۔ ہوسکتا ہے ماضی بعید میں یا ان علاقوں میں انسانی تہذیب کے آغاز میں اس طرح کے مذاہب کے ماننے والے آباد ہوں۔

ہرکاش بوبر

بوبر میں ایک جگہ کو ہرکاش کہتے ہیں جہاں قدیم زمانے کے آثار ملتے ہیں۔ روایت کے مطابق اس جگہ سے ایسی مورتیاں اور بدھا کے مجسمے ملے ہیں جن کا بدھ مت سے تعلق ہے۔ اس سلسلے میں یہاں سے مورتیاں دریافت ہوتی رہتی ہیں چند برس پہلے ایس پی علی احمد جان نے اس جگہ سے دریافت شدہ ایک بدھ کے مجسمے کو خرید کر نصیر آباد ہنزہ سے تھوڑا آگے پڑی کے اُس پار تشوٹ نگر میں ایک عمارت بنا کر اس میں محفوظ کر دیا ہے جو قراقرم ہائی وے سے نظر آتا ہے۔ اس طرح کے اور بھی مورتیاں ملتی رہی ہیں لیکن مقامی لوگوں نے ان کو اونے پونے میں بیچ کر اس عظیم ورثہ کو محفوظ نہیں رکھا۔

آچھمی کوئی کا نچھے گاہکوچ

گاہکوچ کا نچھے پل کے اوپر شمال کی جانب ایک قدیم گاؤں کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس گاؤں کا نام آچھمی کوئی تھا۔ آچھمی کوئی شینا زبان میں بری جگہ کو کہتے ہیں۔ اس گاؤں کے بارے میں دلچسپ کہانیاں ہیں۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں اس گاؤں میں ایک سال فصلیں بہت خوب ہوتی تھی اور دوسرے سال انسان اور جانوروں کی اموات کے ساتھ فصلیں بھی ضائع ہوجاتی تھیں۔ انسانوں اور جانوروں پر آفت اور جنات کا حملہ اکثر ہوتا رہتا تھا۔ لوگ ان آفات سے تنگ آ کر اس گاؤں کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آج تک کوئی یہاں آباد نہیں حلانکہ اس علاقے میں چشمے کا پانی بھی دستیاب ہے۔ گاہکوچ بالا کے لوگ کہتے ہیں کہ چند سال قبل بھی اس گاؤں میں رات کے وقت بہت روشنیاں دکھائی دیتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی کی شادی ہو رہی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اب اس گاؤں سے کوئی روشنی وغیرہ نہیں دکھائی دیتی ہے۔ اس کے باوجود یہ گاؤں ویران پڑا ہے۔ قدیمی اُس خوف کی وجہ سے لوگ اب بھی اس گاؤں میں آباد کاری کا نہیں سوچتے ہیں۔ اس گاؤں میں اب بھی کھیتوں اور

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مکانات کے واضح کھنڈرات موجود ہیں۔

اس گاؤں کے ان کہانیوں کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ قدیم زمانے میں خوف وہراس ایک نفسیاتی مسئلہ رہا ہے۔ لوگ ان چیزوں کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ نئے آنے والے ان سے دگنا خوف کا شکار ہوجاتے تھے۔ اُس زمانے میں موسمی بیماریوں کو لوگ آفت سمجھتے تھے۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ اُس زمانے میں خوف اُن کے مذہبی اقدار میں سے ایک تھی۔ دیو یا دیوتاؤں سے خوف کوئی نئی بات نہیں۔ گاؤں اُس زمانے میں پہاڑی پر آباد ہونے کی وجہ سے بہت محفوظ تھا۔ قبائلی دشمن یہاں آسانی سے نہیں پہنچ سکتے تھے بعد میں زمانے کی ترقی کے ساتھ سڑک دریا کے ساتھ بنی تو ان لوگوں کیلئے اتنی اونچی جگہ پر رہنا دشوار ہوگیا اور دریا کے ساتھ ایک اور گاؤں آباد کیا جس کا نام کانچھے رکھا گیا ہے۔ اگرچہ اس گاؤں میں آباد لوگ وہ نہیں ہیں جو آچھی کوئی میں آباد تھے۔ وہ تمام یہاں سے چلے گئے ہیں۔

لنگِ چھر سندی یاسین برکلتی

سندی اور برکلتی کے درمیان ایک پہاڑی ہے جس کو لنگ چھر کہتے ہیں اس کے بارے میں کہاجاتاہے کہ اس پر ایک دیو رہا کرتاہے جوپیدل آنے والے لوگوں کو پریشان کرتاہے۔ لوگ اس دیو سے بہت ڈرتے تھے اور اس راستے سے آنے کے بجائے دوسری راستے کو ترجیح دیتے تھے۔ خوف ان علاقوں میں ایک نفسیاتی مسئلہ رہا ہے۔ پہاڑ، دریا اور جنگلی علاقوں میں لوگ اکثر دیو اور چڑیلوں کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں لوگ ان کو طاقتور سمجھتے تھے خیال کیا جاتاہے کہ یہ سب نظریات ان کے قدیم مذہبی وابستگیوں کا اظہار ہے۔

ڈاڈنگ گیری (ڈھول نما پتھر)

گاہکوچ پائین سے گاہکوچ بالا جاتے ہوئے دیسی چکیوں کے پاس پہاڑی چٹان کے

سرے پرواقع ایک بڑاپتھر ہے جس کو ڈاڈنگ گیری کہتے ہے۔ قدیم زمانے میں کٹورے، خوشوقتے، ڈوگرہ، سکھوں کے حملے کے پیش نظر گاہکوچ کے حکمران اپنے چند فوجیوں کو اس پتھر پر ڈیوٹی لگادیتے تھے تاکہ دشمن کے حملے کی صورت میں ڈھول بجاکر گاؤں اور قلعے والوں کواطلاع دی جائے۔ ایک دفعہ گاؤں میں جشن کی وجہ سے یہ لوگ وہاں نہیں گئے اور اُسی دن دشمن نے اس علاقے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اچانک اس دن چٹان پرواقع بڑے پتھر سے قدرتی طور ہی ڈھول بجنے لگااور لوگوں نے سن کر اپنی پوزیشن مضبوط کی اور دشمن کے حملے کوپسپا کردیا۔ اس دن کے بعداس چٹان پر واقع بڑے پتھر کو ڈاڈنگ گیری یعنی ڈھول نما پتھر کہتے ہیں۔

روئی گیری گاہکوچ

قدیم زمانے میں گاہکوچ بالا سے بوبر یاگرونجر جانے کے لئے لوگ گاہکوچ کے اوپر داس کے راستے سے جاتے تھے۔ گاہکوچ کے آخری سرے میں راستے پرایک بڑا پتھرواقع ہے جس کو روئی گیری (چڑیل پتھر) کہتے ہیں۔ کہاجاتاہے کہ جب گاؤں سے دو آدمی اس راستے سے جاتے تواس پتھر کے قریب ایک آدمی کوئی جن بھوت کھا جاتا تھا۔ چار جاتے تو دو، چھ جاتے تو تین یعنی آدھے لوگ کھاجاتا تھا یہ سلسلہ ایک عرصے تک جاری رہا اور بہت سے لوگ اس پتھر کے قریب موت کا شکار ہوگئے گاہکوچ سے ان علاقوں کی طرف جانے کے لئے کوئی اور راستہ نہیں تھااس لئے لوگ بڑی مصیبت کا شکار تھے۔ اس علاقے میں اسلام کی اشاعت کے بعد پیروں داعیوں کی آمدکاسلسلہ رہا۔ جب اس علاقے میں یہ بزرگ تشریف لائے تو لوگوں نے اس پتھر کی شکایت کی۔ ایک دفعہ ایک پیر لوگوں کے ساتھ وہاں گئے اور اپنے تلوار سے اس پتھر کو زور سے دے مارا وہ پتھر دوٹکڑے ہوگیاوہ جن بھوت وہاں سے غائب ہوئے اور لوگوں نے اس کے بعدسکھ کا سانس لیا۔ بڑا پتھر درمیان سے دوحصوں میں تقسیم ہوا اور اُس دن

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سے اس پتھر کے قریب انسانوں کی موت واقع ہونا بند ہوگئی۔ یہ پتھراب بھی موجود ہے بالکل دوحصوں میں تقسیم ہے یوں لگتاہے کہ کسی نے آراء سے کاٹا ہے۔ واللہ عالم!

گُن ڈین چیلی/دیوئے دار

ایک روایت مشہور ہے کہاجاتاہے کہ گاکوچ بالا سے نالہ جاتے ہوئے ایک جونیپر کا درخت تھاجس پرنالہ جانے والے لوگ پہلی مرتبہ اُسی درخت کے شاخ سے گانٹھ لگاکر جاتے تھے اس لئے اس درخت کوگن ڈین چیلی کہتے ہیں۔ ورنہ ان پرجنات کا حملہ یا اثر ہوتا تھا۔ کہاجاتاہے کہ چندعشرے پہلے تک اس گاؤں کے لوگ اس طرح کر کے اس نالے میں داخل ہوتے تھے لیکن اب اس درخت کوکاٹ دیاگیاہے اور یہ رسم نہیں۔ ایک اور روایت میں اس جگے کوُدیوئے دار'یعنی دیو'جن' بھوت رہنے کی جگہ بھی کہتے ہیں۔ اس مقام پرلوگ جونیپر کے ایک شاخ کوکاٹ کراس کے اوپر نیچے ایک پتھر رکھتے تھے تا کہ ان آفتوں کااثر نہ ہو۔ یہ رسم اب تک جاری ہے لیکن تبدیلی کی موجوں میں آخری سانس باقی ہے۔

رسم تالینی

شیر قلعہ میں 'تانچی'موجودہ رحیم آبادمیں اس گاؤں کے سب لوگ ہاتھ میں چراغ لیکر ایک رسم مناتے تھے اس رسم کورسم تالینی کہاجاتاہے۔ اس رسم کے بارے میں مقامی لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسم قدیم زمانے میں جن دیو،آفت اور دیگر مشکلات سے بچنے کے لئے منائی جاتی تھیں بعض کہتے ہیں کہ قدیم زمانے اس گاؤں میں چار برج تھے اور ان چاروں برجوں سے لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے ایک دوسرے پرحملے معمول کی بات تھی۔ اس وجہ سے اس علاقے میں قتل وغارت عام تھی جھگڑوں میں سینکڑوں لوگ مر جاتے اورخون کی ندیاں بہتی۔ یہ رسم اُن لوگوں کی یاد میں منایا جاتا تھا۔ بعض کاخیال ہے کہ یہ رسم قدیم آدم خورشری بدت جو انسانوں کو کھاتا تھا اُس کی

یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس دن سب لوگ اپنے اپنے گھروں سے چراغ جلاکر 'تانچی' کے مقام پرآتے اور سارے چراغ ایک جگہ جمع کر کے جلاتے۔ اس موقع پر نیاز کے طور پر ایک جانور کوبھی ذبح کرتے تھے۔ اس جگہ کے بارے یہ بھی کہاجاتا ہے کہ یہاں مرد بہت جوانی میں وفات پاجاتے ہیں جس کی وجہ سے خواتین بیوہ ہو جاتی ہیں۔ اُس وقت اس گاؤں میں بہت سارے بیوہ خواتین تھیں۔ اب وقت کے ساتھ یہ توہمات بھی اپنی موت آپ مرے ہیں۔ اسلام کے آنے کے بعداس قسم کے توہمات کوئی معنی نہیں رکھتے بہرحال یہ اُس زمانے کے لوگوں کےعقیدے اور یقین کی عکاسی کرتے ہیں یہ توہمات اور رسومات قدیم عقیدے کو ظاہر کرتے ہیں ۔

بایوش بٹ

انسانی زندگی میں معجزات اور تجربات بہت اہم کرداراداکرتے ہیں۔ قدیم زمانے میں معجزہ اور جادو دو اہم طریقے تھے جس کے ذریعے لوگ ایک دوسرے کومتاثرکرکے اپنی مہارت وقابلیت کااظہارکرتے تھے۔ جادوسے سحرکرنااورمحفلیں سجاکرلوگوں کواپنی اس فن سے لطف اندوزکرنا قدیم تاریخ کے اہم فنوں میں سے ایک ہے۔لیکن بعض اوقات اس قسم کے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ماہرین ایسے واقعات کو روایات یاMythos کہتے ہیں۔ یہ خیالی افسانے مذہب و رسومات میں بہت اہم کردار ادا کرتے تھے۔ داس چپوکے میں ایک روایت مشہورہے کہاجاتاہے کہ قدیم زمانے میں ایک بزرگ(پیر)اس گاؤں میں تشریف لائے۔ اپنے مریدوں سے ملے اور دینی فرائض کے بارے ان کو اگاہی دینے کے بعدوہاں سے چل پڑے۔ راستے میں ایک چٹان پرایک بازبیٹھاتھا۔ اس بزرگ نے باز سے کہاکہ ادھر آجائیں۔ کئی بار کہنے کے باوجود باز اس پتھرسے نیچےنہیں آیا۔ بزرگ کو بہت غصہ آیااور بدُدعادی کہ'آپ اُدھر ہی رہو اور اس طرح رہوکہ پتھربن جاؤ'۔ وہ باز اس بددعائی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کی وجہ سے پتھر بن گئی اور اب تک وہاں موجود ہے۔ یہ نقوش اوپر چٹان پر واقع ہے اس چٹان کے ساتھ گھوڑے کے پاؤں کے نشان اور ایک ہاتھ کی ہتھیلی بھی ہے۔

تب سے یہ معجزہ یہاں کے لوگوں کے لئے ایک عقیدے کا باعث بنا۔ اس وقت لوگ اس جگہ کو بایوش بٹ یعنی باز کا پتھر کہتے ہیں۔ بڑے بڑے بزرگوں کے کرامات اور معجزات کے ذکر میں یہ لوگ اس کہانی کو بیان کرتے ہیں۔ یہ کہانی بہت قدیم بھی نہیں اٹھارویں صدی کی ہے۔ باور کیا جاتا ہے کہ یہ عقائد یہاں کے ان قدیم مذاہب کے وجود کی طرف اشارہ کرتے ہوں جب کبھی ان علاقوں میں بدھ مت اور ہندومت کے علاوہ زرتشت مذہب اپنے عروج پر تھی۔ پہاڑوں پر بدھا اور دیگر نقوش اس زمانے کی یادگاریں ہیں۔ ان مذاہب کے آخری ادوار میں لوگ چھوٹے چھوٹے واقعات کو بھی اپنے پچھلے عقیدے کی وجہ سے عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آج یہ معجزات صرف نام کے رہ گئے ہیں۔ لوگ روایات سے زیادہ ان کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔ اس کی ایک وجہ دین اسلام کی تعلیمات ہیں۔ بہرحال اس واقعے کی وجہ سے اس جگہ کا نام بایوش بٹ ہے۔

داس چیوکے میں ایک اور روایت قبائلی جنگوں کی بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلیمان شاہ نے جب گلگت پر حملہ کیا اس وقت وہ اس گاؤں سے گزرے اور یہاں لوگوں کو بھی اپنے حلقے میں شامل ہونے کو کہا' نہ ماننے کی وجہ سے ان کی فوج نے سینکڑوں لوگوں کو موت کے گھات اتار دیا۔ قتل وغارت کی انتہا کردی۔ ان کی سفاک اور بے دردی کی انتہا اس وقت ہوئی جب لوگوں کے خون کی نالیاں بہنے لگی اور دریائے پونیال تک پہنچیں۔ اس دوران 'راجھوں خاندان' کے ایک نوجوان کا سر وہاں سے غائب ہوا اور ہوا میں اڑتے ہوئے نظر سے اوجل ہوگیا۔ اس واقعہ کی یاد میں اس خاندان کے لوگ اب تک ایک دن ان کے مزار پر مناتے ہیں اور اس دن تمام خاندان کو بچوں کو صدقہ اور

کھانا دیا جاتا ہے۔ اس دن اس نوجوان کو عقیدت پیش کی جاتی ہے۔ اس روایت کی حقیقت اپنی جگہ اہم ہے لیکن یہ بھی ایک افسانہ ہے۔ یہ واقعہ پیش آیا ہے لیکن اس انداز میں نہیں جیسا اب اس کو بیان کیا جاتا ہے کیونکہ اس وقت اس گاؤں کی آبادی کتنی ہوگی؟ گاؤں والوں نے اتنی مزاحمت کیوں کی ہوگی؟ بہرحال یہ روایت ہمیں اتنا جاننے میں مدد فراہم کرتی ہے کہ چترال کے مہتروں نے گلگت جاتے ہوئے راستے میں ہر گاؤں پر حملے کئے تا کہ وہ سب ان کی ریاست کا حصہ بنے۔

دومن کھیا

پونیال میں ایک مشہور رسم دومن کھیا ہے۔ یہ رسم بھی زراعت اور کھیتی باڑی کے سلسلے میں منائی جاتی ہے۔ اس رسم کا مقصد تمام کام کاج کے خاتمے کا اعلان ہے۔ فروری مارچ سے شروع ہونے والی زرعی سرگرمیوں کا سلسلہ اکتوبر تک رہتا ہے اور اس کے بعد لوگ نالوں اور دیگر علاقوں سے واپس اپنے گاؤں میں آتے ہیں اس کے بعد سردیوں کا آغاز ہوتا ہے۔ دومن کھیا رسم کے بعد مال مویشی کھیتوں میں آزادانہ گھومتے پھرتے ہیں۔ اس رسم کے بعد لوگ سردیوں کی تیاری کرتے ہیں۔ لکڑی' گوشت اور دیگر بنیادی ضروریات کی سٹاک لگائی جاتی ہے۔ اس دن کے موقع پر طرح طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں اور لوگ جی بھر کے کھاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سال بھر کی محنت اور مشقت کی وجہ سے جو کمائی کی ہے وہ اس دن اللہ کے حضور اس رزق عظیم کا شکر بجا لاتے ہیں۔ باور کیا جاتا ہے یہ رسم قدیم بدھ مت اور اس سے پہلے سے یہاں رواج میں تھی کیونکہ اس موقع پر ارواح کے نام کھانا دینے اور شکر بجا لانے کے منفرد رسومات ہیں۔ اس رسم کے بنیادی مقاصد میں سے ایک یہ کہ قدیم زمانے میں دیؤ دائل اور پریوں کا تصور عام تھا اس لئے لوگ اس دن خوب کھانا بنا کر ان کو بھی دعوت دیتے تھے پھر ان کو اپنے گھر سے نکال دیتے تھے تا کہ پورے سال کی کمائی ان کے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

لئے ہی رہے۔ دوسری مخلوق اس کو نہ کھائے۔ اس دن تمام گھروں سے دیو' کاہن اور دائل کو باہر نکالا جاتا ہے۔

دوداسین کی کہانی

دوداسین شیرقلعہ میں ایک مشہور اور غیرمعمولی صلاحیتوں والا شخص ہوگزرا ہے۔ آپ یشکن خلتاروقبیلے میں ماتُم شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ مقامی روایات میں کہا جاتا ہے کہ جب دوداسین پیدا ہوئے اُس دن گھر میں دودھ کے برتن بھرگئے تھے گھر میں مکھن اور دیسی گھی بہت مقدار میں پایا گیا۔ کہاجاتا ہے اُس دن دیسی چکیوں میں غلہ اس حد تک بھر گیا کہ گاؤں کے لوگوں نے اپنے سٹور بھرلئے۔ دوداسین کی پیدائش پر گاؤں میں عجیب قسم کی چہل پہل ہوگئی۔ آپ کو قدرتی دودھ پلایا جاتا تھابعض لوگ کہتے ہیں کہ جب آپ کی امّی گھر سے باہر جاتی تھی تو کوئی اور مخلوق اس نومولود بچے کو دودھ پلاتی تھیں۔ ایک دن ان کی ماں نے اس واقعے کو دیکھنے کے لئے گھر کے آتشدان کے قریب ایک بڑا آئینہ اور آنگن میں موتی بکھر دیئے۔ جب آپ اپنے کھیتوں کے کام سے واپس گھر آئی تو ایک عورت گھر کے روشن دان سے دیکھتی ہے اور دوسری عورت اس کے بچے کو دودھ پلاتی تھی۔ ماں کو اندر آتے دیکھ کر وہ خواتین چلی گئیں اس واقعے پر ایک شعر بھی مشہور ہے جو اس طرح ہے؛

"پانیج آئینو چھورے گن
شُومررو لوزم چھورے گن
کھیپے بے اِکھام لی یار مه

ترجمہ: 'وہ (کاہن یا چڑیل خاتون) کہتی ہے کہ اس کی ماں نے گھر کے آتشدان میں آئینہ اور آنگن میں موتیاں بکھر دی ہے میں کیسے اس گھر سے بھاگ جاؤ'۔

اس طرح یہ بچہ بڑا ہوا اور اس علاقے کے لئے ایک خطرناک آدمی ثابت ہوا۔ اس

نے شین قبائل سے جنگ میں اپنی قوم کو قیادت فراہم کی اور ہزاروں شینوں کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے چندلوگ بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ اُس وجہ سے اِس وقت تک شیرقلعہ میں شین قوم کم پائے جاتے ہیں۔ دوداسین نے اپنی زندگی میں بہت زیادہ قتل وغارت کی۔ اس علاقے میں اس کے نام سے لوگ بہت خوفزدہ تھے۔ اس نے اپنی زندگی میں ہی اپنے لئے قبر کھودلی تھی۔ ان کی قبر ایک خاص ترکیب سے بنائی گئی تھی۔ شیرقلعہ میں زیرزمین گھرنما قبر بنائی تھی جو بہت گہرے غار کی طرح تھی۔ یہ گھرنما قبر اس نے دومنزلہ بنایا تھا۔ پہلی منزل پرخود رہتا تھا۔ اپنی زندگی میں اس نے یہ کہا تھا کہ جب میں مرجاؤنگا تو اس دن میری قبر میں شینوں کے ساتھ زبردست قسم کی لڑائی جھگڑے کی آواز آئے گی شور شرابہ ہوگا۔ اس وقت میری تلوار بھی میرے ساتھ رکھو۔ اس نے کہا تھا کہ اگر تلوار زمین میں سیدھی گھڑی ہوئی ہوگی تو سمجھ لینا کہ میں جیت گیا ہوں۔ اگر تلوار زمین پر پڑا ہے تو سمجھ لینا کہ وہ جیتے ہیں کہتے ہیں کہ اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کی قبر سے آوازیں سنی۔ انہوں نے جب اس کے قبر میں جاکر دیکھا تو تلوار خون آلود زمین میں کھڑی ہوئی تھی اور اس کے چہرے سے جیت کے آثار نمایاں نظر آرہے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اب تک اس گاؤں میں ماتُم قبیلے میں کوئی موت ہو تو قدرتی طور پراس کے قبر سے ایک آواز آتی ہے۔ یہ آواز دول ڈمامے کی صورت میں سنائی دیتی ہے۔ یہ محض ایک روایت ہے جو لوگوں نے مجھے بتایا۔ ہوسکتا ہے اُس شخص نے اپنے زمانے شہرت حاصل کی ہو۔ میری تحقیق کے مطابق دوداسین شیرقلعہ کے رہائشی تھے۔ اپنے زمانے جنگ وجدل میں اپنے قبیلے کی قیادت کی اور شین قبیلے کو یہاں سے جانے پرمجبور کیا۔ ان کی اولاد اب یہاں کافی تعداد میں ہیں امید کی جاتی ہے کہ وہ خود اس بارے میں مستقبل میں بہتر تحقیق اور حقائق پر مبنی معلومات فراہم کرینگے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

دوداسین اور مارخور کی کہانی

شیرقلعہ میں دوداسین کے زمانے کی ایک اور کہانی بہت مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دوداسین کے زمانے میں 'سجو بُڑُ' یعنی چنار کے مقام پر ایک چشمہ تھا۔ اس چشمے کے پاس ایک بڑا پتھر واقع تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس پتھر کے قریب خاص دن کے موقع پر ایک مارخور آیا کرتا تھا اور لوگ اس کو ذبح کرکے اس کا گوشت کھاتے تھے۔ اس مارخور کو صرف اس قبیلے کا کوئی آدمی جاکر ذبح کرتا تھا۔ یہ قدرت کی جانب سے ان لوگوں کے لئے بیجا جاتا تھا۔ اس رسم پر خواتین شرکت نہیں کرتی تھیں ہر اس رسم پہ مارخور خود بخود آتا تھا۔ ایک دفعہ اس قبیلے کے ایک آدمی نے کوئی سماجی بُرائی کی اور رواج کے مطابق پاکدامنی کئے بغیر اس رسم میں شرکت کی حالانکہ اس رسم میں شرکت کیلئے پاک وصاف ہونا ضروری تھا۔ اُس شخص کے اِس روّیے کے بعد رسم میں شرکت کی وجہ سے مارخور اُس دن آکر واپس چلا گیا۔ اُس دن کے بعد ماخور کبھی نہیں آیا۔ اِس سے پہلے ہر اُس موقع پر مارخور آتا اور لوگ مزے سے اس نعمت سے محظوظ ہوتے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق اس گاؤں کے لوگ باری باری اُس جگہے پر اشپری (نیاز) لیکر جاتے تو اس پتھر کے قریب دو مارخور آتے ایک اشپری کرنے کے بعد واپس جاتا اور دوسرا وہیں رہتا اور وہ شخص اس کو ذبح کرکے لاتا۔ ایک دفعہ ایک گھرانے کی باری تھی تو اشپری لئے بغیر وہاں گیا جس کی وجہ وہ مارخور آکر واپس گیا اور پھر نہیں آئے۔ اب شیرقلعہ میں اس قبیلے کے بہت کم لوگ آباد ہیں لیکن اس کہانی کو لوگ بڑے اہتمام سے سناتے ہیں۔ اِس روایت سے اُس زمانے کے لوگوں کی رسم رواج کے بارے جاننے کا موقع ملتا ہے۔ اگرچہ یہ چیزیں ہمارے نزدیک توہمات ہیں لیکن ان لوگوں کی باقاعدہ رسومات تھیں۔ یہ تمام رسومات اسلام سے پہلے کی ہیں۔ ان کہانیوں میں خالق کا تصور موجود ہے لیکن اس کا براہ راست اظہار نہیں۔ کہیں اس تصور کو طاقتور دیوتاؤں'

جن' بھوت اور دیگر مظاہر فطرت سے دکھایا گیا ہے تو کہیں سیلاب یا طوفانوں سے۔ پاکیزگی اور تقویٰ کا تصور اس معاشرے میں بھی نظر آتا ہے۔ واللہ عالم الغیوب!
اس روایت پر کئی ایک سوالات پیدا ہوسکتے ہیں۔ مثلاً مارخور جو ہمیشہ آتا تھا ایک شخص کی برائی کرنے پر کیوں نہیں آیا درحالانکہ دوداسین نے سینکڑوں لوگوں کو قتل بھی کیا تھا؟ چوری' زنا' جھوٹ اور دھوکہ کے ساتھ انسانی قتل وغارت بھی تو بُرائی ہے؟ دوداسین میں ایسی کونسی خوبی تھی جس کی وجہ سے یہ قدرتی مارخور ان کے لئے بھیجا جاتا تھا؟ وغیرہ ۔ لوک کہانیاں ہماری ثقافت کا حصہ ہیں۔ یہ کہانیاں سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں۔ ایسی کہانیوں میں تاریخی حقائق بھی پوشیدہ ہیں اس دور کے طالبعلموں کو یہ کہانیاں تحقیق کی دعوت دیتی ہیں۔

ہلال بٹ

شیرقلعہ میں دوں جو (نالہ) کے مقام پر دلہا دلہن بارات کے ساتھ پتھر بنے ہوئے ہیں۔ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کسی بزرگ کی نافرمانی کی وجہ سے پتھر بن گئے ہیں۔ دلہا دلہن باراتیوں کے ساتھ بڑے اہتمام کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ اس جوڑے کی شادی کے موقعے پر ان کے خاندان کے ایک بزرگ نے ان کو کچھ نصیحتیں کیئے۔ لیکن انہوں نے اس کی بات نہ مان لی۔ جس کی وجہ سے وہ ناراض ہوگئے۔ بارات جب واپس گئے تو راستے میں ایک پہاڑی سے گزر رہے تھے اچانک وہ تمام اس چٹان کا حصہ بن گئے۔ اب بھی ان کے نقوش نظر آتے ہیں۔ بہرحال یہ بھی ایک روایت ہے ہوسکتا ہے شادیوں میں دلہا دلہن کو اس طرح کی کہانیاں سنا کر ڈراتے ہوں تاکہ وہ ان کی بات مانیں۔ اس طرح کا نفسیاتی دباؤ اکثر اب بھی ان علاقوں میں شادی کے دنوں میں دلہا دلہن پر ہوتا ہے۔ مظاہر فطرت سے خوف ماضی کا حصہ رہا ہے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ژاہ سائے کور(بہن بھائی کا پہاڑ)

گاہکوچ بالامیں کوٹ نالہ میں دوپہاڑی چوٹیاں ہیں‌جن کے بارے میں کہاجاتا ہے کہ قدیم زمانے میں گاہکوچ پرجب سیسی (دشمن) نے حملہ کیاتوایک بھائی اوربہن وہاں سے کوٹ نالہ کی طرف بھاگ گئے۔ دشمن بالکل قریب آگئے تو آپ دونوں ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اوردُعا کی اے اللہ ہمیں پہاڑ بنا دے تا کہ ان ظالم دشمنوں سے بچ سکیں۔ ان کی دعاقبول ہوگئی اور وہ پہاڑبن گئے۔ اس نالہ میں‌ایک کافی اوپراور ایک نیچے ہے کہاجاتاہے کہ بھائی پہلے بھاگ رہا تھا بہن اس کے پیچھے تھی اس وجہ سے اوپر والی پہاڑی بھائی کا اور نیچے والی پہاڑی بہن کا مجسمہ بن گئی۔ اب بھی یہ پہاڑیاں 'ژاسائیے کور' بھائی بہن پہاڑی کے نام سے مشہور ہیں۔ اس روایت میں بھی اُس زمانے کی دشمن سے خوف وبیزای ظاہرہورہی ہے۔ شایدان علاقوں پر کٹوروں' خوشوقتوں اور دیگر حملہ آوروں کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ ان لوک کہانیوں میں ان لوگوں کی عادات اور جنگجوانہ رویے کی عکاسی ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ مافوق الفطرت کہانیاں ہیں لیکن ان روایات میں اُن لوگوں کی عادتوں' رویوں‌اورمہارتوں کا اظہار ہوتاہے۔

رسم بھی گانک

یہ رسم پورے غذرمیں نہایت شان و شوکت سے منایاجاتاہے۔ موسم بہارکی آمدکے ساتھ کسان کھیتوں کارخ کرتے ہیں اور ان کی زمینداری کا آغازہوتاہے لیکن کھیتوں کی طرف جانے سے پہلے ایک رسم منائی جاتی ہے جس کو گوپس یاسین میں' بھی گنک' اور اشکومن پونیال میں'رسم بھی' کہاجاتاہے۔ دوسری رسومات کی طرح اس رسم کو بھی پورے علاقے میں ہرسال فروری سے مارچ تک مختلف تاریخوں میں منایا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ شایان شان طریقے سے یہ رسم یاسین میں مناتے ہیں۔ اس رسم کی تقریبات تین دن تک جاری رہتی ہیں۔ پونیال' اشکومن اور گوپس میں بھی

مناتے ہیں لیکن اس طرح منظّم طریقے سے نہیں۔ قدیم زمانے میں ان تقریبات میں پولو اور دیگر مقامی کھیل کود بھی ہوتے تھے۔ اس تقریب کے اہم کھانوں میں دیسی شربت' مُل' گولیے اور گھی سے بنائے جانے والے کھانے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس رسم میں بھی تبدیلی آئی ہے پہلے زمانے میں‌راجے اور نمبردار کی اس رسم میں بہت کردار تھا اب وہ عہدے ہی نہیں رہے۔ نمبردارکی گاؤں میں اتنی سہہ نہیں کہ ہر کام اپنی نگرانی میں کراسکیں تاہم کچھ علاقوں میں احتراماً لوگ اب بھی نمبردار سے اس رسم کا افتتاح کراتے ہیں۔ اس رسم کے بعدزمینداری کا باقاعدہ آغاز ہوتاہے۔ اس دوران پکنے والی پکوان کواپنے تمام رشتہ داروں خاص طور پر بیٹیوں کو دیا جاتا ہے۔ تین دن تک لوگ کھانوں کے تحفے لئے روڑ پہ نظرآتے ہیں کیونکہ ان کی رشتہ داریاں دور دور ہوتے ہیں۔ ثقافت کی بحالی کے نام سے چندعلاقوں خاص طور پر یاسین میں اس رسم کو قدیم زمانے کی طرح منانے کی کوشش کی جارہی ہے یہ ایک اچھا اقدام ہے۔ یہ رسم بھی قدیم زمانے کے لوگوں کی زراعت سے وابستگی کوظاہرکرتی ہے۔

رسم 'ہیماز'

موسم بہارکے آغاز اور کاشت کاری کے شروع میں 'رسم بھی' کے موقع پر ایک رسم منائی جاتی ہے جس کو'ھے ماز' کہتے ہیں۔ فروری سے مارچ کے مہینے میں کھیتوں میں ہل چلانے سے پہلے دوسے تین دن 'رسم بھی' منائی جاتی ہے۔ اس رسم کے آخری دن' رسم ہے ماز' سے اس رسم کواختتام دیاجاتاہے۔ شام کواس رسم منانے کے لئے گھر میں خوب آگ جلائی جاتی ہے۔ اس موقع پرہمسائے سب ایک ایک گھرمیں جاتے ہیں۔ اس رسم کی ادائیگی میں ایک خاص قسم کا گاناگایاجاتاہے۔ اس گانے کو گاتے ہوئے آگ پر آٹا چھڑکایا جاتاہے جس سے شینا میں دومن اورکھوار میں پھتک کہتے ہیں۔ بزرگ اس موقع پر آنے والے سال کے لئے فصل کی بہتری اور قدرتی آفات سے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بچاؤ کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ اس موقع پر رزق کی کشادگی اور آفت بھلا سے نجات کی دعا کے ساتھ ظالم حکمرانوں سے چھٹکارے کیلئے بھی دعا کی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر نیاز کا بندوبست اس لئے ہوتا ہے تا کہ جن بھوت' کاہن وغیرہ فصل پر اثرانداز نہ ہو۔ اس رسم کی ادائیگی کے بعد تمام ہمسائے ایک جگہ جمع ہوکر کھانا کھاتے ہیں۔ اس موقع پر رات بھر تمام ہمسائے کے مرد حضرات خاص کر بزرگ سماجی' سیاسی' دینی اور معاشی موضوعات پر قصے کہانیاں سناتے ہیں۔بعض اوقات ان موقعوں میں دایل' کاہن' جن بھوت کی کہانیاں عام سنائے جاتے ہیں۔ یہ رسم پورے غذر میں تھوڑی تھوڑی تبدیلیوں کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ اس رسم میں آگ کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ جس سے ان کے قدیم زمانے میں آتشت پرستی کے عقیدے کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس موقع پر جو دعائیں مانگی جاتی تھیں ان میں اللہ کا براہ راست نام نہیں بلکہ ایک عظیم نامعلوم طاقت سے گریہ و زاری اور دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ اسلام کی آمد کے بعد اس رسم میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں۔ اب اس رسم پر قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ اب جن بھوت کی بجائے امن' سکون' ملکی ترقی' سیاسی استحکام' دین کی مضبوطی اور فصل میں برکت کے لئے دعا کی جاتی ہیں۔ اس موقع پر پونیال میں ھاریسا (جس کوشینا میں پختی 'فولیئے اور اردو میں سوپ کہتے ہیں) گوپس میں ڈیرم اور اشکومن یاسین میں شربت پکایا جاتا ہے۔

رسم بُوہ

غذر کے کچھ علاقوں میں کھیتوں میں کاشت کے دن ایک رسم ادا کی جاتی ہیں۔ اس رسم کو رسم بوہ کہا جاتا ہے۔ اس روایت میں کھیت میں کاشت کے لئے جانے سے پہلے نیاز دیا جاتا ہے اور اس میں تمام ہمسائے شرکت کرتے ہیں۔ اس نیاز میں خاص پکوان پکائے جاتے ہیں جس کو 'مُل' اور 'دِرم' کہا جاتا ہے۔ اس کھانے میں دیسی گھی بھی دیا

جاتا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد کھیت کے کنارے دو بچوں کو بیل بنایا جاتا ہے۔ ان دونوں کے چہرے پر خوب آٹا لگاتے ہیں۔ ان کے سر کے بالوں پر دیسی تیل لگایا جاتا ہے۔ ان بچوں سے کھیت میں کاشت کا آغاز کرایا جاتا ہے۔ اس موقع پر خاص دعائیں دی جاتی ہیں۔ پھر برادری کا ایک بزرگ کھیت میں بیج بکھیر دیتا ہے۔ بیج بکھیرتے ہوئے قبلہ کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ دعا پڑھ کر بیج ہوا میں پھینکا جاتا ہے۔ اس کے بعد بیلوں سے ہل چلاتے ہیں دو بیلوں کے سینگوں پر دیسی تیل لگایا جاتا ہے۔ یوں یہ رسم بھی فصل میں بہتری اور برکت کے لئے منائی جاتی ہے۔ اس رسم میں بھی ان علاقوں میں دیوتاؤں اور جنوں سے نجات حاصل کرنے کی دعائیں تھیں۔ ان کے ذہن میں یہ خوف کہ یہ جنات ان کی فصل کو نقصان نہ پہنچائیں اس لئے پیشگی طور پر ہی ان کو خوش کیا جاتا تھا۔ ان رسوم سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ مظاہر فطرت پر کس حد تک یقین رکھتے تھے۔ اسلام کی اشاعت کے بعد اب ان رسومات میں بہت تبدیلیاں آئی ہیں۔ اب جن بھوتوں سے خوف کے بجائے اللہ رب العزت سے ہی رزق طلب کیا جاتا ہے۔ اب ان علاقوں میں لوگوں کا ایمان ہے کہ 'اَللّٰہُ خیر الرازقین' یعنی اللہ ہی اچھا رزق دینے والا ہے۔

ان رسومات میں ایک چیز قابل غور ہے کہ وہ لوگ ہر کام کو ایک خاص ترتیب اور نظم و ضبط سے مناتے تھے۔ ان میں اتحاد واتفاق' ایک دوسرے کی قدر' مل جل کر کام کرنا' ہمسائے کا خیال رکھنا' چھوٹے بڑے کی رسم میں شرکت' خواتین اور مردوں کے الگ الگ محافل' کاشت کاری کی اہمیت اور کام میں ان کی دلچسپی شامل ہے۔ یہی اسلامی تعلیمات ہیں لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ رسومات ان کی مذہبی رسومات کا حصہ تھیں۔

شیشو وگھوٹ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

قدیم زرعی معاشرے کی رسومات میں سے ایک اوررسم شِیشوگھوٹ کی ہے۔ شِیشوشینا زبان میں گندم کے خوشے کو کہتے ہیں۔ گندم کی فصل تیارہونے سے چنددن پہلے اشکومن' یاسین' گوپس کے بالائی علاقوں میں جولائی کے پہلے ہفتے اور پونیال سمیت گوپس کے چند علاقوں میں جون کے آخری ہفتوں میں منائی جاتی ہے۔ اس رسم میں کھیت سے گندم کے خوشوں کو اہتمام کے ساتھ گھر لایاجاتا ہے۔ ان کے احترام اور نئی فصل کی خوشی میں ایک تقریب ہوتی ہے جس میں دیسی کھانے بنتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو مبارکبادیاں دیتے ہیں کہ اللہ کے فضل سے ان کی محنت رنگ لائی اور نئی فصل تیار ہوگئی۔ قدیم مذاہب میں بارش' سیلاب اورفصلوں کی بیماریوں کوآسمانی آفتیں سمجھاجاتا تھا۔ ان کی وجہ وہ دیوی دیوتا کی ناراضگی' بدشگونی اوربدقسمتی سمجھتے تھے۔ ہر بیماری یافصل بہتر نہ ہونے کی صورت میں وہ خیرات نذر و نیاز دیتے تھے۔ ان کو وائرسس اور دیگر بیماریوں کا پتہ نہ تھا ہر کام کوعقیدے کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بہر حال یہ رسم نئی فصل کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ اس میں تمام رشتہ داروں کو تحائف دیئے جاتے ہیں۔ تمام گھر والے مل کراس دن نئی فصل سے بنی روٹی کھا کر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اس خوشی میں کھیل کود اور رقص بھی ہوتی تھی۔ اس وقت یہ رسم اپنے زوال کے جوبن پر ہے۔ بڑی عمر کے لوگ اپنی رسومات کو مناتے ہیں مگرنئی نسل ان چیزوں کو سائنس کی نظر سے دیکھتی ہے۔ وہ فصل کی بہتری کوصحیح کھاد' بیج اور وقت پرنگرانی کوقرار دیتے ہیں۔ بہرحال مذہبی رنگ دیکر بزرگ اپنی رسومات کومناتے آئے ہیں۔ نئی نسل کو ان اقدار کے بارے شعوردینے کی ضرورت ہے۔ یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب ہم اپنی رسومات کو دیومالائی بنانے کی بجائے ثقافتی اقدار سے مزّین کریں۔

نالے میں خمالے کی رسم

غذر کے بیشترعلاقوں کے لوگ گرمیوں میں نالہ جاتے ہیں۔ زراعت کے بعداس

علاقے میں مال مویشی معیشت میں نمایاں کردارادا کرتے ہیں۔ مال مویشیوں میں بکریاں' بھیڑ' گائے بیل اورخوش گاؤ شامل ہے۔ گرمیوں میں لوگ ان کولیکر گاؤں سے دور نالوں میں جاتے ہیں۔ نالوں میں جانے کا سلسلہ اپریل سے جون تک ہوتا ہے۔ چار یا پانچ مہینے رہنے کے بعد لوگ واپس گاؤں آتے ہیں۔ نالہ جاتے ہوئے راستے میں مختلف جگہوں پر جن بھوتوں اور پریوں سے بچنے کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ قدیم زمانے میں تقریباً پورے غذر میں یہ رواج تھا کہ نالہ پہنچ کرسب لوگ مل کرایک نیاز کرتے تھے اس کھانے میں سب شریک ہوتے تھے۔ اشکومن میں اس کھانے کوخمالے کہتے ہیں۔ اس خصوصی پکوان میں شرکت کے بعدلوگ دعائیں مانگتے تھے۔ خاص کر جن بھوتوں اور پریوں سے نجات اور نالے میں مقیم وقت پران کی شر سے بچنے کیلئے دعائیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ چھوٹی موٹی رسومات کے بعدمعمول کے ایام گزارتے تھے ان رسومات میں بھی دیوتاؤں' جنوں' پریوں اور چڑیلوں سے خوف صاف صاف نظر آتا ہے۔ اس سے ان کےعقیدے اور یقین کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ مظاہر فطرت اور جن بھوتوں سے خوف اور عقیدت اس علاقے میں عام تھی۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسومات اس لئے منائی جاتی تھی تاکہ ان کے مال اور جان کو نقصان نہ پہنچے۔ اس طرح کی بہت سی روایات ملتے ہیں کہ جب اس طرح کی رسومات نہیں مناتے یانیاز نہیں کرتے توان کے مال مر جاتے تھے۔ دودھ اور گھی میں برکت نہیں ہوتی تھی۔ اب موجودہ وقت میں اس طرح کی رسومات بہت کم منائی جاتی ہیں۔ تاہم ثقافت اور رواج کے طور پربعض علاقوں میں اب بھی ان کا رواج ہے۔

نسالو اور شاپ

غذر کے بالائی علاقوں میں نومبر کے آخری ہفتوں میں اور زرین علاقوں میں دسمبر میں نسالوکی رسم منائی جاتی ہے۔ یہ رسم بھی زرعی معاشرے کی پیداوار ہے۔ قدیم زمانے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

میں ذرائع آمدورفت نہ ہونے کی وجہ سے سردیوں میں لوگ اپنے گھروں تک محدود ہو جاتے تھے جس کی وجہ سے اُن کواِن سردیوں کامقابلہ کرنے کیلئے متوازن خوراک کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس موسم میں یہاں سبزیاں نہیں ملتی تھی صرف دودھ اور گھی ہی ان کی خوراک کے اہم اجزاء ہوتے تھے۔ باقی گوشت کو وہ ایک ہی دفعہ سٹور کرتے تھے تاکہ پوری سردیوں میں کھاسکیں۔ نسالوایک قدیم رسم ہے جس میں پورے علاقے کے لوگ ایک ہی دن مال کاٹ کررکھتے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ تین دن تک اس رسم کی ادائیگی میں تقریباً نصف گوشت کھاجاتے تھے۔ آج کل موسم اور حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اس رسم میں کمی آئی ہے کیونکہ سال بھرگوشت مارکیٹ میں مل جاتاہے۔ تاہم چندعلاقوں میں اس کو علامتی رسم کے طور پر اب بھی منایا جاتا ہے۔ نسالوکی رسم کے دوران مہمانوں کو کباب کے ساتھ چائے بھی اہم کھانوں میں شمار ہوتی ہے۔ ہرگھر میں کسی بھی وقت مہمان کے آنے پرکباب بنایاجاتاہے اس لئے ان دنوں لوگ اپنے رشتہ داروں کے پاس سال کے دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ رخ کرتے ہیں۔ ان علاقوں میں ویسے بھی لوگ گوشت کھانے کوبہت پسند کرتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اس گوشت کوچرواہے اپنے ساتھ چراگاہوں تک لے جاتے تھے لیکن اب ایسانہیں۔ اس رسم کے بارے مورخین نے بھی کافی تحقیقاتی کام کیاہے جوگلگت بلتستان کی مختلف کتابوں میں درج ہے جیسے قراقرم کے قبائل، تاریخ جموں وغیرہ۔ شاپ نسالوکے بعد ایک رسم کا نام ہے۔ شینا میں شاپ کے معنی ہے دعائے خیردینا۔ اس رسم میں گاؤں کے لڑکے مخصوص حلیے بناکرشام کے وقت ہرگھرمیں جاتے ہیں لوگ ان کوگوشت اور پیسے دیتے ہیں۔ وہ تمام گھروں میں جا کر رقص اور تماشاکرتے ہیں وہاں سے واپسی پرگھروالوں کومخصوص دعائیں بھی دی جاتی ہیں۔

شندور میلہ

غذر کو اللہ نے قدرتی وسائل خوبصورت جھیلوں، پہاڑی چوٹیوں، چراگاہوں اور بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان وسائل سے بھرپور فائدہ اُٹھانا یہاں کے لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ قدیم زمانے میں راجگی نظام حکومت تھی۔ حکمران وقت اپنے فرصت کے اوقات میں کھیل کود میں حصہ لیتے تھے۔ کھیل کودغریبوں کی قسمت میں نہیں تھی۔ غریب لوگ صرف ایک کام کرسکتے تھے تالیاں بجانااور کھلاڑیوں کو داد دینا۔ ان کا شوق ہو نہ ہو میدان میں کھیل کے ختم ہونے تک رہتے تھے۔ بہرحال وہ تماشائی آج کی طرح لطف اندوزی یاسامان زندگی سے لیس ہوکروہاں نہیں جاتے بلکہ ایک عدد چپاتی ان کے تین سے چار دن تک کھانے کیلئے کافی ہوتی تھی۔ حکمرانوں کے گھوڑوں اور دیگر سامان کی نگرانی بھی ان کی ذمہ داری تھی۔ آج بھی ہم وہی کام کرتے ہیں لیکن یہ سب سائنس کی ترقی کا کمال ہے کہ حکمران وقت ہوائی جہاز یا گاڑیوں میں آتے ہیں اس وجہ سے لوگ تماشادیکھنے کے ساتھ لطف اندوز بھی ہوتے ہیں ورنہ گھوڑوں کی دیکھ بال۔۔۔ شندور میلہ اب ایک بین الاقوامی میلے کی صورت اختیار کرچکا ہے۔ پولو دیکھنے کے لئے مختلف ممالک سے سیاح آتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں یہ میلہ جولائی کے دوسرے ہفتے میں منایاجاتاہے۔ چترال اور گلگت سمیت مقامی ٹیمیں بھی اس میں حصہ لیتی ہیں۔ فائنل پولوعموماً چترال اور گلگت کے درمیان ہوتاہے اس لئے بین الصوبائی رنگ لیتاہے۔ اس وجہ سے کھلاڑی بھی دلچسپی سے کھیلتے ہیں اس میلے کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ملک کے اعلیٰ سیاسی وسماجی شخصیات آکے شرکت کرتے ہیں۔ شندور میلے کے موقع پر تجارتی لوگ یہاں عارضی دوکانوں کاانتظام کرتے ہیں اس وجہ سے ہر چیزمل جاتی ہے۔ رابطے کیلئے موبائل کمپنیاں پہلے ہی انتظامات کرلیتی ہیں۔ گلگت بلتستان اور چترال کے مابین میلے پر سیاسی کشیدگی پائی جاتی ہے۔ ضلع غذر اور چترال کے درمیان سرحد کے تعین کامعاملہ بھی زیرغور ہے۔ تاریخی وبین الاقوامی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

قانون کے لحاظ سے اس طرح کے علاقوں کی سرحد کا تعین پہاڑی پانی کے رخ پر کیاجاتا ہے یعنی پانی جہاں بہتا ہے وہ علاقہ اس میں شامل ہوتا ہے۔ سیاسی معاملات اپنی جگہ اہم ہیں۔ اس میلے کی اہمیت بھی ان دونوں علاقوں کی معیشت کیلئے اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔امید ہے حکمران وقت اس معالے کا افہام وتفہیم کے ساتھ حل نکالیں گے۔

اس کے علاوہ بھی کھیل کود کے مقابلے ہوتے رہتے تھے ان میں پولوقابل ذکر ہے پونیال کے آخری راجہ جان عالم کی رہائش میں اب بھی ان مقابلوں کے کپ اور شیلڈ موجود ہیں اُن مقابلوں کی تاریخ اورنام اس طرح ہیں؛

☆ پولوچیلنج کپ ۱۹۲۶ء گلگت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور کی شیلڈ

☆ گلگت فرسٹ کلاس پولوٹورنامنٹ، دی برٹش آفیسر آف گلگت ایجنسی ۱۹۳۰ء شیلڈ

☆ نگراور پونیال کے درمیان ٹورنامنٹ ۱۹۳۷ء شیلڈ

☆ پولوٹورنامنٹ ۱۹۴۴ء کی شیلڈ

اس کے ساتھ پونیال، اشکومن، گوپس اور یاسین کے راجے اپنے اپنے علاقوں میں اس طرح کے میلوں کا نعقادکرتے تھے۔ ان میلوں میں مقامی لوگ بڑے شوق کے ساتھ شرکت کرتے تھے۔ میجر براؤن کے مطابق ''پولو کے کھیل میں پونیال کے لوگ بہت مشہور ہیں (ص ۴۱)۔

چرتئے در یا چیرطیوئے در

گوپس سے ڈھائی کلومیٹر آگے ہمرداس کے اوپرڈوڈوشوٹ کی پہاڑی ہے جس پر ایک دروازے کانشان ہے۔ اس کو'چرتئے در' کہتے ہیں۔ پہاڑی پردروازہ نمانقوش ہیں جن کے بارے میں دلچسپ روایات موجود پائی جاتی ہیں۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں دوبہنوں کے ساتھ ایک بھائی وادی گوپس میں تشریف لائے۔ ان کی آمد

پر گوپس کے لوگوں نے اجنبیوں کی طرح ان کو وادی سے بھگایا۔ وہ تینوں لوگ یہاں سے چلے گئے اور ہمرداس کے قریب ایک بہن یاسین ایک چرتئے اور بھائی سیدھا آگے دائیمل کی طرف گیا۔ ان میں جو بہن چرتئے گئی تھی ان کے پہاڑی کے قریب پہنچنے سے پہاڑی کا دروازہ شق ہوا اور وہ(دادی اماں) وہاں چلی گئی۔ یہ جگہ پہلے سے پریوں کامسکن تھی۔ کہاجاتا ہے کہ وہ دادی ان پریوں پر غالب آئی اور وہاں رہنے لگی۔ قدیم زمانے میں یہ دروازہ ہرجمعہ کوکھلتا تھاجس کی آواز پورے گاؤں میں سنائی دیتی تھی۔ اس واقعے کے بعد یہ پہاڑی بہت مشہور ہوئی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ دادی کو بعد میں کئی لوگوں نے دیکھا۔ اس واقعے کے بعد اس گاؤں میں اس سے منسوب بڑے عقائدیارسومات نے جنم لیا۔مثلاً

☆ اس گاؤں میں کوئی شادی ہوتوبارات یہاں سے گزرتے ہوئے نیازدیتے ہیں۔ اس گاؤں سے یاسین یا پھنڈرکی طرف جانے والی دلہنیں اس مقام پرمرغی کے ساتھ بکری کانذرانہ دیتے ہیں۔ اگر اس گاؤں سے کسی بچی کی شادی پونیال کی طرف ہوتو کوئی نیاز یا نذرانہ نہیں دیتے ہیں۔

☆ یہاں کے قدیم باشندے پیاز اور مرچ یابدبودار سبزیوں کونہیں اُگاتے ہیں ان کے خیال میں ایسا کرنے سے اس گھرمیں موت واقع ہوتی ہے۔ لیکن بعد کے آباد لوگ ان تمام سبزیوں کو اُگاتے ہیں۔

☆ اس علاقے میں سرخ کپڑے نہیں پہنے جاتے ہیں۔

☆ نئ نویلی دلہن کو نالہ کے قریب نہیں لے جاتے ہیں اس خوف سے کہ کہیں نالے کا پانی بند نہ ہو۔

☆ پہاڑی پرموجود دروازہ جمعہ کوکُھلتا تھا۔

☆ مقامی لوگوں کے ساتھ پریوں اور جن بھوت کا اثر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

☆ گاؤں میں شادی کی صورت میں دُلہن اوردُلہا کی جانب سے ایک بکرایا بکری نیاز کے طور بزرگ دادی کے نام پر دیاجاتا ہے اس جانور کو گھر سے باہر کھیتوں میں کسی صاف جگہ ذبح کیاجاتا ہے اوراسی جگہ پکا کرنوجوان لڑکے اور شادی شُدہ خواتین کھاتے ہیں۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں مختلف بیماریاں یانفسیاتی امراض لاحق ہوتے ہیں۔

یہ وہ روایات ہیں جو اس پہاڑی میں واقع دروازے کے ساتھ منسوب ہیں۔ وقت کے ساتھ سب رسومات میں تبدیلی آئی لیکن یہ رسومات تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ جاری ہیں۔ اب بھی شادیوں کے موقع پراس رسم کا خیال رکھاجاتا ہے۔ یہ تمام رسومات اسلام کی آمد سے پہلے کے ہیں۔ اسلام کے آنے کے بعدان رسومات میں بہت کمی آئی ہے لیکن لوگوں کے ذہن میں یہ رسومات ایسے نقوش چھوڑگئی ہیں اب ان سے نجات پانا اتنا آسان نہیں۔ اس روایت سے ان لوگوں کی قدیم مذہب کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ایسا دکھائی دیتاہے کہ یہ لوگ ہروقت خوف اورناامیدی سے رہتے تھے۔ اس لئے جو بھی آئے اس سے کئی امیدیں رکھتے تھے۔ مظاہر فطرت اور جن بھوت سے خوف ان وادیوں میں عام ہے۔ بدبودار سبزیوں کونہیں اُگانے کی روایت اشکومن اور یاسین میں بھی ہے۔

گنج آباد کی لاٹھی

گنج آباد ایمت میں ایک لاٹھی کی روایت مشہور ہے۔ گنج آباد جماعت خانے کے اُوپر پہاڑی پرایک درخت کی شاخ نظرآتی ہے۔لوگ اس کے بارے میں عجیب وغریب کہانیاں سناتے ہیں۔کہاجاتا ہے کہ یہ لاٹھی کسی بزرگ کی ہے اوراس نے وہاں نشانی کے طور پر رکھی ہے۔ اس لاٹھی کے قریب کوئی شکار وغیرہ نہیں ہوتا۔ اس لاٹھی سے منسوب کافی خوف اس گاؤں میں پایاجاتا ہے۔یہاں بھی بدبودار سبزیاں نہیں اُگائی جاتی ہیں۔ اب بھی لوگ پیازاور مرچ یہاں کاشت نہیں کرتے ہیں۔ اس لاٹھی کو

قریب سے نہیں دیکھاجاسکتا کیونکہ کافی اُوپر چٹان پرموجود ہے۔

شاہ زنگ قلعہ بورتھ

بورتھ کی پہاڑی پرایک چٹان کے بارے میں کہاجاتا ہے کہ قدیم زمانے میں ایک قلعہ تھا جس کوشاہ زنگ قلعہ کہتے ہیں۔ اس قلعے کے آثاراب بھی نظرآتے ہیں لیکن اس کے بارے میں کوئی مستندمعلومات نہیں۔ اس چٹان کے ساتھ ایک غار بھی ہے اب تک کسی نے اس کے اندرنہیں دیکھاہے تاہم مقامی لوگ کہتے ہیں کہ اس غار کے اندر ایک دیوہے اس کی شکل بکرے کی طرح ہے۔ لوگ اس غار سے منسلک کہانیاں سناتے ہیں۔ باور کیاجاتا ہے کہ قدیم زمانے میں قبائلی فسادات اورجنگوں کی وجہ سے لوگ ہمیشہ اونچے چٹانوں پر رہائش رکھتے تھے تا کہ ان سے محفوظ رہ سکے۔ واللہ عالم!

ڈربن دلتی

دلتی اشکومن میں گاؤں کے اوپرپہاڑی کے ساتھ قدیم زمانے کی قبروں کے نقوش ہیں۔سینکڑوں قبریں ایسی ہیں جن میں انسانوں کی لاشوں کوکھڑا دفنایا گیاہے۔ ان قبروں سے قدیم زمانے کے برتن،اوزار،موتیاں اورقیمتی اشیاء برآمدہوئی ہیں۔ اس مقام پر چندایک گھروں کے کھنڈرات بھی نظر آتے ہیں۔ ان گھروں کے ساتھ مویشی خانے، چکی اور چھوٹے چھوٹے حویلیوں کے آثاربھی نمایاں نظرآتے ہیں۔ ایسا دکھائی دیتاہے کہ لوگ قدیم زمانے میں چٹانوں اور اونچی جگہوں پر ہی رہتے تھے۔ اس سے ان کے زمانے کی بدامنی اورسماجی زندگی کا پتہ چلتاہے۔ مقامی لوگوں کا ان کے بارے میں کوئی معلومات نہیں تاہم وہ بھی ان قبروں کے بارے میں سوالات پوچھتے رہتے ہیں۔ خیال کیاجاتا ہے کہ قدیم زمانے میں لوگ ان علاقوں میں ایسی ہی اونچی جگہوں پر رہا کرتے تھے۔ ان کی قبریں اور دیگر انسانی ضروریات بھی ان کے ساتھ ہی ہوتی تھیں۔ اس علاقے میں اسلام کی آمد کے بارے میں بھی کوئی مستند معلومات نہیں لیکن

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

موجودہ آبادی دس سے پندرہ نسلوں سے یہاں آباد ہے۔ ماہرین آثارقدیمہ ہی ان کے بارے میں کوئی رائے دے سکتے ہیں۔

راوشن بزرگ دادی کی زیارت

راوشن گاؤں میں بھی دوسرے گاؤں کی طرح ایک روایت مشہورہے۔ راوشن کے سامنے پہاڑی پرایک چھوٹاساغار ہے جسے لوگ بزرگ دادی کی زیارت کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان کے بارے میں کہاجاتاہے کہ قدیم زمانے میں ایک بزرگ دادی اس گاؤں میں نمودار ہوئی اورلوگوں کی اس اجنبی سے خوف کی وجہ سے قریبی پہاڑی کے غارمیں غائب ہوگئی۔ اس دن سے لوگ اس کی عظمت سے خوف کھانے لگے اور ہر سال موسم خزاں میں اس کی خوشنودی کے لئے ایک بکرایاکوئی ایک مال نیاز دیتے ہیں۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ اس دادی کی یہاں آمد کے بعد اس گاؤں سے آفت بھلا دور ہوگیا۔ جن بھوت اورپریوں کااثرختم ہوا۔ بیماریاں ختم ہوگئیں اور فصل وغیرہ میں بہتری آئی اس واقعہ کے بعدیہاں کے تمام لوگ اس بزرگ دادی کی زیارت کے طور پریہاں محفل مناتے ہیں اور نیازکرتے ہیں تاکہ امن اورخیریت سے سال گزر جائے ان کا کہناہے کہ قدیم زمانے میں مقامی لوگوں نے اس بزرگ دادی کویہاں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ وہ عموماًسفید کپڑوں میں نمودار ہوا کرتی تھی۔ اس لئے ہرسال ہرایک جمعہ کے دن یہاں ایک مال کی قربانی دیتے تھے۔

یہ کہانی اسلام سے پہلے کی ہے۔ اس میں بھی مظاہرفطرت سے خوف اور امید کاپہلو نظر آتاہے۔ اس روایت کی شاخیں دائیمل اور چرتیئے میں ملتے ہیں۔ ایسا دکھائی دیتاہے کہ اس پٹی کے لوگ ایک ہی مذہب یا عقیدے کے لوگ تھے۔ ہرایک زیارت کو دادی سے منسوب کرتے ہیں۔ ایسالگتاہے کہ دیوی مالاقسم کے عقائد یہاں موجود تھے۔ اشکومن اور یاسین میں اس طرح کی کہانیاں نہیں۔موجودہ زمانے میں یہاں کے

باسی اس رسم کوصرف ثقافت کے طور پر مناتے ہیں۔اب اللہ ہی رزق دینے والا اور آفت بھلا سے بچانے والاہے۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ اب اس رسم کامطلب صرف اس روایت کو برقرار رکھناہے اس پر کوئی عقیدہ یاایمان نہیں۔ چند مولویوں نے ان کو بھی اپنے انا کامسئلہ بنایاہے اوران رسومات کو شرک قرار دیکراس سے منسلک دوسری رسومات کوبھی کفر قراردیاہے۔ مولوی صاحبان کی عقل کو سلام کہ رسم اور عقیدے میں فرق ہوتاہے۔ اسلام وہ دین الٰہی ہے کہ جس نے اسلام سے پہلے کی رسومات کوختم کرنے کے بجائے ان کوبھی اسلامی رنگ دیا۔ اب لوگ اپنے ان مقامی رسومات کی ادائیگی اسلامی ذہن سے کرتے ہیں اور ان کاایمان ہے کہ ہر چیز کے پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ رسومات صرف تاریخ و ثقافت کا آئینہ دار ہیں۔

سمال میں شری تھم کی زیارت

سمال وادی کھوہ کااہم گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں انسانی آبادی کافی قدیم ہے۔ قدیم زمانے میں اس گاؤں میں شری تھم کی حکمرانی تھی۔ وہ بہت نیک آدمی تھے اس لئے ان کے نام سے ہرسال اس گاؤں میں بہارکے موسم میں کھیتوں میں کاشت سے پہلے ایک رسم مناتے ہیں جس کو شری تھم کی زیارت کہتے ہیں۔ یہ بہت مشہورزیارت ہے۔ گاؤں کے ساتھ منسلک پہاڑی نالے کےقریب واقع ہے۔ جہاں سے اس گاؤں کے لئے نہر بنائی گئی ہے۔ لوگ سالانہ اس سربندکی صفائی اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس دن سب جمع ہوتے ہیں۔ باہمی اتفاق سے ایک معصوم بچے کاانتخاب کرتے ہیں اور وہ اس سربندکے پاس جاتاہے باقی لوگ اس پرپانی چھڑکاتے ہیں۔ اس دن اِس مقام پر مقامی شربت بنایاجاتاہے جس میں چربی اورتیل ڈالتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں نمک نہیں ڈالتے۔ اس پکوان کو سب لوگ آپس میں تقسیم کرتے ہیں اور شام کو گھروں میں کھاتے ہیں۔ اس رسم میں گاؤں کے پشتنی باشندے حصہ لیتے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہیں۔ اس پکوان کے موقع پر پہاڑی پر موجود زیارت پر دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ ان دعاؤں میں پانی کی فروانی، فصل کی بہتری، آفت بھلا سے بچاؤ اور اتفاق کی دعا کی جاتی تھی۔ اس رسم کے بعدلوگ پانی کے بارے میں پرُ امید ہوتے تھے۔ اس رسم میں بھی مظاہر فطرت سے خوف اور امید کا عنصر پایا جاتا ہے۔ شری تھم ایک بزرگ تھااور لوگ اس کے واسطے سے یہ دعائیں مانگتے تھے۔

اب موجودہ زمانے میں یہ رسم صرف علامتی طور پر منائی جاتی ہے۔ اس کاایک فائدہ یہ ہے کہ سب لوگ اس دن جمع ہوتے ہیں اور سربند کی صفائی ہوتی ہے سال کے لئے باری اور دیگر اہم فیصلے ہوتے ہیںاس وجہ سے پورا سال لوگ نظم و ضبط سے اپنی اپنی باری میں پانی اور دیگر کام کرتے ہیں۔ اس زمانے اس زیارت کی وساطت سے کوئی دعا وغیرہ نہیں مانگی جاتی البتہ اس روایت میں اس زیارت کا اہم کردار ہے۔

اس رسم کی طرح رسومات گاکوچ، گوپس اور دیگر علاقوں میں بھی منائی جاتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اس پٹی میں ہرگاؤں میں یہ رسم رائج تھی۔البتہ اس میں فرق پایا جاتا ہے ان کے بارے یہ کہاجاسکتاہے کہ ان رسومات کواب اسلامی سیاق میں تبدیل کرکے وقت سے ہم آہنگ اور موجودہ تقاضوں کے ساتھ منایاجاناچاہیے۔

کنائی (Revenge)

گلگت بلتستان میں ایک روایت ذاتی دشمنی اور انتقام کا ہے جس کو شینا میں کنائی کہتے ہیں یعنی ذاتی دشمنی کی بنیاد پربدلہ لینے کا سلسلہ۔ یہ ایک بُری بیماری ہے جو گلگت بلتستان کے اکثر علاقوں میں اب بھی باقی ہے۔ انتقام کے نام پر سلسلہ وارقتل اور دشمنی کی وجہ سے بہت زیادہ لوگ اپنے علاقوں سے ہجرت کرتے رہے ہیں۔ دین اسلام کی آمد سے قبل کی یہ رسم اب بھی کم ازکم جاری ہے۔ اسلام کی آمد کے بعدخون بہا (Bloodshed) میں کمی آئی ہے لیکن دیامر، گلگت، استور، ہنزہ نگر،بلتستان، گانچھے

سمیت ضلع غذر میں بھی اس بیماری کے اثرات باقی ہیں۔ جہاں تک غذر کا تعلق ہے اس علاقے میں یہ روایت تقریباً ختم ہوچکی ہے لیکن اس روایت کے تانے بانے دوسرے علاقوں سے ملے ہیں اس لئے کبھی کبھار ایک دو واقعات ہوتے ہیں۔ دور حاضر میں اس رسم کو ٹارگٹ کلنگ بھی کہاجاسکتا ہے۔ اس قسم کے غیر اسلامی روایات کا خاتمہ ہونا چاہئے یہ اس صورت میں ہوگا جب ہم اسلام کے تعلیمات بدلہ، دیت، قصاص یا معافی جیسے اہم اصولوں سے اگاہ ہونگے۔ اسلام معافی اور فیاضی کا دین ہے اور زیادہ اسی بات پر زور دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچاحضرت حمزہؓ کا خون معاف کیا اور مثال قائم کی۔ انتقام کے علاوہ غیرت Honor killing کے نام پرقتل وغارت کے مثالیں بھی ملتی ہے۔ بحرحال اس قسم کے رسم و رواج کی جڑیں قدیم تہذیبوں سے بھی ملتی ہیں۔ دین اسلام نے نہ صرف اس کا حل پیش کیا بلکہ واضح مثالیں بھی قائم کی۔ اس قسم کے دور جہالت کے رسوم و رواج سے دور رہنا ہماری کامیابی کا ذامن ہے۔ اگر پھربھی کوئی بدلہ لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے بھی دین اسلام اور پاکستانی قانون میں اصول وضوابط موجود ہے جن کی پاسداری ہونی چاہئے۔ ایسا نہ کرنے سے مباداکہ معاشرے میں بدامنی اور بے سکونی ہوسکتی ہے۔ صلح اور معافی کا دروازہ بھی کُھلا رہنا چاہئے۔

مذہبی تہوار وتقریبات

غذر کی پوری آبادی مسلمان ہے۔ سال میں دوعیدین عید الاضحیٰ اورعید الفطربہت بڑی عقیدت اوراحترام سے منائے جاتے ہیں۔ عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پرآنحضورؐ کی سالگرہ شاندار طریقے سے مناتے ہیں۔مسلکی بنیاد پر سنی(حنفی)، اثناعشری شیعہ اور اسماعیلی شیعہ الگ الگ تہوارمناتے ہیں۔ اثناعشری اور اسماعیلی رسم نوروز، آئمہ آطہارؑ کی سالگرہ اور جشن امامت شایان شان طریقے سے مناتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مساجد اور جماعت خانوں کی افتتاحی تقریبات بھی شاندار ہوتی ہیں۔ کفن دفن کی رسومات بھی ان مسلکوں کے الگ الگ ہیں۔ نماز جنازہ میں سنی چار جبکہ اسماعیلی پانچ تکبیرات پڑھتے ہیں نماز جنازہ کے بعد لاش کو قبر میں رکھنے کے بھی کچھ مذہبی روایات کے ساتھ ثقافتی طریقے بھی ہیں۔ اس موقع پر تین دن تک موت کے گھر میں چائے پانی کا اہتمام ہمسائے کرتے ہیں۔ یہ مرحوم یا مرحومہ کے خاندان والوں کے ساتھ ہمدردی کی علاقائی رسم ہے۔ اسماعیلی دفن کے تین دن بعد ایک رسم مناتے ہیں اس رسم کو چراغ روشن کہا جاتا ہے۔ مقامی خلیفہ کی راہنمائی میں یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس رسم کیلئے اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجیس ایجوکیشن بورڈ کی جانب سے ایک مخصوص کتاب ہے جس میں منتخب قرآنی آیات' احادیث مبارکہ' اقوال وفرامین آئمہ کرام اور مبلغین پیروں کی صوفیانہ مناجات کے ساتھ دُعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ ماضی میں یہ رسم انتہائی خفیہ طریقے سے سرانجام دی جاتی تھی جس کی ایک وجہ معاشرتی اور سیاسی حالات تھے۔ قبائلی جنگوں اور مذہبی فسادات کے خوف کی وجہ سے اسماعیلی اپنی رسومات خاموشی سے ادا کرتے تھے۔ جدید دور میں مذہبی ہم آہنگی' امن اور علمی ماحول کی وجہ سے ہر ایک رشتہ دار اور دوست واحباب ان رسومات میں شرکت کرسکتے ہیں۔ اس رسم کے بارے میں 'پاکستان کی ثقافتی انسائیکلوپیڈیا' سلسلہ قراقرم' ہمالیہ' ہندوکش (شمالی علاقہ جات) حصہ اوّل (صفحہ ۱۰۴) میں غیرضروری الفاظ لکھے گئے ہیں مثلاً ''اُس دن رات کو موسیقی ہوتی ہے' پرندوں اور جانوروں کو بھی کھانا دیا جاتا ہے'' وغیرہ۔ دور جدید میں بھی ایک دوسرے کی رسومات سے لاعلمی اور اس طرح کی اہم کتاب میں بغیر تحقیق کی چیزیں لکھنا مناسب نہیں۔ موت کی رسومات میں انسانی ہمدردی اور ارواح کے لئے دُعائیں کی جاتی ہے نہ کی محفل موسیقی۔ کسی مذہب یا عقیدے سے متعلق لکھنے سے پہلے ان کی مستند کتابوں سے استفادہ کیا جانا چاہیئے۔

زبانیں

غذر میں لسانی لحاظ سے کافی تکثیریت پائی جاتی ہے۔ تاریخی لسانی درجہ بندی کی وجہ سے یہاں کے لوگوں نے اپنی اپنی زبانوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ غذر میں شینا' کھوار' بروشسکی' وخی' اردو' گجراتی اور کھلوچا سمیت دیگر مقامی بولیاں بولی جاتی ہیں۔ دیگر بولیوں سے مراد وہ زبانیں ہیں جو ابھی ان علاقوں میں مختلف لوگوں کی آمد کی وجہ سے آئی ہیں مثلاً کرغز' بلتی' پشتو' پنجابی وغیرہ۔ زبان کسی بھی تہذیب اور ثقافت کی پہچان ہوتی ہے۔ یہ زبان ہی ہے جو لوگوں کی شناخت کا ذریعہ ہے۔ تاریخ وادب میں زبان کی اہمیت اس لئے بھی اہم ہے کہ علم وہنر کا منبع اور ترقی کے زینے بھی اسی وجہ سے ہے۔ بروشسکی زبان زیادہ تر یاسین' تھوئی' ہندور' درکوت' سندی' غوجلتی سلطان آباد' نازبز' قرقلتی اور یاسین کے تمام گاؤں میں بولی جاتی ہے۔ غذر میں وخی زبان تحصیل اشکومن میں ایمیت کی اطراف میں بولی جاتی ہے۔ باقی بولیاں پورے غذر میں وہ لوگ بولتے ہیں جو مختلف جگہوں سے یہاں ہجرت کرکے آئے ہیں۔ اردو زبان پورے علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اب نئی نسل سکولوں' نجی اداروں اور میڈیا کی وجہ سے انگریزی زبان بھی بولتے اور سمجھتے ہیں۔ ان تمام بولیوں کی تاریخ کافی پرانی ہے۔ گلگت بلتستان کی ان زبانوں کے بارے میں کافی ماہر لسانیات تحقیقی کام بھی کرچکے ہیں۔ اس کتاب میں ان زبانوں کے حوالے سے مختصراً ذکر کریں گے۔

شینا

ماہرلسانیات ڈاکٹر ناموس کے مطابق 'شینا زبان پاکستان' آزادکشمیر اور مقبوضہ کشمیر میں تقریباً 12352 مربع میل کے رقبے پر محیط علاقے میں بولی جاتی ہے'۔ (ڈاکٹر ناموس ، شینا لوجی)۔ جرمن ماہر لسانیات ڈاکٹر جارج بدرس کے قول کے مطابق 'تین ہزار سال سے پانچ ہزار سال قبل مسیح کی زبان ہے جو قراقرم' ہمالیہ اور ہندوکش کے عظیم پہاڑی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سلسلوں کے دامن میں پھیلے ہوئے علاقے میں لب ولہجے کی خفیف سی تبدیلی کے ساتھ بولی جاتی ہے۔ اس زبان کا شمار کشمیری کی طرح آریائی زبانوں کی داردی خاندان میں ہوتا ہے۔ شینا بولی سنسکرت کی ایک شکل ہے۔ شینا زبان کے حوالے سے K-Jettmar نے کافی تحقیق کی ہے ان کے مطابق 'شینا' گلگت بلتستان کے وسیع و عریض رقبے پر بولی جاتی ہے۔ کوہستان اور گرد و نواح کی شینا، گلگت، پونیال اور دیگر علاقوں کی شینا سے کافی لہجے میں مختلف ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس زبان میں بھی کافی الفاظ دیگر زبانوں اور مقامی بولیوں کے مل گئے ہیں اس لئے اب یہ بولی گلگت بلتستان کے اکثر علاقوں میں سمجھی جاتی ہے۔ تقریباً 1970ء کی دہائی کے بعد اس زبان میں شاعری اور نثر لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ غذر میں شیرقلعہ' گلاپور' سنگل' بوبر' گرونجر' گچ' گوہرآباد' داس چیوکے' گلمتی' گاکوچ' ہاسس' ہاتون' سلپی' اشکومن خاص' گوپس میں سمال' یانگل' روشن' ہاکس' گوپس خاص اور یاسین میں بوجایوٹ سمیت دیگر جگہوں پر سو فیصد شینا بولی جاتی ہے۔' انڈس کوہستان' میں رازول نے اس پر کافی تحقیق کی ہے۔

شینا اس قدر زیادہ بولی جانے کے باوجود ان علاقوں کی سرکاری زبان نہیں رہی ہے۔ تعلیمی میدان میں اس زبان کی کوئی Contribution نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بولی محض بول چال کی حد تک رہی ہے۔ انیسویں صدی کے آواخر اور اب موجودہ دور میں حلقہ ارباب ذوق اور دیگر مقامی ادبی ادارے ان زبانوں کی ترقی اور لسانی ادب پر کام کرتے ہیں۔ شاعری میں رحمت جان ملنگ پونیالی کو بابائے شاعری کہا جاتا ہے۔ بابا چلاسی سمیت ماضی میں کافی شعراء نے اس زبان کو وسعت دی ہے۔ موجودہ وقت میں ریڈیو پاکستان اور دیگر ادبی تنظیمیں اس زبان کے لئے بہت کام کر رہی ہیں اب میڈیا اور اخبارات کی وجہ سے شینا زبان بھی اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے۔ شینا ادب پر

پروفیسر عثمان' امین ضیاء' جمشید دکھی' وغیرہ نے بہت دلچسپ کام کیا ہے۔ ادبی دنیا میں شعراء' ادباء اور محققین کی وجہ سے یہ بولی زندہ ہے۔

کھوار

کھوار گلگت بلتستان کی اہم بولیوں میں سے ایک ہے۔ یہ بولی سب سے زیادہ چترال میں بولی جاتی ہے۔ قدیم زمانے میں اس بولی کے بولنے والے چترال سے گلگت بلتستان اور گرد ونواح میں ہجرت کر گئے جس کی وجہ سے یہ زبان ان کے ہمراہ ان علاقوں میں رائج ہوگئی۔ کھوار زبان کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ زیادہ تر حکمران ان علاقوں میں چترال سے ہوگزرے ہیں۔ جیسا کہ E.O.Lorimer اپنی کتاب 'Languages Hunting in the Karakoram' میں لکھتا ہے؛

> "A couple of hundred years ago Yasin was conquered by a royal Khushwaqt family from Chitral and since then Khowar has been the language of the "upper classes" (p-265).
>
> ''چند دہائیاں پہلے یاسین کو خوشوقت خاندان کے شاہی حکمرانوں نے فتح کرلیا اس وقت سے کھوار شاہی خاندان کی زبان بن گئی''۔

اس کے باوجود بھی کھوار زبان ان علاقوں میں زیادہ مشہور نہ ہوسکی۔ کھوار زبان چٹورکھنڈ' پکورہ' دائین' شونس' سمال' گوپس' پنگل' شمرن' پھنڈر' گلاغمولی اور یاسین کے کئی علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ زبان گلگت بلتستان کے دیگر علاقوں میں بھی سمجھی جاتی ہے۔ کھوار زبان کی ادبی سرگرمیاں کافی وسیع ہیں انجمن ترقی کھوار چترال کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پھنڈر اور اشکومن سطح پر بھی ایسی ادبی تنظیمیں بنائی گئی ہیں۔ مقامی شعراء

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اور ادیبوں کی حوصلہ افزائی کے لئے یہ اقدامات بہت اہم اور حوصلہ افزا ہیں۔

بروشسکی

بروشسکی گلگت بلتستان کی اہم زبانوں میں سے ایک ہے۔ اس بولی کے بارے میں غیر ملکی مورخین اور ماہرین نے کام کیا ہے۔ بروشسکی ہنزہ نگر کے علاوہ یاسین میں بولی جاتی ہے۔ ان کا لہجہ ہنزہ نگر سے کافی مختلف ہے۔الفاظ اور جملوں میں حد درجہ تضاد نہیں یہ لوگ آپس کی لہجوں کو سمجھتے ہیں۔ بروشسکی دلچسپ بولی ہے اس بولی پر محققین نے بہت کام کیا ہے اور وہ اس زبان کے تاریخی پس منظر کے بارے لکھ چکے ہیں۔ E.O.Lorimer نے بھی اس بولی پر اظہار خیال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہنزہ، نگر اور یاسین کی بولی ایک ہے لیکن معمولی لہجے میں فرق اور چند الفاظ کی وجہ سے یہ الگ الگ نظر آتے ہیں۔ ان علاقوں میں علاقائی زبانوں کی وجہ سے اس بولی کے لہجے میں تبدیلی فطری بات ہے۔ یاسین کی بروشسکی میں مونث مذکر اور گرائمر کی صلاحیت ہے۔ میرے خیال میں بروشسکی قدیم بروشال حکمرانوں کی ان علاقوں میں آمد کی وجہ سے ان علاقوں میں متعارف ہوئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں دیگر بیرونی حملوں کی وجہ سے مختلف لوگ ان علاقوں میں آئے اور ساتھ اپنی زبانوں کو بھی ہمراہ لایا۔ اس کے باوجود کہ حکومتیں آتی جاتی رہی ہیں لیکن لوگوں نے اپنی زبانوں کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ ان کو آگے بڑھایا ان میں شاعری کی اور ادبی سرگرمیاں بھی ہوئیں۔ اگرچہ یہ ادبی سرگرمیاں باقاعدہ کسی ادارے کی سرپرستی میں نہیں ہوئی لیکن غیررسمی طور پر شادی بیاہ اور دیگر ثقافتی تقریبات میں ان زبانوں کو بقا کی سانس ملی۔ یہ بولی پورے یاسین میں بولی جاتی ہے۔اس بولی میں کھوار زبان کے کافی الفاظ شامل ہوئے ہیں۔ گوپس سے آگے سری ہرنگ، گنداۓ، نوح، مورکہ، یاسین پراپر، طاؤس، سلطان آباد (ہویلتی)، غوجلتی، سندی، قرقلتی، برکلتی، ہندور، شیغتن، اُمرت،

درکوت اور پورے وادی تھوئی کے علاقوں میں بروشسکی زبان بولی جاتی ہے۔ ان علاقوں میں دیگر زبانیں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہیں جبکہ اشکومن میں گلوداس، چٹورکھنڈ، پکورہ اور بارجنگل میں بھی ہنزائی بروشسکی بولی جاتی ہے۔ یہ لوگ ہنزہ سے بیسویں صدی کے آواخر میں ہجرت کر چکے ہیں۔ ریڈیو پاکستان اور میڈیا کی وجہ سے اس زبان میں مقامی شاعر پیدا ہورہے ہیں۔ یاسین پراپر میں یہ زبان زوال کی طرف جارہی ہے کیونکہ حکمران اور کاروباری طبقہ کی زبان کھوار اور پشتو ہے۔ ایک بڑا عنصر یہ بھی ہے کہ ان علاقوں میں حکمرانوں اور مبلغین کی زبان کھوار اور فارسی رہی ہے۔ اطراف سے شینا کا بھی اثر ہے۔

وخی

وخی زبان غذر میں وادی اشکومن ایمت کے اطراف میں بولی جاتی ہے۔ اس زبان کے بولنے والے بھی وخی کہلاتے ہیں۔ یہ بولی زیادہ تر افغانستان اور سنٹرل ایشیاء کے کئی علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ قدیم زبان ہونے کی وجہ سے اس زبان میں ادبی سرگرمیاں، لوک کہانیاں، داستانیں، شاعری اور دیگر ادبی اصناف پائی جاتی ہیں۔ وخی زبان لہجے اور بولی میں فارسی سے ملتی جلتی ہیں۔ اس کا فارسی زبان سے ربط فطری بات ہے کیونکہ یہ بھی سنٹرل ایشیاء اور ان علاقوں کی پیداوار ہے۔

بارجنگل، گشکش، ایمت، بلہنز، برصوات، دیورداس، گنج آباد، شمس آباد اور تشنلوٹ سمیت اس پوری وادی میں بولی جاتی ہیں۔ مقامی سطح پر ہلکی پھلکی شاعری بھی اس زبان میں کی جاتی ہے۔ گوجال میں اس بولی پر کافی ادبی کام ہورہاہے۔ ریڈیو پاکستان کی جانب سے اس زبان کو کوریج دینے سے اب کافی ادبی سرگرمیاں ہورہی ہیں۔

گجری

غذر میں گجر کمیونٹی کافی تعداد میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر مال مویشیوں کو پالتے

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہیں اوران کے ساتھ چراگاہوں میں خانہ بدوشوں کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے ہیں۔ ان کی زبان گجری ہے۔ اس زبان کا لہجہ اردو سے ملتا جلتا ہے۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ آپس میں یہی زبان بولتے ہیں۔مختلف علاقوں میں بسنے کے باوجود وہ اپنی ثقافت سے منسلک ہیں۔

کوہستانی یا کھلوچا

ضلع غذر کے چند علاقوں میں کوہستان سے لوگ آباد ہیں۔ یہ لوگ اب تک کوہستانی زبان بولتے ہیں۔ اس زبان کو کھلوچا بھی کہتے ہیں۔ اس زبان کے بولنے والے زیادہ تر کھلی سے ہجرت کرکے ان علاقوں میں آئے ہیں۔ اشکومن خاص اور گاہکوچ کے گرد ونواح میں اس زبان کے بولنے والے اکثر پائے جاتے ہیں۔ ان کا لہجہ اور بول چال اردو، شینا یا مقامی زبانوں سے بالکل مختلف ہے۔کارل جمسٹار اور دیگر محققین نے اس زبان پر تحقیق کی ہے۔ ہم صرف اتنا کہیں گے کہ ان علاقون میں کھلوچا بھی بولی جاتی ہے۔ اس زبان کے بولنے والوں نے اپنی زبان کو زندہ رکھاہے لیکن نئی نسل زبان کے استعمال اور سمجھنے سے قاصر ہے۔

ذاتیں اور قبیلے

غذر کے تمام علاقوں میں لسانی،نسلی اور ذاتی تکثیریت ہے۔ اس گوناگونی کی وجہ سے ان علاقوں میں چھوٹی چھوٹی قومیں اور قبیلے بنے ہیں۔ قدیم زمانے میں ان علاقوں میں بدھ پرست اور مظاہر پرست مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ ان مذاہب کے آثار پورے علاقے میں پتھروں،عمارتوں،قبروں اور زیورات سے نظر آتے ہیں۔ ان کے ماننے والوں نے یہاں قبائل اور ذاتیں متعارف کرائیں۔ اُس زمانے دیوی، دیوتا اور مافوق الفطرت عقائدکی وجہ سے لوگ گروہوں میں بٹ گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسانی تہذبیں اور ثقافتوں میں چیزیں ملتی اور خارج ہوتی رہیں۔ اُس زمانے میں

حکمرانوں کا شوق رہتا تھا کہ ان کی ریاستوں کی سرحدوں میں وسعت ہوتی رہے۔ اس کوشش میں حملہ آور ایک دوسرے کی سرحدوں پر یلغار کرتے رہتے تھے۔

ان جنگوں کے نتیجے میں لوگوں کا ایک سے دوسری جگہوں پر ہجرت بھی عام سی بات تھی۔ اس حالت کی وجہ سے لوگ اپنے حکمرانوں کے ساتھ اپنے عقائداور ثقافت کو بھی تبدیل کرتے تھے۔ جس علاقے کا حکمران جو مذہب اختیار کرتا ہے رعایا بھی اسی پر عمل کرنے لگتے۔ ان علاقوں میں، جیسا کہ ہم اس کتاب میں کئی جگہوں پر بتا چکے ہیں، لوگوں کی نسل اور ذات مختلف رہی ہے۔ ان تبدیلیوں کی ایک وجہ مذہب اور شادی ہے۔ 'Frederic Drew' اپنی کتاب 'The Jammu and Kashmir Territories, 1875' میں چند ذاتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ 'رونو، شین، یشکن، کمین (کرمین) اور ڈوم ان علاقوں کی اہم ذاتیں تھیں'۔ کرنل جون بڈلف اپنی کتاب ''The tribes of Hindu Khush'' میں لکھتے ہیں کہ 'رونو ان علاقوں میں کل آبادی کا چھ فی صد ہیں۔ راجوں کے بعد یہ معزز ذات ہے'۔ رونو، یشکن،شین اور سید اُس زمانے کی اونچی ذاتیں تھیں۔ ڈوگروں کے ان علاقوں میں آنے کے بعد ہندو تعلیمات کی وجہ سے ذاتوں اور قبیلوں کی تقسیم پر اور توجہ دی گئی۔ غذر اور شمالی علاقہ جات میں مورکرافٹ، وائن آتھر، لنٹر،ڈیورنڈ،بڈلف اوران کے ہمعصر لوگوں نے ان علاقوں میں ذات پات کی بڑی بڑی داستانیں رقم کی ہیں۔کارل جمسٹار لکھتے ہیں کہ

> "The population was organized in to four Castes Shins, Yaskuns, Kamins, and Doms. Since a very early time may be according to a model taken

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

from neighboring were Hinduism was still prevailed." ’۔۔۔اس کے بعد یہاں کی آبادی شین،یشکن، کمین اورڈوم میں منقسم ہوگئی۔ یہ نمونہ شاید بہت وقت پہلے یہاں رائج ہندو مذہب سے رائج پا گیا ہوگا جوابھی تک قائم ہے‘(کارل جمسٹار،۱۹۸۰ء۔بلور انیڈ درستان لوک ورثہ اسلام آباد صفحہ ٦)

'Dr.G.W.Leitner' اپنی کتاب 'Language and Races of Dardistan, 1877' میں اس علاقے کو'دردستان' لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس علاقے میں زیادہ تر یشکن رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کمین اور ڈوم بھی ان علاقوں میں رہتے ہیں،بہرحال خیال کیا جاتا ہے کہ کمین کوئی ذات نہیں بلکہ ایک Working CLass یا گروپ ہے جواُس زمانے کھیتوں میں کام کاج کرتے تھے۔یشکن اور شین قبائل کے ساتھ جو لوگ چھوٹے پیمانے کے کام کرتے تھے ان کو کرمن کہا جاتا ہے۔ مشرشاہ نے اپنی کتاب'تبت میں آریہ' میں لکھا ہے کہ کرامن لفظ کرم سے بنا ہے جس کے معنی'کام' کے ہیں۔ پروفیسر دانی کے مطابق کمین قبیلے کے لوگوں میں بدیسی عنصر موجود ہے ان کی خدوخال سیاہ ہے اور دبلے پتلے قد کے ہیں۔ پروفیسرعثمان لفظ کمین کو ذات نہیں بلکہ ایک خاصیت کے طور پر لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ فارسی زبان کے لفظ کمینے کامخفف ہے اور یہ کسی ذات یا نسل کو ظاہر نہیں کرتا۔ بہرحال فریڈرک ڈریو درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے داروں کو درجہ ذیل پانچ طبقات میں تقسیم کرتے ہیں؛

۱۔رونو ۲۔ شین ۳۔ یشکن ۴۔ کمین ۵۔ ڈوم

1928ء کی حکومت ہند کے گزٹیر میں کمین،ڈوم اور شوٹو کو ہندوستانی کہار اور ڈوم کے ہم پلہ درجہ بنایا گیاہے۔ بہرحال1894ء کے نائب مہتمم بندوبست امیر سنگھ،1916ء

کی بندوبست کے مہتمم ٹھاکر سنگھ، پروفیسر احمد حسن دانی،ڈاکٹر شجاع ناموس، پروفیسرعثمان علی،فریڈرک،لینٹر،بڈلف،کرنل ڈیورنڈ،چترال کے اسرارالدین،وزیر حشمت اللہ، محمد حسن حسرت وغیرہ اور دیگر مورخین اور تاریخ دانوں نے ان ذاتوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہاں ذاتوں کو بحث کرنے کا مطلب دوبارہ اس وباء کی تشہیر نہیں بلکہ تاریخ کی ان زیادتیوں کو دیکھنا ہے جس کی وجہ سے اولاد آدم ذاتوں اورنسلوں میں بٹ گئی۔۔۔

ڈوم برادری کے لوگ اس زمانے فنکاری کا کام کرتے تھے جو شاہی خاندان اوران علاقوں میں میوزک اور ڈھول ڈھامے بجاتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی الگ نام دیا گیا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں کوئی ذاتیں نہیں بلکہ ان لوگوں کی نسل سے ہیں جو اس زمانے غربت یاکسی اور وجہ سے یہ کام کرنے پر مجبور یا معمور تھے۔ جب ان کی نسل بڑھتی گئی تو ایک ذات یاقوم کہلائے۔ جیسا کہ لوہار، کمہار، بڑھئی کا کام کرنے والے بعدمیں اپنے پیشے کی وجہ سے وہی کہلائے۔ ضروری نہیں کہ ان کی ذات بھی وہی ہو بلکہ یہ ہنرمندSkliledلوگ تھے جس کی وجہ سے ان کی اولاد نے بھی ان پیشوں کواپنایا۔

تاریخی طور پر ہندو مذہب کے لوگوں نے بھی اس انداز میں معاشرے کوتقسیم کیا۔ برہمن، کشتری، ویش اور شُدران چار طبقوں کی عکاسی کرتا ہے یعنی حکمران، فوج، زمیندار اور دوسرے چھوٹے چھوٹے کام کرنے والے۔ جدید معاشی تاریخ میں مشہور زمانہ مفکر کارل مارکس نے بھی ان طبقات کی بھرپور مخالفت کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ سب انسان برابر ہیں صرف جاگیردار اور حکمران کیوں وسائل کا فائدہ اُٹھاتے ہیں حالانکہ ان وسائل کی پیداوار میں اضافہ مزدور کرتے ہیں۔

اسلام کے ان علاقوں میں اشاعت کے بعدان چیزوں میں کمی آئی اور یہ قبائل اور ذاتیں اب نام کے رہ گئے ہیں لیکن اس کے باوجود حکمران طبقہ اور چند نام نہاد قبائل

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اپنے شجرے بزرگوں اور پیغمبروں سے منسوب کر کے اس وباء کے پھیلاؤ میں پیش پیش رہے ہیں۔ اسلام کا ذات اور نسل کے بارے میں آفاقی پیغام یہ ہے؛

يَآيُّهَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ
شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اَتْقٰكُمْ ط (القرآن سورۃ الحجرات:۱۳)

ترجمہ: ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرسکو اور اللہ کے نزدیک تم میں سب سے افضل وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے''۔

اس پیغام کو گلگت بلتستان کے ایک شاعر نے یوں خوبصورت شاعری میں پیش کیا ہے

ے قریشی ہو کہ کوئی ہاشمی ہو — کوئی رضوی ہو کوئی کاظمی ہو
تعارف کے لئے قومیں بنی ہیں — برابر ہیں سبھی جو کوئی بھی ہو
یہی معیار حق ٹھہرا ہے لوگو! — کسی بھی قوم کا ہو، متقی ہو
(جمشید خان دُکھی)

ذات پات اور نسلی اونچ نیچ کے بارے میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں مکمل اور واضح فرمایا ہے؛

''خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی سیاہ کو کسی سرخ پر اور کسی سرخ کو سیاہ پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں ہے''۔

ذاتوں اور قبائل کے بارے میں پوری تحقیق اس کتاب کی وسعت سے باہر ہے۔ بہرحال اس وقت غذر میں رونو، شین، یشکن، ڈوم، کمین (اصل میں کارسے کرمین ہے) کے علاوہ راجے، سید، افغان، وخی، پٹھان، گجر، کرغز اور چترال سے کئی ذاتیں اور قبائل آباد ہیں۔ یہ ذاتیں اور قبائل ڈوگروں اور ہندو مذہب کے ان علاقوں میں آمد سے

بنے تھے موجودہ وقت میں درجنوں قبائل وجود میں آچکے ہیں۔

ہر گاؤں میں آباد مختلف نسلوں کے لوگوں نے اپنی ذات سے ہٹ کر آباؤاجداد کے ناموں سے چھوٹے چھوٹے قبیلے متعارف کرائے ہیں۔ مثلاً خوشوقتیں، کٹورے، بروشے، لالے، چوروٹے، خیبرے، شلھے، جہانگیرے، چھڑے، برچے، نوچے، شاگونے، شیخیں، مورکالے اور نمبردارے وغیرہ۔ اس کے علاوہ جہاں سے بھی یہ لوگ ہجرت کر کے آئے ہیں ان قدیم علاقوں کے نام سے بھی قومیں متعارف ہیں۔ مثلاً چترالی، کھلی، افغانی، ہنزائی، پونیالی، یاسینی، کوہوچے اور داریلی وغیرہ۔ عنایت اللہ فیضی اپنی کتاب 'چترال' میں چترال میں موجود ذاتوں اور قبیلوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ چترال میں درجہ ذیل قبائل اور ذاتیں ہیں؛

کھو، کلاش، شبگالی، گواری، ڈانگرک، پٹھان، گوجر، دامیلی، واخی، بدخشی اور منجی۔ (ص35)۔ ان ذاتوں اور قبیلوں سے بھی لوگوں نے غذر کی طرف ہجرت کی ہے اور صدیوں سے یہاں آباد ہیں۔ جن کی تفصیلات غذر کے مشہور گاؤں میں کیا گیا ہے۔

فریڈک ڈریو اپنی کتاب 'The Jammu and Khasmir 1875'، بڈلف اپنی کتاب 'Tribes of Hindokush 1887'، E.O. Loimer اپنی کتاب 'Language Hinting an the Karakoram 1891'، E.F.Knight اپنی کتاب 'Where three empires meet 1891'، R.C. Shumbarge میں اپنی کتاب 'Between the Oxus and Indus 1933' اور ملٹن ہوف نے اپنے Ph.D کی تحقیق میں غذر کے علاقوں میں ذات اور قبائل کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔

ان تمام مورخین اور سیاحوں نے اپنے اپنے انداز میں ان ذاتوں کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے اپنے سیاق میں اور perspectives میں انہوں نے ان ذاتوں پر تجزیہ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

بھی کیا ہے۔

پھر مسلم سیاحوں اور تاریخ دانوں نے بھی ان ذاتوں پر قلم اُٹھایا ہے۔ جن میں احمد حسن دانی، پروفیسر عثمان، مولوی حشمت اللہ، عنایت اللہ فیضی، شیرباز برچہ، حسن حسرت، رشید بدوی اور پروفیسر منظوم علی شامل ہیں ان سب نے ان ذاتوں کو وقت اور ان کے استعداد کار کے حوالے سے تقسیم کی ہے۔ مثلاً حکمران، سالار، زمیندار اور خدمتگار یا فنکار۔ بہرحال تاریخ اور وقت کی ستم ظریفی یہ ہے کہ غربت اور افلاس، علم وعمل، اور معیشت انسان کو طبقات میں تقسیم کرتی ہیں۔

ضلعی انتظامیہ کے مطابق اس وقت غذر میں درجہ ذیل نسلیں رہتی ہیں؛

نمبرشمار	ذات	پیشہ
۱	شین	زراعت و سرکاری خدمات
۲	یشکُن	زراعت و سرکاری خدمات
۳	راجپوت	ماضی کے حکمران اور اب زراعت سے وابستہ ہیں
۴	سید	مذہبی قبیلہ جنہیں عام لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں
۵	ڈوم/ کمین	زراعت و موسیقی (اب موسیقی کا پیشہ تقریباً بہت ہو گیا ہے)
۶	گجر	گلہ بانی (تعلیم کی طرف ان کا رجحان بہت کم ہے)

(ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن آفس اکتوبر ۲۰۱۰ء)

میرے نزدیک ذاتیں اور قبیلے انسانی استعداد کار اور صلاحیتوں سے بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک آدمی اپنے دور میں تعلیم حاصل کرکے عالم بنا اور حکمران وقت کی خوشنودی یا اپنے علم سے شہرت پائے ان کی اولاد اس ہنر کو جاری رکھے تو ان کی ایک ذات اور قبیلہ بن جائے گا۔ اس طرح کوئی محنت کرکے یا اپنی ہوشیاری سے ایک علاقے پر حکمران بن گیا دوسرے اپنے جیسے لوگوں سے رشتہ کیا یوں ایک ذات کا وجود

عمل میں آتا ہے۔ ایک مقام حاصل کرنے کے بعد ان کی شخصیت کا با اثر ہونا فطری بات ہے اور اس کی زمانے میں قدر و منزلت بھی ہونی چاہیئے۔ اس صورت حال میں ان خاندانوں کے مخصوص رویے بھی بنتے ہیں جو آنے والے وقت میں ان کی پہچان بن کر معاشرے میں جڑ پکڑ کر تناور بھی بن جاتے ہیں۔ بصورت دیگر انسان سب آدم کی اولاد ہیں۔ جیسے پیشے ہونگے ویسے ہی لوگوں کے روّیے ہونگے اچھے پیشوں کے لوگ با اثر روّیے رکھیں گے بُرے عادات کی وجہ سے وہ حوصلہ شکنی کا شکار رہیں گے اور جہاں جائیں گے کوئی نہ کوئی ایسا کام کریں گے کہ وہ ان سے منسوب ہو کر رہ جائیں گے۔

تعمیرات اور فن تعمیرات

تعمیرات کی اہمیت ہر دور میں بہت اہم رہی ہے۔ مکان، دکان، قلعے اور سرائے اس زمانے کے لوگوں کے مزاج اور طبیعت کی عکاسی کرتے ہیں۔ غذر میں تعمیرات بہت کم دستیاب ہیں۔ تمام تعمیرات کو اکھاڑ کر جدید عمارات بنائی گئی ہیں۔ کچھ آثار غذر کے طول و عرض میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں گاہکوچ قلعہ، شیر قلعہ، سنگل، بوبر، اشکومن، یاسین میں بھری کھن، گوپس، تھوئی، درکوت، سمال، پھنڈر، گلاغمولی اور دیگر جگہوں پر چند ایک تعمیرات کی نشانیاں ہیں۔ ان تعمیرات میں مقامی ہنر کم اور کشمیری، چترالی اور افغانی ہنر زیادہ نظر آتا ہے۔ فن تعمیرات میں گھر کی تعمیرات معمولی تبدیلی کے ساتھ اس پورے علاقے میں کی گئی ہے۔ ان تعمیرات میں اسلامی عقائد کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔ کچھ تعمیرات قدیم دور میں ہندو اور زرتشت مذہب کی نمائندگی بھی کرتی ہیں ان میں جڑاوملک اور ڈموراء شامل ہیں۔ پختہ مکانات ان کی اعلیٰ ذہانت کی مثال ہے۔ مساجد میں شیر قلعہ کی مسجد کی تعمیر مثالی ہے جس پر کندہ کاری بھی کی گئی ہے۔ راجاؤں اور اہل اقتدار لوگوں نے اپنی رہائش اور مذہبی مقامات کی تعمیر دل لگا کر کی ہے۔ عوامی سطح

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

پرسوائے پولوگراونڈ کے کوئی پبلک بلڈنگ نہیں۔ موجودہ وقت میں جدید اور قدیم فن تعمیرات کی امتزاج کے ساتھ بنائے جاتے ہیں۔ مغربی تعمیرات اور تعیش کے اثرات یہاں بھی آنا شروع ہوگئے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل زمین بچانے کیلئے منزلوں پر مشتمل مکانات تعمیر کئے جاتے ہیں۔

نجی اِداروں کا کردار

نجی ادارے کسی بھی ملک میں سماجی اور معاشی ترقی میں بہت اہم کردارادا کرتے ہیں۔ غذر میں نجی ادارے بہت سرگرم ہیں۔ ان میں AKRSP‘ AKESP‘ AKF کے ذیلی ادارے WWF‘ IUCN‘ MIED‘ UNO کے کئی ذیلی ادارے KARDO‘ روپانی فاونڈیشن‘ اقراء سکولز کے علاوہ کئی ایک مقامی نجی ادارے مختلف خدمات پیش کرتے ہیں۔ غذر میں نجی اداروں کی تعلیمی خدمات بہت قابل ذکر ہیں۔

تعلیم کے میدان میں ان نجی اداروں کا بڑاہاتھ ہے۔ حکومتی اداروں کے ساتھ ان اداروں نے پرائمری سے ہائی سکول لیول تک شرح تعلیم کے اضافے کے لئے ان کی خدمات قابل تعریف ہیں۔ خواتین کی تعلیم کے سلسلے آغاخان ایجوکیشن سروس کی خدمات سنہرے حروف میں لکھنے کی قابل ہیں۔ ہزاروں بچیاں اس ادارے کی وجہ سے زیور تعلیم سے آراستہ ہوئیں۔ اساتذہ کرام کی تربیت کے حوالے سے بھی ان اداروں نے بڑے پیمانے پرکام کیا۔ تدریسی مواداور سکولوں کی عمارات کی فراہمی میں بھی ان کی کاوش شامل ہیں۔

صحت کے میدان میں زچہ بچہ کی سہولیات‘ میٹرنٹی ہومز‘ جنرل ہسپتال سمیت بنیادی ضرویات فراہم کرنے میں مقامی حکومت کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔

گاوٗں سطح پر سماجی ادارے اور بچت اسکیمیں بھی ان اداروں نے متعارف کرایاہے جس کی وجہ سے سول سوسائٹی کا سماجی شعور بیدار ہوا۔

کاروبار اورمعیشت میں گھریلوصنعت لائیوسٹاک اور دیگرچھوٹے پیمانے کی اسکیمیں دے کرلوگوں کی معیار زندگی میں بہتری لانے کی کوشش کی۔

غذر کی وادی میں میدانی اور پہاڑی علاقے ہیں جومختلف پھل فروٹ کیلئے بہتر ہیں ان نجی اداروں نے ان علاقوں میں مختلف پھلدار درخت اور پودے متعارف کروائے ہیں۔

نجی اداروں نے ہی گاوٗں سطح کے نوجوانوں اور خواتین کومختلف ہنرمندی سکھائی جس سے یہ لوگ مقامی طور پر اپنے لئے روزگار پیدا کرسکتے ہیں۔

معدنیات اور دیگرقدرتی وسائل کی شناخت اور لین دین میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

خشک میوہ جات اور ان کے کاروبارکیلئے مارکیٹ پیدا کیں دستکاری اور دیگر گھریلوں کاموں میں خواتین کو تربیت دیتے ہیں۔ یہی نہیں قدرتی آفات سے بچاوٗ اور حفاظتی اقدامات کی تربیت میں بھی حکومت کی مددکرتے ہیں۔ الغرض نجی ادارے عوامی خدمات میں پیش پیش ہیں۔نجی اداروں کی وجہ سے نہ عوامی سطح پر شعور حاصل ہوا ہے بلکہ ملکی اور غیرملکی ایجنسیوں میں ہمارے نوجوانوں نے اہم عہدے حاصل کی ہے جس کی وجہ سے حکومت پر بے روگاری کا بار بھی کم پڑرہا ہے۔اس علاقے کے نوجوان اب بین الاقوامی سطح کے اداروں خاص کر یو۔این۔او تک پہنچ چکے ہیں جو کہ اس علاقے کے لئے بہت اہم بات ہے۔ ایم۔آئی۔ ڈی جیسے ادارے بنا کر اس علاقے کے سپوتوں نے علاقے کے لئے بڑی خدمت دی ہے۔جن کی تفصیلات آگے آئے گی۔

تعلیمی ارتقاء

تعلیم کسی معاشرے کی ترقی کاپہلا زینہ ہے۔ غذر اس میدان میں پورے ملک سے آگے ہے۔کم وسائل اور دور افتادہ ہونے کے باوجود ہزاروں طالب علم علم کی روشنی سے منور ہورہے ہیں۔ ایک جائزے کے مطابق غذر میں موجودہ تعلیمی نظام کا آغاز

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

انیسویں صدی کے آواخر میں انتہائی محدود پیمانے پرہوا۔ مقامی راجے، مہتروں اور مذہبی رہنماؤں نے دور دور جاکر محض اپنی ضرورت کی خاطر علم حاصل کیا۔ انگریزوں اور ڈوگروں کی آمد سے پہلے یہاں صرف دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ دنیاوی تعلیم کا اتنا کوئی چرچا نہیں تھا۔ سرکاری سرپرستی میں صرف چند ایک مقامات پرسکول قائم تھے وہ بھی محض شاہی خاندانوں کے نصیب میں تھے۔ قرآن پاک کی تعلیم بھی انتہائی محدود پیمانے پرخاص خاص لوگوں کو میسر تھی۔ لوگ صرف کلمہ پڑھ کر دینی تعلیم کی رسائی کا اطمینان کرتے تھے۔ شیرقلعہ، گاہکوچ، گوپس،یاسین اوراشکومن میں ریاستی مرکزی مقامات پرسکولوں کا آغاز انگریزوں نے کیا۔ مملکت پاکستان کے قیام اور جنگ آزادی گلگت کے بعد سرکاری سکولوں کووسعت دی گئی۔ اب سرکاری سطح پر ڈپٹی ڈائریکٹر کی قیادت میں سینکڑوں تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ڈپٹی کمشنر غذر کی ایک رپورٹ Sep. (2010) کے مطابق غذرمیں بوائزانٹر کالج ہاتون، گرلزکمیونٹی انٹر کالج گاہکوچ، دس ہائی سکول، دس مڈل سکول، 68 پرائمری سکولز، پانچ مساجد سکول، NFBE سکولوں کی تعداد سولہ اور کمیونٹی سکولوں کی تعداد ایک سو پانچ ہے۔محکمہ تعلیم غذر کے اعداوشمار کے مطابق پورے غذر میں درجہ ذیل نجی اسکول تعلیمی میدان میں خدمات دے کر ہزاروں بچوں کی مستقبل میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ ان میں اسپارک آف ہوپ پبلک سکول گوہرآباد، غذر پبلک سکول گاہکوچ، ضمیر پبلک سیکنڈری سکول سنگل، پائلٹ سکول شیر قلعہ، یونائٹڈ پبلک سکول گلاپور، سن شائین پبلک سکول بوبر، بسٹ ٹاون پبلک سکول گاہکوچ، سیدعالم شہید پبلک اسکول گلوداس، شمع ہائی سکول سنگل، الشمس پبلک سکول گاہکوچ، ناگو پبلک سکول ایشی، ایم آئی ڈی سکول گاہکوچ، پائینیر پبلک سکول شیر قلعہ، نیشنل سنٹر فار ریہیبلیٹیشن آف چائلڈ لیبر اینڈ ارفنڈز غذر، گوری تھم پبلک سکول گورنجر، لیڈرشپ پبلک اسکول گاہکوچ، العصر پبلک سکول چٹورکھنڈ، الامین پبلک سکول اشکومن مومن آباد، آٹرپلک سکول اشکومن،

الحسین اکیڈمی فیض آباد اشکومن، عمر خیام پبلک سکول چٹوکھنڈ، اسٹار پبلک سکول سمال، جناع پبلک سکول گوپس، لالک جان پبلک (نشان حیدر)سکول ہندور،پیرائیٹ سٹار پبلک سکول یاسین، بیگل اکیڈیمی حرب تھوئی، سن رائز موڈل پبلک سکول سندی یاسین، بروشال پبلک سکول برکلتی، شکسپیئر پبلک سکول بجایوٹ یاسین، روز گاڈن پبلک سکول سندی یاسین، ہائی فلائر سکول گاہکوچ، فورسائیڈ سکول گاہکوچ، اقراء سکول، جونیپر پبلک سکول گاہکوچ اور رائیل ای سی ڈی سنٹر گاہکوچ شامل ہیں۔ یہ تمام اسکول علمی خدمات میں حکومت کے ہمسفر ہیں۔ اس طرح کے ادارے کسی بھی معاشرے کے لئے سودمند ثابت ہوسکتے ہیں۔ ان اداروں سے عوامی توقعات یہ ہے کہ معیاری تعلیم کی اسلامی میراث کوآگے بڑھائے نہ کہ ان کو پیسے کمانے کا ذریعہ۔

ڈائریکٹریٹ ایجوکیشن گلگت بلتستان کے ویب سائٹ (www.gbdoe.pk) کے مطابق ضلع غذر کی سرکاری تعلیمی اداروں کی تعداد اس مطابق ہے۔

اسکولز	پرائمری	مڈل	ہائی	کُل تعداد
بوائز سکول	27	9	16	72
گرلز سکول	16	4	2	22
مخلوط سکول	116	8	1	125
ٹوٹل	179	21	19	219

(سالانہ سکولوں کی مردم شماری 9-2008)

اس طرح پرائمری میں10991 طلبہ، مڈل میں 3157 طلبہ اورہائی سکول سطح میں 5835 طلباء وطالبات ان سکولوں میں زیرتعلیم ہیں۔ کل داخل بچوں کی تعداد 19983 ہے۔ پرائمری میں دس ہزارسے زائد پھر مڈل سطح میں صرف تین ہزاربچے آتے ہیں۔ پھرہائی سکولوں میں تعداد بڑھ جاتی ہے جیساکہ اس ٹیبل سے ظاہر ہوتا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہے اس کی وجہ ہائی لیول میں نجی سکولوں کی کمی ہے۔ ان کی مزید تفصیل آپ www.gbdoe.pk/in dex.htm پر ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

مارچ 1946ء کو آغاخان سوم کی ڈائمنڈ جوبلی منائی گئی۔ اسی سال اگست میں اسماعیلیوں کے اڑتالیسویں امام حضرت امام سلطان محمدشاہ الحسینی صلواۃ اللہ علیہ(آغاخان سوّم) کی ہدایت کی روشنی میں پورے شمالی علاقہ جات میں48 ڈائمنڈ جوبلی سکولوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ غذر سے سید کرم علی شاہ کوانتظامی سربراہ مقرر کیا۔ 1953ء میں راجہ محمدعلی خان کوانسپکٹر سکول مقرر کرکے1954ء کو چندایک سکولوں کو مڈل کا درجہ دیاگیا۔ 1970ء کوملکی سطح پرسنٹرل ایجوکیشن بورڈ بنایا گیا۔ غذر کیلئے چار ریجنل بورڈ بنے۔ 1972ء کوحکومت پاکستان کی جانب سے لڑکوں کے لئے مڈل اور ہائی سکولوں کااجراء کیا۔ آغاخان ایجوکیشن سروس نے لڑکیوں کے لئے سکول بناکر حکومت کاہاتھ بٹایا۔ 1980ء کوسنٹرل ایجوکیشن بورڈنے غذرکیلئے داورشاہ انسپکٹر مقرر ہوئے۔ ۱۴ مئی 1983ء کوشیرقلعہ آغاخان سکول کی بنیادڈالی گئی۔ 1985ء سے آغاخان ایجوکیشن سروس نے یہاںAKESکے نام سے خدمات شروع کی۔ 1997ء کو یورپین کمیشن کی مددسے فیلڈ ایجوکیشن آفس بنے تو غذرمیں دومقامات گاہکوچ اور گوپس میں ان کے دفاتر بنے۔1997ء سے ان سکولوں میں انگلش میڈیم سکولوں کی بنیاد رکھی گئی۔ سن 2003ء کوگاہکوچ میں آغاخان ہائرسکنڈری سکول کاقیام عمل میں آیا۔ اساتذہ کی ٹریننگ کے لئے بھی توجہ دی گئی اور گلگت میں آغاخان یونیورسٹی کے تعاون سے انسٹیٹیوٹ فار ایجوکیشن ڈویلپمنٹ بنایا گیا۔

اس طرح AKESPکے زیر اہتمام ضلع غذر میں دوہائی سکول‘نو مڈل سکول اور سولہ پرائمری سکولز قائم ہیں۔ جن میں آغاخان ہائر سکنڈری سکول گاہکوچ اور آغاخان سکول شیرقلعہ شامل ہیں۔ (AKESPرپورٹ 2010ء)۔ ان کے علاوہ اقراء نیٹ ورک‘

مقامی نجی اداروں اور MIED کے کئی سکول بھی قائم ہیں۔ ایک نجی ادارے کی حالیہ رپورٹ کے مطابق غذرکی شرح خواندگی52فیصد جن میں56 فیصدمیل اور 48فیصد فی میل شامل ہیں۔(آغاخان رورل سپورٹ پروگرام اورلوکل سپورٹ آرگنائزیشن‘غذر‘ ۲۰۰۹ء)۔

دیگر اہم سرکاری اداروں میں محکمہ صحت کے زیر اہتمام چارہسپتال‘ بارہ ڈسپنسریز‘ اور دو BHUs قائم ہیں۔ محکمہ پولیس‘محکمہ زراعت‘GBPWD‘ محکمہ سول سپلائی‘ حیوانات کے لئے بارہ ڈسپنسریز‘ محکمہ سوشل ویلفیئر‘محکمہ نادرا‘ محکمہ ٹکسیشن اور لوکل گورنمنٹ شامل ہیں۔ ان تمام اداروں کے مرکزی دفاتر ہیڈضلعی کوارٹر گاہکوچ میں ہیں۔

حوالدار لالک جان شہید نشان حیدر(ہندور‘ یاسین، غذر)

کارگل کے محاز پر سرفروشانہ کارنامہ سرانجام دینے میں نام حوالدارلالک جان شہید کا ہے۔ 1999ء میں کارگل کی جنگ میں جرأت مندانہ لڑائی کرتے ہوئے شہادت پا گئے۔ آپ کا تعلق غذرکے دور افتادہ گاؤں ہندور سے ہے۔ آپ 1967ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گاؤں سے حاصل کی اور تیسری جماعت کے بعدپڑھائی کے سلسلے کو آگے نہیں بڑھایا دسمبر1984ء کو نادرن لائٹ انفنٹری میں بھرتی ہوگئے۔ آپ بچپن سے ہی انتہائی ہوشیار اور زیرک تھے۔ وطن سے محبت آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ لالک جان بچپن سے ہی اپنے علاقے میں فلاحی کام اور معاشرتی ترقی دیکھنا چاہتے تھے۔ فوج میں ہمیشہ آپ اگلی پوزیشن پرجاناچاہتے تھے۔ 1999ء میں وادی کارگل کے ایک حصے دراس میں جنگ کی سی صورتحال نے جنم لیا۔ تعلقات بہت کشیدہ ہوگئے پاکستان اور بھارت میں باقاعدہ محازآرائی شروع ہوگئی۔ دونوں ملکوں نے مورچے سنبھال لئے براہ راست جنگ شروع ہوگئی۔ بھارتی افواج کی گزشتہ دس

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

سال کی زیادتیاں اب اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ ان کا جواب دینا ضروری ہوگیا تھا۔ بھارت کی طرف سے پہل قدمی ہوچکی تھی اب حالات کا تقاضا تھا کہ اس ملک کی سرحدوں کی اس طرح حفاظت کی جائے کہ دشمن کو یاد رہے۔ پاکستانی افواج ہمیشہ اپنی دفاع اور ظلم کی صورت میں حرکت میں آتی ہے۔ پاکستانی افواج نے کبھی کسی پر ظلم میں پہل نہیں کی۔

ہم امن چاہتے ہیں مگر ظلم کے خلاف
گر جنگ لازمی ہے تو پھر جنگ ہی صحیح

1999ء میں جب حالات اپنے حد پار کرگئے اپنی دیس کی دفاع لازم ہوگئی تو اب برداشت کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ان حالات میں ہمارے فوج نے دراس سیکٹر میں پوزیشن سنبھال لیا۔ دراس میں بھارت کے تقریباً ایک لاکھ فوجی موجود تھے۔ پاکستانی فوج کے نوجوان ہمت وجرأت سے آگے بڑھے دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے بڑے منصوبے کو خاک سے ملا دیا۔ ہر ایک نوجوان نے دلیری سے کام کیا۔ دشمن پر حملہ اور ان کو انکی سرحد سے اِس طرف آنے نہ دیا۔

حوالدار لالک جان شہید اپنے دستے کے ساتھ محاذ پر مورچہ زن تھے۔ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری ہمت اور حوصلے سے کی اپنی قیادت کے حکم کے عین مطابق دشمن پر وار کرتے گئے۔ دشمن کی بھاری اسلحہ اور ہتھیاروں کے باوجود آپ نے ایک انچ زمین بھی ان کے ہاتھ جانے نہ دیا۔ آخرکار 7 جولائی 1999ء کو آپ مالک حقیقی سے جاملے۔

ہمت وجرأت کی داستان بہت لمبی ہے۔ آپ کی اس بہادری پر قوم کو فخر ہے اور رہے گی۔ حکومت پاکستان نے آپ کی ان خدمات کے صلے میں پاک فوج کے سب سے بڑے اعزاز نشان حیدر سے نوازا۔ آپ نشان حیدر پانے والے دسویں شہید ہیں۔ آپ

کا مزار آپ کے آبائی گاؤں ہندور میں ہے۔ آپ نے نہ صرف زندگی میں اپنے ملک وقوم کی خدمت کی بلکہ شہید ہونے کے بعد آپ کی وجہ سے آپ کے مزار تک میٹل روڈ بنا جس سے آپ کے خواب کی تعبیر ہوئی۔

آپ نے اپنی زندگی میں اپنے علاقے کی تعمیر و ترقی کے لئے بہت کوششیں کیئں۔ ان کوششوں میں ''المدد ویلفیئر آرگنائزیشن'' کا قیام بھی ہے اس ویلفیئر کے ذریعے آپ اپنے علاقے میں سماجی بہبود کی خدمات دینا چاہتے تھے۔ وہ اس علاقے کے اہم سماجی کارکنوں میں سے ایک تھا۔ آپ نے ۱۹۸۸ء کو اپنے ماموں کی بیٹی سے شادی کی ان سے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا روبینہ' امینہ اور طارق پیدا ہوئے۔

حوالدار لالک جان نے اپنی جان دی اور ضلع غذر کیلئے عظمت اور ترقی کی علامت بن گئے۔ اللہ آپ کو جنت فردوس میں بھی اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔(امین)

مشہور شعراء' فنکار اور موسیقار

ادب کسی بھی علاقے کی تاریخ کی عکاسی کرتا ہے۔ ادبی ترقی سے ہی زبان و ثقافت کی ترویج ہوتی ہے۔ ضلع غذر کی تاریخ میں ادبی کام بہت کم ہوا ہے۔ ایک دو لوگوں نے کوشش بھی کی لیکن کم وسائل اور قیادت نہ ہونے کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ قدیم زمانے کی ادبی سرگرمیوں کی کوئی تاریخ موجود نہیں البتہ چند زبانی روایات نسل درنسل ہم تک پہنچی ہیں۔ ماضی میں چند شعراء نے ادبی بیڑا اُٹھایا ان میں سے چند ایک درجہ ذیل ہیں۔

خلیفہ رحمت جان ملنگ شیرقلعہ

رحمت جان ملنگ سرزمین غذر کے مایہ نازشعراء میں سے ایک ہے۔ آپ کو شینا زبان کی شاعری کا باوائے آدم کہا جاتا ہے۔ آپ کی شاعری اور پیار ومحبت کو لوگ آج تک یاد رکھے ہوئے ہیں۔ آپ 1879ء کو غذر کے مشہور گاؤں شیرقلعہ میں پیدا ہوئے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کہاجاتا ہے کہ ایک علمی گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے آپ بچپن سے انتہائی ذہین اور زیرک تھے۔ بچپن سے ہی شاعری کا شغف رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت کے بعد جوانی میں ایک دوشیزہ سے پیار ہوگیا۔ محبوبہ کا نام یورمس بیگم تھا آپ نہایت ہی پاکباز اور نیک خاتون تھی۔ ان کے پیار و محبت کا اتنا اثر ہوا کہ آپ شاعری میں انکی صفات اور پیار کا تذکرہ کرنے لگے۔ جہالت اور کم علمی کی وجہ سے اس زمانے کے لوگوں نے ان کے پیار کو نہ سمجھا ان کی محبوبہ کی شادی کسی اور سے کرا دی گئی۔ محبوبہ کی جدائی اور فراق کو آپ برداشت نہ کر پائے۔ اس غم جانان کو اپنی شاعری میں خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ کی شاعری انتہائی سادہ اور پُراثر ثابت ہوئی ۔ لوگ آج تک ان کی شاعری کو فخر سے یاد رکھے ہوئے ہیں۔ شینا شاعری کے تمام شاعر ان کو اپنا استاد سمجھتے ہیں۔ آپ کی شاعری محض عشق و محبت کی داستان نہیں بلکہ اپنے وقت اور حالات کی بہترین تاریخ بھی ہے۔ آپ ایک ایسے زمانے کی نمائندگی کرتے ہیں جہاں کم علمی تھی۔ جہالت وغربت کی وجہ سے لوگ انسانیت اور مقام انسان سے آگاہ نہ تھے۔

رحمت جان ملنگ ایک صوفی کی طرح اپنی عشق و محبت کو بیان کرتے تھے۔ آپ شاعری کے علاوہ سیر وتفریح اور مچھلیوں کا شکار بھی کرتے تھے۔ ان کا اہم شغل میں مچھلی کا شکار ہونے کی وجہ سے دریا کے کنارے جایا کرتے تھے اور دریا کے موجوں کے ساتھ اپنے جذبات کو بھی ٹکراتے تھے۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ ان کے جذبات دریا کے موجوں اور لہروں سے بھی طاقتور تھے۔ اس حوالے سے ایک قصہ مشہور ہے کہا جاتا ہے کہ ملنگ ایک دن مچھلی کے شکار کیلئے دریا کے کنارے گئے اور دن بھر کوشش بسیار کے باوجود کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آپ نے ہمت نہ ہاری اور اپنے محبوبہ کی یادوں کے ساتھ گنگناتے ہوئے شکار کی کوشش کو جاری رکھا۔ دوپہر کو چند لوگ دریا کے کنارے آئے

اور ان کا مذاق اڑایا کہ آپ کی محبوبہ کے عشق نے آپ کو ایک مچھلی بھی پکڑنے نہیں دیا۔ آپ تو دن رات ان کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان باتوں سے ملنگ کے عشق کو جوش آیا اور ان لوگوں سے کہا کہ ضروری تو نہیں کہ 'مچھلی کا شکار ان کی محبوبہ کی وجہ سے نہیں ہوا'۔ عاشقوں کا اس طرح امتحان لینا زمانے میں کوئی نئ بات نہیں۔ ملنگ نے اپنے کانٹے کو عشق یورمس کے تار سے بلند کیا اور دریا میں پھینک دیا۔ اس دفعہ ایک بڑی مچھلی پکڑ کر یہ ثابت کر دیا کہ عشق محبوبہ رائیگاں نہیں جاتا۔ ان لوگوں نے آپ سے معذرت کی اور مرتے دم تک یہ کہانی سناتے رہے۔

ملنگ ہمیشہ شاعری میں سادہ اور عام فہم زبان استعمال کرتے تھے۔ ان کی شاعری انتہائی گہری اور پُرمعانی تھی۔ آپ کو شینا زبان کا مرزا غالب کہا جاتا ہے۔ آپ نے اپنے عشق و محبت کے علاوہ بعض سماجی معاملات اور عبادات پر بھی قلم اُٹھایا ہے۔ آپ کو شینا فلسفی شاعر بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی شاعری کا مجموعہ 'گلزار ملنگ جان' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ 'گلزار ملنگ جان' اور دوسرا حصہ 'ندائے ملنگ جان' پر مشتمل ہے جس میں فارسی شاعری ہے۔ تیسرا حصہ 'یورمس ملنگ جان' کے نام سے ہے جس میں اپنے محبوبہ کے بارے عشقیہ شاعری ہے۔ اس کتاب میں دلچسپ اشعار ہیں۔ اس سے ان کی دور اندیشی اور زیرک کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں ؎

نمازٹ چوکو بینو گھوچھو سس گہ کولو تھینو
یورمست تھے حیئر رینو بس آدے تھے نماز پڑھینو

ترجمہ: ''کہتا ہے کہ اے ملنگ! آپ نماز پڑھنے کے لئے قبلہ رو تو ہے لیکن آپ کے دل اور خیالات میں یورمست ہی کے خیالات ہیں۔ اس طرح کیسے آپ کی نماز ادا ہوگی''۔ ان خیالات کا اظہار شاعرمشرق علامہ اقبال نے بھی کی ہے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو' زمین سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا' تجھے کیا ملے گا نماز میں

آپ ایک اور مقام میں کہتے ہیں ؎

جنت در مہ کھوجکتو　　خوش تھے کے حورک ہر وا تھکتو
یورمست ہارم مت دیکھتو　　ہزار حورو ساتھ ٹلیکتو

فرماتے ہیں کہ 'روز قیامت مجھ سے اگر فرشتے پوچھیں گے کہ آپ اپنی پسند سے کوئی حور اپنے لئے انتخاب کرے۔ میں وہاں بھی اپنے محبوبہ یورمست ہی کا انتخاب کرونگا''۔

ملنگ کی شاعری شینا زبان کی عظیم یادگار ہے۔ آپ نے اپنی شاعری میں زمانے کے رسم ورواج اورعادات واطوار کو بیان کیاہے۔ آپ کی شاعری میں سادگی کے ساتھ فلسفہ اور تاریخ کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ غذرکی سر زمین پر ایسے عظیم شاعرکی شاعری کے آثار رہتی دنیا تک ہوں گے۔

امان دائین اشکومن

کھوار شاعری کے نامور شاعروں میں سے ایک امان ہے۔ امان کے عشق کی کہانی بہت مشہور ہے۔ امان اشکومن دائین کے رہنے والے تھے۔ آپ کی محبوبہ خوش بیگم نام کی ایک حسین وجمیل دوشیزہ تھی۔ خوش بیگم اپنے حسن اور پاکدامنی کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔ آپ کی محبت میں گرفتار ہونے کے بعد امان نے آپ کو اپنی زندگی کا ہمسفر بنانے کی بہت کوشش کی لیکن ظالم زمانے کے لوگوں نے ایسا ہونے نہیں دیا۔ امان اور خوش بیگم دونوں کاتعلق بنیادی طور پر کوہ غذر سے تھا ہجرت کے بعد وہ دائین میں مستقل قیام پزیر تھے۔ کہاجاتاہے کہ امان خوش بیگم سے عمرمیں بڑے تھے۔ آپ نے خوش بیگم کو اغوا کرنے کی کوشش بھی کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ آپ اپنی شاعری

میں اپنے عشق کی ناکامی کا سبب حکمران وقت اور لوگوں کوٹھہراتے ہیں لیکن مقامی لوگ کہتے ہیں کہ جب آپ اور خوش بیگم اس وقت چھوٹے مہتر(محی الدین'جو اس وقت مہتران چترال کے خاندان سے ایک تھے۔ آپ مہتر تو نہیں تھے لیکن لوگ ان کو بھی مہترکے نام سے پکارتے تھے) کے پاس گئے اور اپنے عشق کی داستان سنائی(بعض کہتے ہیں کہ اس کا فیصلہ وقتی مہترعلی مردان نے کیا تھا)اورمہتر کو ان کے بارے فیصلہ کرنے کیلئے کہا گیا۔ مہترنے آپ دونوں کو آمنے سامنے لایا اور خوش بیگم سے پوچھا توامان کے بجائے ایک اور نوجوان سے شادی کرنے کا فیصلہ دیا۔ جس کی وجہ سے مہترنے ان کی شادی اس نوجوان سے کرادی۔ یہ فیصلہ امان کے لئے بہت بھاری ثابت ہوا اور امان اس دن سے اپنے جذبات کااظہار شاعری میں کرنے لگے۔ آپ نے بہت سادہ مگر پُر اثر شاعری کی ہے۔

اب تک مختلف کتابوں میں امان کے بارے میں لکھا گیاہے لیکن تفصیل کے ساتھ کہی ان کا تذکرہ نہیں۔ دائین اشکومن اور چٹورکھنڈ میں ان کے بارے میں مقامی لوگ دلچسپ کہانیاں سناتے ہیں۔ آج تک آپ کی شاعری کولوگ بہت شوق سے سنتے ہیں۔ عنایت اللہ فیضی نے اپنی کتاب ''چترال'' میں آپ کی نظم نقل کی ہے؛

خوش بیگم' غذر یکاں ژور غذرو قلا ہوران بازار
خوش بیگم متے دیورے کو ڑوتے کیہ دے صزار

ترجمہ: 'خوش بیگم اہلیان غذر کی بیٹی ہے اور غذر خوش بیگم کی وجہ سے معطر ہے۔ اس لئے اس کو میرے نام کردو۔ ورنہ رقیب میرے ہاتھوں سے نقصان اُٹھائے گا۔'

اس طرح کی حسرت کے باوجود امان خوش بیگم کو نہ پا سکے۔ امان بہت جذباتی آدمی تھے۔ آپ نے خوش بیگم کو حاصل کرنے کے لئے کئی ایک اقدام کئے لیکن ناکام رہے ایک چیز میں وہ بہت کامیاب رہے وہ آپ کی شاعری۔ کھوار زبان کے تمام شعراء

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

آپ کی شاعری سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ امان کوا پنا ادبی استاد مانتے ہیں۔ غذر اور چترال میں آپ کی شاعری کولوگ بہت شوق سے سنتے ہیں۔ آپ کی شاعری کی کیسٹیں بازارمیں عام ملتی ہیں۔ یہاں پران کی کھوار شاعری سے ایک نظم پیش کی جاتی ہے۔

دُرخم ِگلاس مہ ہُستا ِگلاس گلاہی کورویان
امان نو نو آلوم رے ڈھاژ رُوفے راہی کورویان
ہائے بجیر دنیا شُمو آچی نو چھوکھی کو
کشتی جندان بارے قلمدار بتی کوسیکو
نیتی روچی گھانی تن خوشو ای پوشی کو

خلاصئہ کلام: ہرقیمتی چیز سے بڑھ کر بھی میں خوش بیگم کو چاہنے لگا ہوں لیکن پھر بھی وہ مجھ سے خوش نہیں۔ دل چاہتا تو نہیں کہ میں اس کونہ چاہوں بس اس طرح ہونے سے درویش بن کرزندگی گزرانا بہترہے۔ میری دلی آرزو یہ ہے کہ نیتی روزہ لوں تاکہ خوش بیگم سے مل سکوں۔

دُخم کلاس مہ ہستا گلاس سہ شرابی بیسیر
خوش بیگم مہ بوروآ مہ عمرخراب کو بیسیر
ہائے ہائے بجیر دنیا شم دنیا ئیو حال ہامونی
امان تہ عشق لحاز مودام مہ ہردی پچونی
کا کہ شیطانی کوئی تن مقصدتی نو تا رونی

خلاصئہ کلام: اُن جیسی قیمتی چیز میرے پاس ہوتی تو میری عمرکیوں ابترگزرتی۔ اس دنیا میں کسی چیز کے پیچھے چلنے سے وہ ملتانہیں۔

جہاں میں کس کو بھی کچھ حسب آرزو نہ ملا
کسی کو ہم نہ ملے اور ہم کو تو نہ ملا

اس وجہ امان ہروقت بیار ہی رہتاہوں ان کو گلہ بھی نہیں کیونکہ لوگ شیطانی کرتے ہیں ورغلاتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنے مقصدمیں کامیاب نہیں ہونگے۔

غذرو دربااندا التی امانو دوسیرو رینن
امان نو نو الوم رے خوش بیگم کیلی رو رینن
امان نو جاوٗ غلندہ غزریگ موتے ناچت بونن
تتے مبارک لا امان خوش بیگمو آچی رونن
ہائے ہائے بجیر دنیا شم۔۔۔

ترجمہ: کہتے ہیں کہ غذری دربارمیں امان کوگرفتار کیاگیاہے خوش بیگم سے پوچھنے کے باوجود وہ ان سے رشتے کو تیارنہیں۔ لوگ نہ صرف امان بلکہ ان کے بیٹے کو بھی کھلاڑی نہیں سمجھتے لیکن اس کے باوجود امان مبارک باد کے مستحق ہے کیوں آپ کی وجہ سے لوگ ان دیکھنے لگے ہیں۔۔۔

مہ مہترآچی کا چیک عقلَ آکھا بیرو گو نا
مہربانی مہ کوئی کابلو امیروغونا
ہائے ہائے بارہ کی تھنے باریک تھنی چوش کومیرو
دنیا وٗ نام ہمو ہچارقیامتو دُوس کومیرو
ہائے ہائے بجیر دنیا۔۔۔

خلاصئہ کلام: میرے راجہ پیدائشی ہوشیار اور داناہیں مجھے امید ہے کہ وہ انصاف کرے گا کیونکہ ان کے خیالات کابل کے مہربان امیر سے ملتے ہیں۔ کاش کہ وہ میری صنم جو اس دنیا اور اگلی میں بھی میری صنم ہوگی مجھے دیتے۔۔۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

امان نو کیا لالی مان امان پھور پھورن کا سیرن

اے مہ قالب تے پرانہ مہ روح تے ورزین کا سیرن

ہائے ہائے کنجھول کپلی شہ پرچمن نو غلاوے

امان نو ہوُس نو کوری تن شاران نو دلاوے

جن جے ران مہ بوکہ دیرے گلو چھا کے مہ ماراوے

امان جندان گانے شوتارا پوری کو باغائے

دایوش اُنگیرو گھانی امان نو ماری کو باغائے

ہائے بخیر دنیا شم دینائے نو چھوکی کو

کشتی جندان بارے قلم دار بتی کوسیکو

نیتی روچی گانی خوش بیگمو ای پوشیکو

خلاصۂ کلام : لوگ امان کو کیوں نہیں سمجھتے امان ہمیشہ ان کے غم میں رنجیدہ رہتا ہے میرا جسم ان کے لئے پروانہ اور میری روح ہمیشہ ان کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ اس کے باوجود امان کو وہ نہ مل سکی وہ ان کی عشق کو نہ سمجھ سکی اس لئے امان کے پیچھے لگے ہیں۔ وہ مجھے جان سے مار دینا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ بوری بسترا لیکر بیابانوں میں زندگی بسر کرنے گیا پھر یہ لوگ اس کا پیچھے نہیں چھوڑتے اسکو مارنے کیلئے تلوار لیکر گھومتے ہیں۔ یہ دنیا بہت بے وفا ہے یہاں اس طرح کسی کے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔ میں تو بڑے خلوص سے ان سے ملنے کا خواہشمند ہوں لیکن وہ پھر بھی نہیں ملتی۔

خوش بیگم دُورو تے گِلہ روین تے کیا زارارئے

مہ نیتو متے کوری لوٹ منی مہ مارارئے

مستو تہ گھولئے تاری ران گمبوری بوچھوشی ران

تہ امان نو جان غیرکو خوش بیگم کیا بشی ران

خوش بیگم چھانو گیاؤ غذرو موجی کا سی ران، بوچی کو موشو شب قدر باشی ران۔۔۔

ترجمہ: وہ کہتے کہ اگر محبوب میرے گھر آئے تو ان کو کیا تکلیف ہے وہ میری یہ نیت پوری کرکے بیشک مجھے ماردے۔ ہرحربے کے باوجود ان کو میں نہیں پاسکا ہوں وہ تو غذر میں ہے لیکن ان کو نہیں ملتی۔۔۔

خوش بیگم دورتو گیکو دورو تو مشقاری دوم

خوش بیگم متے دویور تہ بوسین اشقالی کھوم

مستو تہ کھو لئے تاری ران۔۔۔

ترجمہ: میری محبوب کو مجھے دیں گے تو میں اپنے گھر کو تحفے میں دونگا میں اس سے بڑھ کر بھی کچھ دینے کو تیار ہوں۔۔۔۔

غذر مہتر قتل کویا ئین غزرو مہتار چانگی ای

کومورانن خور کھموری بیگو دور بندی ای

ووٹ کنجولا تاریران گمبوری بوچھوشی ران۔۔۔۔

ترجمہ:غذر کا مہتر جھوٹ بول کر مار دینا چاہتا ہے وہ تو کسی اور کی محبوبہ ہے اس کو اس طرح گھروں میں قید نہیں رکھنا چاہیے۔۔۔

امان کی شاعری کے دستیاب اشعار میں صرف خوش بیگم اور حکمران وقت سے گلے شکوے ملتے ہیں۔انتہائی سادگی میں ان کی ایک خواہش اپنے محبوب کو حاصل کرنا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ہر کام میں حکمران وقت مداخلت کرتے تھے۔ امان ہر وقت حکمران وقت سے گلہ اور گزارش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ آپ نے خوش بیگم کو ہی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ باقی کسی سماجی کام یا فطرت پر ان کی کوئی شاعری نہیں۔ شاید اس وقت شاعری سے مراد عشق محبوب کی داستان بیان کرنا تھا۔ ماضی میں اور اس زمانے میں شاعری میں شاعر سماجی ناہمواریوں اور دیگر معاشرتی برائیوں کا بھی ذکر

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ نظریات اور دور اندیشی میں بھی شاعر لوگ بلا کا ہنر رکھتے ہیں۔ امان کی سادہ شاعری اور جذبات صرف خوش بیگم کے گرد گھومتے ہیں۔ بہرحال ان کی شاعری کو داد اس لئے دیا جاسکتا ہے کہ محبوب کی خوبصورتی اور حکمرانوں کی زیادتیوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اس زمانے کے حکمرانوں اور حکومت کے طریقہ کار کے بارے جاننے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے میں عاشق کی حالت اور انکی حمایت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ بہرحال آج تک لوگ ان کی شاعری کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

سید جلال علی شاہ

سید جلال علی شاہ ایک بلند پایہ عالم، دانشور، لیڈر اور شاعر ہوگزرے ہیں۔ اس علاقے میں آپ کا بڑا نام ہے۔ پیر اور اسماعیلی جماعت کے نمائندہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اپنے زمانے میں دینی خدمت کی مثال قائم کی۔ فارسی آپ کی زبان تھی اس لئے نظم ونثر میں دونوں اصناف میں لکھا ہے۔ اس سلسلے میں فضلیت نامۂ ہدایت نامہ اور فقر نامہ کے عنوان سے تین کتابیں تصنیف کی ہے۔ ان میں سے صرف فقر نامہ شائع ہوئی ہے باقی مسودہ کی صورت میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں صوفیانہ کلام، منقبت اور قصیدۂ آئمہ اطہار کے ساتھ ساتھ اخلاقی قطعات بھی موجود ہیں۔

فداعلی سلمان

علاقہ غذر سے تعلق رکھنے والے ایک اور نامور شاعر فداعلی سلمان تھے۔ آپ سیاسی قیادت کرنے کے ساتھ ساتھ عالم دین بھی تھے۔ عالم و فاضل اور نیک انسان تھے۔ آپ اردو، فارسی، عربی، کھوار، بروشسکی، انگریزی میں یکساں قدرت رکھتے تھے۔ آپ نے اردو اور فارسی میں بہت اشعار لکھا ہے۔ آپ کے کلام میں صوفیانہ رنگ، قصیدہ اور اخلاقی اقدار ملتے ہیں۔ آپ گلگت بلتستان کونسل میں رکن بھی رہے ہیں۔۱۹۸۲ء

میں وفات پائی۔

غلام محی الدین المعروف چق مہتار دائین اشکومن

کھوار شاعری کا ایک اور بڑا نام غلام محی الدین ہے۔ آپ دائین اشکومن کے خوشوقت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن سے ہوشیار اور عاشق مزاج تھے۔ آپ بہت ہی ہنرمند اور ہرفن مولا تھے اس وجہ سے ان کی شادی ہنزہ کے میرخاندان کی ایک ہنرمند اور زیرک خاتون سے ہوئی۔ آپ دونوں اپنے زمانے میں پولو، تیراکی، نشانہ بازی اور ستار نواز تھے۔ ان کی شادی اور پیارومحبت کی داستان منفرد اس لئے ہے کہ یہ دونوں ہنر اور زیرکی کی وجہ سے ایک دوسرے سے پیارومحبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ سفر پر کہیں گئے تھے کہ ان کی بیوی وفات پاگئی۔ ان کی موت چیق متار پر بہت بھاری گزری۔ وہ ان کی موت سے بہت رنجیدہ ہوئے بیوی کی یاد میں ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کروایا۔ اس مقبرے کی تعمیر کیلئے ہنزہ سے راج اور ترکھان لائے گئے۔ اس مقبرے کی تعمیر کے بعد چیق متار وہی رہنے لگے اور ہمعصر مقامی شاعروں کی محفل سجا کر ان کی یاد سے دل بہلاتے تھے۔ ان محفلوں میں امان، گل اور محی الدین کھوار زبان میں شاعری پیش کرتے تھے ان لوگوں نے ان محافل میں کھوار زبان میں مشہور زمانہ غزل کہے اور سوزوساز کی دنیا میں نئے دھن متعارف کرائے جو آج تک بہت مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنی بیوی کی موت سے اپنی موت تک کھوار ادب کے لئے نادر خدمات چھوڑے۔ اُن کوان کی سسرال کی جانب سے اور رشتے کی آفر بھی ہوئی مگر آپ یہ کہہ کر انکار کر گئے۔

'آوا کمبوریو عاشق، عاشق نو بوم خور جوشؤ تے
دودانہ نام لاکھونین تہ غون نادان دوستو تے
تو شہرو چین و جانان ڈق تہ لیم خور بازارا

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

مہ قالب روحو شیخے مَشکی گومن تہ دربارا''

ترجمہ: میں صرف اور صرف ایک ہی پھول کا عاشق ہوں اس لئے ہر گھاس میں کھلنے والا پھول سے پیار نہیں کرتا میرا پھول وہی ایک ہی ہے۔ مجھے وہی پیالی جو چین کے بازار میں ملتی ہے اس کے علاوہ کہیں نہیں ملتی، وہی چاہیئے یہی وجہ ہے کہ میں اور میری روح اس مقبرے میں ان کو ڈھونڈتے رہتے ہیں''۔

ایک اور شعر میں کہتے ہیں

آوا کیا خوشان آسوم زمانوسوم ہائے لاما جان زمانوسوم
کوس سُوکورشُن لُو دونین دودانو سوم لا ما جان دوردانوسوم
یور دیتی گرنیش بیتی شیر شایوزُوسورا
آوا تہ شانوماجیم کاپالوسورا، ماجان کاپالوسورا

''میں اپنی محبوب کی جدائی کے بعد اس دنیا اور اس زمانے سے کبھی خوش نہیں ہوں کیونکہ میری محبوبہ جب بولتی تھی تو جوہرات کے ڈھیر لگتے تھے وہ مجھ سے جدا ہو چکی ہے۔ پہلے بھی جب سورج کی شعاعیں گلیشیر پر پڑتے تھے اب بھی جاری ہے لیکن میں ان کی قبر کو سر کے بل صاف کرنے کے باوجود ان کو نہیں پا سکتا''۔

آپ کی شاعری کھوار میں بھری پڑی ہے لیکن آج تک کھوار ادب میں ان کا ذکر نہیں۔ کھوار ادب میں آپ اعلیٰ پائے کے شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی شاعری اور دھنوں کی کیسٹ بازار میں عام ملتے ہیں۔(انٹرویو موسیٰ علی خان دائین اشکومن جنوری ۲۰۱۱ء)

رحمت علی خان ٹیرو

کھوار شاعری کے ورثے کو چند شاعر آگے بڑھا رہے ہیں ان میں سے ایک رحمت علی ہے۔ آپ کا تعلق پھنڈر سے ہیں۔ 1974ء میں پیدا ہوئے اور 1986ء سے شاعری

کرتے ہیں۔ آپ پاک فوج میں ملازمت کرتے ہیں۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے ساتھ شاعری کے فن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ موجودہ دور میں کھوار شاعری کی نمائندگی کرتے ہیں لوگ ان کی شاعری کو پسند کرتے ہے۔ آپ نے اپنی شاعری میں ملی نغمے اور گیت گائے ہیں۔ آپ ستار موسیقی، گلوکاری، ڈرامہ نگاری اور فنکاری بھی کرتے ہیں۔ آپ کی ان صلاحتوں کے اعزاز میں کئی اعزازات اور سند ملے ہے۔ شندور میلہ میں آپ کی شاعری کی شہرت ہے۔

ممتاز علی اندازؔ پکورہ

پکورہ سے تعلق رکھتے ہیں موجودہ زمانے میں کھوار زبان میں شاعری کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کو مقامی زبان کی وجہ سے کافی شہرت حاصل ہے۔ چترال سمیت دیگر علاقوں سے آئے ہوئے کھوار بولنے والے اس طرح کی شاعری کو اپنی زبان کی ترویج کے لئے اہم سمجھتے ہیں۔ کھوار زبان کی اس علاقے میں زندہ رکھنے کی یہ بہترین کوشش ہے۔ ممتازؔ اپنے پیش رو شاعروں کی روایت کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں۔ نوجوانوں سے اس طرح کی ادبی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔

عزیز الرحمٰن ملنگی گلاپور

ملنگی شینا شاعری کے ایک چمکتے ستارے کا نام ہے۔ آپ کا تعلق گلاپور سے ہے۔ شینا ہمعصر شاعری میں آپ کا ایک منفرد مقام ہے۔ آپ کے گانے اور صوفیہ کلام شینا حلقوں میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ نوجوان شاعر ہونے کی وجہ سے عصری تقاضے کے مطابق شعر کہتے ہیں۔

فضل الرحمٰن عالمگیر گلاپور

عالمگیر غذر کے مشہور شینا شعراء میں سے ایک ہے۔ آپ غذر کے گاؤں گلاپور سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی شاعری پوری شینا دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ آپ

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

کی شاعری بہت پراثراورگہری ہے۔ ریڈیو پاکستان کے ساتھ منسلک تھے اور شینا پروگرام کے لئے بہت خدمات دی انہوں نے ڈرامے،فیچر،تقاریراور شینا زبان میں سونی وطن کا قومی ترانہ لکھا۔ آپ نے ۱۹۷۱ء کے بعد شاعری،موسیقی اور سیاسی میدان میں بھی خدمات دی۔ شینا ادب کے لئے آپ کی خدمات قابل ذکر رہیں گے۔ ان کی شاعری میں سے ایک شعرکا اردو ترجمہ پیش ہے؛

'میرا سر تیرے قدموں تک پہنچا ہے ایسے ہی جیسے کوئی مسافر
عشق منزل مقصود تک جا پہنچا ہو یا کوئی بھنورا کانٹوں میں الجھتا
سلجھتا لہولہان ہوکرمشکل سے پھول تک جاپہنچا ہو یا پھر دریا کے
موجوں سے مقابلہ کرتے کرتے مچھلی سمندر تک جاپہنچی ہو اس
تمام جدوجہدمیں عاشق کاخون بہاہے وہ خون میں لت پت
منزل تک پہنچ چکاہے یہ تمام محبوب کی وجہ سے ہے اور میرا خون
ناحق اب چھپنے کا نہیں ہے کیونکہ میرے خون ناحق کا داغ
محبوب کے دوپٹے تک جاپہنچاہے اب تیرے ظلم چپ چاپ سہنے
کے دن گزرگئے ہیں کیونکہ اب عالمگیر کے ہاتھ تلوار تک جا پہنچا
ہے۔'

محمد ایوب متاثر

گاہکوچ بالا سے تعلق رکھتے ہیں۔ نوجوان شاعر وگلوکار ہیں۔ آپ نے کئی ایک تقریبوں میں نوجوان شاعروں کی قیادت کی اس سلسلے میں ہمسایہ ملک چین تک گئے ہیں۔ آپ غذر آرٹ کونسل کے منتخب صدر ہیں۔ آپ کی شاعری کو شینا زبان میں بے حدسراہا جاتاہے۔ آپ کی آواز بہت سریلی اور جاذب نظر ہیں۔ غذر کے شاعروں کی قیادت کی ذمہ داری آپ کے پاس ہے اس وجہ سے توقع

کی جاتی ہے اس صنف میں ترقی اور زمانے کے تقاضوں کی نمائندگی کریں گے۔

صابرشاہ صابر گوپس

صابرشاہ صابرگوپس خاص سے تعلق رکھتے ہیں۔ کھوار زبان میں ان کی شاعری کافی مشہور ہے۔ مقامی لوگ ان کی شاعری کو بہت پسند کرتے ہیں۔ آپ کم تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بہت زیرکی سے شاعری کرتے ہیں۔ ان کی کیسٹیں بازار میں عام ملتے ہیں اب تک بارہ سے زائد ولیم بناچکے ہیں۔ صوفیانہ کلام، غزل اور ملی گیتوں کے ساتھ ستار نواز بھی ہیں۔ شاعری کے ساتھ گلوکاری اور موسیقاری بھی کرتے ہیں۔ کھوار ادب کے لئے ان کی خدمات قابل قدر ہے۔ مقامی لوگ شادیوں اور خوشی کے مواقع پر ان کے گانے سنتے اور داد دیتے ہیں۔

مظفر الدین بیگانہ(شہید)

مظفرالدین بیگانہ کھوار شاعری میں ایک اور خوبصورت نام ہے جس نے نہ صرف شاعری میں نام پیدا کیا بلکہ ملک کی سرحدوں کی دفاع میں جنگ کارگل میں اپنی جان دیکر شہادت کے عظیم اسلامی روایت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی شاعری کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ کھوار زبان کے شائقین ان کی شاعری کو آج بھی محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری میں مقامی ادب، ثقافت اور روایات کی بھرپور نمائندگی کی ہے۔ آپ کی خدمات کو اگلی نسلیں یاد رکھیں گے۔

عبدالکریم کریمی بارجنگل اشکومن

عبدالکریم کریمی اشکومن بارجنگل سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ایک نوجوان شاعرکالم نگار ہیں۔ آپ شاعری اردو زبان میں کرتے ہیں۔ شاعری کی پہلی کتاب 'شاید پھرنہ ملیں ہم' ان کی پہلی اور ''تیری یادیں'' دوسری تصنیف ہے۔ نثر میں بھی آپ کی ایک کتاب جوکہ ان کے اخباری کالموں پر مشتمل ہے 'فکرونظر' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ نوجوان

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

شاعر، ادیب، کالم نگار اور مذہبی اسکالر کی حیثیت سے اپنی خدمات دے رہے ہیں۔ آپ مستقبل میں اس میدان میں بڑے کام کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ غذر آرٹ کونسل کے صدر اور 'کاروان فکرو ادب' کے بانی ہے۔ حال ہی میں انہوں نے ایک میگزین فکرونظر کے نام سے شائع کی ہے۔ ان کی شاعری سے چند ایک اشعار پیش ہیں۔

''بیاباں جب یہاں ہوں گے خیاباں ہم نہیں ہوں گے
وطن میں ہر طرف ہوگا چراغاں ہم نہیں ہوں گے
غم و اندوہ سے پُر ایسا بھی اِک واقعہ ہوگا
ہمیں کھو کر بہت ہوں گے پشیماں ہم نہیں ہوں گے
نہ جانے آج کیوں ہم کو کرتی یہ خیال آیا
''چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں ہم نہیں ہوں گے۔''

شکرت بیگ صابرؔ اشکومن

صابرؔ اشکومن پراپر سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ایک نوجوان شاعر ہیں۔ آپ اردو، شینا اور انگریزی میں شاعری کرتے ہیں۔ آپ نے غزل، گیت کے علاوہ صوفیانہ کلام بھی لکھے ہیں۔ ملی نغمے بھی آپ کی شاعری کی اہم شناخت ہے۔ درس وتدلیس آپ کا پیشہ ہے۔ آپ مستقبل میں فن شاعری میں نام پیدا کرسکتے ہیں۔

عطاء اللہ اثر دلناٹی

نوجوان شاعر دلناٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی شاعری بہت پُراثر ہے۔ غزل، گیت اور صوفیانہ اشعار لکھتے ہیں۔ غذر آرٹ کونسل کے نائب صدر ہیں۔

اسحاق علی خان المعروف سپرراجہ گاہکوچ

سپرراجہ اپنی شاعری فنکاری اور صحافتی خدمات کی وجہ سے سپر اور روشن خیال تھے۔

آپ کی شاعری ہمیشہ مزاحیہ اور سبق آموز ہوتی تھی۔ آپ نے کم عمری میں ہی بہت گہری شاعری کی تھی۔ آپ جوانی کی عمر میں ہی وفات پاگئے۔ آپ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

بلُبُل مراد بلبلِ یاسین

بلبل مراد بلبلِ یاسین 1955ء میں پیدا ہوئے۔ 1975ء کو آپ نے آغا خان ڈائمنڈ جوبلی اسکول میں بحیثیت استاد پڑھانا شروع کیا یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ خواتین کی تعلیم کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ آپ نے اُس زمانے میں خواتین کی تعلیم کے لئے بہت کام کیا۔ اپنی شعروشاعری میں تعلیم کی اہمیت و افادیت سے مقامی لوگوں کو اگاہ کیا۔تعلیم کے علاوہ غربت، جہالت، اتفاق و اتحاد، بھائی چارہ، وطن سے محبت اور دیگر معاشرتی مسائل پر شاعری کی۔ بروشسکی اور کھوار میں شاعری کرتے ہیں۔ آپ ایک شاعر ہونے کے ساتھ سماجی کارکن بھی ہیں۔ آپ کی مذہبی خدمات بھی بہت زیادہ ہیں۔ یاسین کو بہت محبت بھری انداز میں دیکھتے ہیں کہتے ہیں کہ''(اے میرے وطن یاسین) تمہارا پانی میرے لئے شراب شیرین ہے، میرے وطن کے پہاڑ میرے لئے کوہ سنین ہیں۔ میرے وطن کے میدانوں کی گھاس یارقند کی قالین سے بہتر ہے میرے لئے یاسین تو جنت سے کم نہیں، آپ کی شاعری اور علمی خدمات آنے والی نسل کے لئے بہت سبق آموز ہیں۔

ان کے علاوہ شیرحیات راہی، سید رشید سنان، نویدساون، فرمان ولی خیالی، شعبان بیتاب، سیدوفاجان، سید عرفان جان عرفی، محمد حکیم، نیت جان تمنا، نورزمان درد، نائب جان، ابراہیم مخلص، شکورمن کریم، علی مدد بائی، اصغرعلی، لیاقت علی، تیمور شاہ، گل خان دلتی، شیرنادر راہی اور ظہیرشاہ ساجدوغیرہ اس میدان میں خدمات دینے لگے ہیں۔ نوارد شاعروں کے بارے میں اگلی اشاعت میں لکھیں گے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

حاجت قبول (یاسین بجایوٹ)

حاجت قبول بہترین اور مشہور موسیقار ہیں۔ ان کی بینڈ لوگ بہت پسند کرتے ہیں گلگت بلتستان کے طول و عرض میں آپ کی موسیقی سے لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آپ کا تعلق بجایوٹ یاسین سے ہے۔ میوزک کی دنیا میں آپ کی بہت خدمات ہیں۔ ہر خوشی کے موقع پر آپ اپنے فن کا مظاہرہ کرکے لوگوں کی خوشیوں کو دوبالا کرتے ہیں آپ نے اس فن میں کافی شاگرد پیدا کیا ہے۔ آپ مقامی زبانوں کے مختلف دھن اور سُر بجاتے ہیں۔ قدیم یاسینی اور چترالی موسیقی کے یادگار سُر آپ نے محفوظ کی ہے۔ ثقافتی روایتی ڈانس کی روایت بھی اس فن سے منسلک ہے۔ غذر کی موسیقی کا اپنا ایک انداز ہے جس کا شادیوں اور خوشیوں کے موقع پر مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مقامی زبان میں اس موسیقی کو حریپ کہتے ہیں۔ اس فن کی حوصلہ افزائی اور منظم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس ہنر کو لطف اندوزی کے ساتھ روزگار کا ذریعہ بھی بنایا جاسکے۔ اس فن میں علی مراد (بجایوٹ) بانسری بجانے میں مشہور ہیں۔

فلک جان (گاہکوچ)

فلک جان موسیقی کی دنیا کا ایک اور بہترین نام ہے۔ غذر کی مقامی موسیقی میں ان کی بہت خدمات ہیں۔ ہر خوشی کے موقع پر انہوں نے لوگوں کو موسیقی کا لطف دیا ہے۔ مقامی حریب کے قدیم سُر اور ڈامنہ لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ ان سروں میں 'لوژم گشپور' صامتئے دانی' خوش بیگم' یورمس بیگم' میرولی رائے دانی' ملنگئے دانی' اور نئے گانوں کے سر شامل ہیں۔ شادیوں اور خوشی کے موقع پر لوگ دور دور سے آ کر ان کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ اس روایت کو آگے بڑھانے والوں میں شگونی' صاحب جان' غلام شاہ' دلاور شاہ اور نوشیرامان بھی شامل ہیں۔ اس گروپ میں نوجوان بینڈ ہونے کی وجہ سے یہ لوگوں کو موسیقی سے محظوظ کرتے ہیں۔ ستار میوزک بھی ایک بہترین فن ہے

اس فن کے فنکاروں میں ستارنواز رحمت علی جان (طاؤس) اور زرداللہ (تھوئی) ستار ثقافت کی زندہ مثالیں ہیں۔

اختر حسین راجہ گاہکوچ

غذر آرٹ کونسل کے بانی اور شینا ادب میں اہم خدمات دے رہے ہیں۔ آپ ڈراموں میں فنکاری کے ساتھ ساتھ ثقافتی دستکاری کے نمونے بھی بناتے ہیں۔ مقامی زبان میں شعر بھی کہتے ہیں۔

حسین مدد خان المعروف حسین جانی گوپس

غذر کا مشہور فنکار ہے جو ڈراموں میں طنز و مزاح کا کردار ادا کرتے ہیں۔ آپ کا تعلق جنڈورٹ گوپس سے ہے۔ مزاحیہ شاعری اور اسٹیج ڈراموں میں مقامی زبان میں اداکاری بھی کرتے ہیں۔ آپ کے ساتھ کریم جیون' قیوم پونیالی اور صداقت علی نازؔ بھی مشہور اداکار ہیں جو میزاحیہ ڈراموں میں کام کرتے ہیں۔

ان تمام ہنرمندوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے تاکہ یہ اپنے تخلیقی صلاحیتوں سے معاشرے کو سدھارنے میں اہم کردار ادا کریں مگر۔۔۔ ے

ہستی کو محبت میں فنا کون کرے گا　　یہ فرض زمانے میں ادا کون کرے گا
ہاتھوں کی لیکروں کو ذرا دیکھ نجومی　　یہ دیکھ میرے ساتھ وفا کون کرے گا

اہم شخصیات

سرزمین غذر مردم خیز زمین ہے یہاں تاریخ میں بہت اہم شخصیات پیدا ہوئے اور مختلف شعبوں میں نام کمایا۔ ان میں سے اکثر بڑے سیاسی کھلاڑی ہیں۔ اس کے علاوہ سرکاری وغیرسرکاری' نجی اور ادبی خدمات کے حامل شخصیات پر الگ ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ یہاں صرف چند موجودہ مشہور زمانہ شخصیات کا نام ذکر کرتے ہیں۔

پیر سید کرم علی شاہ سابق ڈپٹی چیف ایگزیکٹو شمالی علاقہ جات موجودہ گورنر گلگت بلتستان

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ممبر اسمبلی سید فضل حسن شاہ یاسین
چیف جسٹس جلال الدین سپریم کورٹ گلگت بلتستان
قاضی نثار احمد امیر اہل السنّت والجماعت گلگت بلتستان
حافظ الرحمٰن سیکریڑی قانون گلگت بلتستان ایڈمنسٹریشن
نواز خان ناجی قائد تحریک بالاورستان وممبر قانون ساز اسمبلی گلگت بلتستان
عبدالحمید خان قوم پرست لیڈر
سلطان مدد سابق ممبر قانون ساز اسمبلی شمالی علاقہ جات
غلام محمد سیکریٹری جنرل پی پی پی گلگت بلتستان
محمد ایوب خان ممبر صوبائی اسمبلی گلگت بلتستان
ڈاکٹر علی مدد شیر وزیر تعلیم گلگت بلتستان
سرفراز شاہ سابق ممبر قانون ساز اسمبلی شمالی علاقہ جات
یاسمین نظر ممبر صوبائی اسمبلی گلگت بلتستان‘ پارلیمانی سیکریڑی لا و پلاننگ اینڈ ورکس
نورالعین سابق مشیر تعلیم قانون ساز اسمبلی شمالی علاقہ جات
الواعظ علی مراد سابق ممبر قانون ساز اسمبلی شمالی علاقہ جات
ڈاکٹر سید ثابت رحیم ماہر معاشیات (پی ایچ ڈی)
ڈسٹرکٹ چیئرمین گلگت سید مدد شاہ‘ ڈسٹرکٹ چیئرمین عزیز احمد خان‘
ایگزیکٹیو ڈائریکٹر ایم۔آئی۔ڈی‘ عبدالجہان
مرتضٰی خان سابق ممبر ناردرن کونسل‘ راجہ غلام دستگیر سابق ممبر ناردرن ایریاز کونسل‘
امیر محمد خان المعروف ریٹائر‘ فدا علی سابق ممبر ناردرن ایریاز کونسل‘
جان مدد سابق جنرل منیجر آغا خان ایجوکیشن سروس‘ گلگت بلتستان
شہزادہ ابراہیم (ر) ڈائریکٹر ایجوکیشن گلگت بلتستان‘

ڈی آئی جی مظفر خان‘ کرنل (ر) محمد کریم شاہ‘ عبدالقمر شہزاد ڈی سی
فدا خان سیکریڑی ایگریکلچر گلگت بلتستان‘ دادو خان آغا خان ایجوکیشن سروس
ثناشاہ سلطان پہلی خاتون پائیلٹ‘ مومن جان ڈی سی
راجہ محمد ناصر ڈائریکٹر ایجوکیشن گلگت بلتستان‘ عبدالحکیم ڈپٹی ڈائریکٹر ہنزہ نگر‘ راجہ میر دوردانہ‘ علی احمد جان (دماس) ایڈوکیٹ شیرولی (ہاتون)‘ بلبل جان خادم بیگ مہناز فاطمہ فاؤنڈیشن گلگت بلتستان‘ نمبردار مرزا محمد‘ الواعظ سید خلیل‘ ڈی۔ایس۔پی میرزا حسین اور ڈی ڈی ای مرزا احمد۔

یہاں جن شخصیات کا نام دیا گیا ہے ان کے علاوہ بھی اہم شخصیات ہوسکتے ہیں جن کا مجھے علم نہیں۔ میں اُن تمام اہم شخصیات سے معذرت چاہتا ہوں مجھے امید ہے اگلی اشاعت تک آپ کی مدد سے اہم شخصیات کی یہ لسٹ مکمل ہوسکے گی۔

سماجی و معاشرتی ترقی

ضلع غذر میں سماجی و معاشرتی ترقی کا آغاز بہت دیر سے ہوا۔ قیام پاکستان اور جنگ آزادی گلگت بلتستان سے پہلے اس علاقے میں سماجی اور معاشرتی ترقی کا گراف اتنا بلند نہیں تھا۔ پورے ضلع میں سڑک اور ذرائع آمدورفت کی کمی تھی۔ ذرائع ابلاغ اور خط وکتابت بہت مشکل سے دستیاب تھے۔ لوگ میلوں سفر کرکے مہینوں میں اپنی منزلوں تک پہنچتے تھے۔ گلگت تک کا سفر دنوں میں ہوتا تھا۔ تعلیمی ادارے نہ ہونے کے برابر تھے شعور اور بیداریِ معاشرت کی کمی تھی۔ زمینداری اور مال مویشی ان کے گزر بسر کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ قدیم زمانے سے غذر کی سرزمین جنگوں اور سپہ سالاروں کی گزرگاہ تھی۔ ان علاقوں کے لوگوں میں کبھی آپس میں جنگ نہیں ہوئی باہر سے گروپ یہاں آتے جنگ کے بعد چلے جاتے۔ مہتران چترال، راجہ گان گلگت ہو یا انگریز اور ڈوگرہ ان علاقوں میں جنگ کے بعد قابض ہوجاتے اور چلے جاتے۔ مہتران چترال

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اور راجہ گان پونیال،اشکومن، گوپس،یاسین نے قیام پاکستان سے قبل اس علاقے میں کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا۔ جنگ وجدل ان کی ریاستی پھیلاؤ کی خواہش کی عکاسی کرتا ہے۔ اس عرصے میں صرف چند قلعے تعمیر ہوئے۔ لوگوں کی سماجی و معاشرتی زندگی بہت تلخ تھی۔ اس زمانے خود ان صاحب اقتدار لوگوں کو بھی کوئی سہولیات حاصل نہیں تھیں ان کی معاشی حالت بہت خراب تھی یہی وجہ تھی کہ خود اپنی اقتدار کو بچانے کیلئے بیرونی ریاستوں کی مدد لیتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعداس علاقے میں ترقیاتی کاموں کا آغاز ہوا۔ اس وقت غذر ان چندضلعوں میں سے ایک ہے جس کی شرح خواندگی بہتر ہے۔ لوگوں کی معیار زندگی میں بہت بہتری آئی ہے۔ 1960ء کے بعد غذر میں انقلابی ترقی ہوئی تعلیم، صحت اور معاشی میدان میں لوگوں کا معیار بہت بہتر ہونے لگا۔ 1980ء کے بعداس علاقے میں سرکاری ونجی اداروں نے بہت انقلابی کام کیا۔ سرکاری ملازمتوں اورکاروبار تک رسائی کے بعد لوگ دوسرے علاقوں کی طرف نکلنے لگے۔ مال مویشی اور کھیتی باڑی کی جگہ تجارت اور سیاحت نے لے لی۔ گلگت سے گاہکوچ اور دیگرسب ڈویژنوں تک پکی سڑکوں کی وجہ سے مارکیٹ تک رسائی ہوئی۔ خشک میوہ جات، پھل فروٹ،معدنیات اور افرادی قوت کی وجہ سے انسانی وسائل میں اضافہ ہوا۔ رہن سہن اور کھانے پینے کے معیار میں اضافے سے بیماریوں کا خاتمہ ہوا۔ یہاں کے لوگ کبھی ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک نہیں جاتے تھے ملک کے دیگر علاقوں کے ساتھ بیرونی ممالک تک گئے اور ان کے شعور میں اضافہ ہوا۔ ان وجوہات کی وجہ سے قبائلی فسادات اور دشمنیاں ختم ہوگئیں۔ لوگ تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ انسانی بھائی چارہ اور مل جل کرکام کرنے کی اجتماعی کاوشوں کی وجہ سے معاشرے میں امن سکون اور خوشحالی آنے لگی۔ 2000ء کے بعد خاص طور پر حولدار لالک جان شہید کی وجہ سے غذر کی تقدیر بدل گئی۔ تعلیم،صحت،سیاحت، زراعت ،

معیشت، افرادی قوت میں بہت بہتری آ گئی ہے۔

شہداء و غازیوں کی خدمات

جنگ آزادی گلگت بلتستان سے اب تک اس سرزمین کے لئے شہداء و غازیوں کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ پونیال،اشکومن،یاسین اور گوپس کے نوجوانوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا اس جنگ میں اسلحہ اور جنگی سامان نہ ہونے کے باوجود قوم کوفتح سے ہمکنار کیا۔ اس علاقے کے سپوتوں نے نہ صرف جنگ میں حصہ لیابلکہ قیام پاکستان کے بعد پورے ملک کے لئے اپنی خدمات جاری رکھا۔ملکی دفاع اورسلامتی کے لئے ملک کی سرحدوں پر جانوں کی قربانیاں دیں۔ قیام پاکستان سے لیکر کارگل کی جنگ تک سینکڑوں نوجوانوں نے اپنی جانوں کی قربانی دیکر اس ملک کا دفاع کیا۔ ڈسٹرکٹ آرمڈ سروس بورڈ، غذر گاہکوچ کی ریکارڑ (محمدکمال، ہیڈ کلرک) کے مطابق اس علاقے سے جنگ آزادی گلگت 48-1947ء میں 19فوجیوں نے جام شہادت نوش کی اس طرح 1965ء کی جنگ میں9،پاک انڈیا جنگ1971ء میں 71، کارگل کی جنگ میں 80اور1999ء کے بعد سے اب تک زمانہ امن میں128فوجی نوجوان شہید ہوئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر ملک دشمن عناصر سے لڑائی میں شہید ہوئے۔ ۱۹۴۷ء سے ۲۰۱۰ء تک اس ملک کے لئے غذر کے 307 نوجوانوں نے اپنی جان کی قربانی دی ہے۔ محمد کمال کے مطابق اس ریکارڑ میں اضافہ بھی ہوسکتاہے۔ ہماری خواہش تھی کہ ان تمام شہداء کے نام اور کارنامے بھی لکھ دیں لیکن ان تمام شہداء کے بارے صحیح معلومات اس آفس میں دستیاب نہیں۔ مستقبل میں کسی ایک نوجوان کوقربانی دیکر ان پر تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ زندگی نے دفا کی تو ہم شہدائے غذر کے نام سے ایک کتاب لکھیں گے جس میں نائب صوبیدار عالم زار، نائب صوبیدار شیراللہ سمت ان تمام کا ذکرکرینگے جن کوحکومت کی جانب سے تمغات ملے ہیں۔ کارگل کی

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

جنگ میں ہی غذر سے 80نوجوان شہید ہوئے اور ملک کا سب سے بڑا اعزاز نشان حیدر بھی اس ضلع کو مل گیا اس وجہ سے اس ضلع کووادی شہداء بھی کہتے ہیں۔گلاپور بیارچی سے درکوت' قرمبراور شندور تک مین روڑ پر ان تمام شہیدوں کے مزار پرسبز ہلالی پرچم لہراتا نظر آتا ہے۔ یہ ان نوجوانون کی قربانی کی یادکی علامت ہے۔ ان شہداء کے ناموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ یہاں سمویانہیں جاسکتا۔ اس وقت ہزاروں نوجوان ملک کے دفاع کے لئے ملکی سرحدوں پر اپنی ذمہ داریوں میں مصروف ہیں۔غذر کے ہرنوجوان اور سب کا عزم ہے کہ ے

دشمن تیری سرحد سے ادھر آ نہ سکے گا
آیا تو بھی زندہ کبھی وہ جا نہ سکے گا

غذر کا مستقبل

الف: مواقع اور وسائل

غذر ایک ترقی پزیر علاقے کا نام ہے۔ اس علاقے کی جغرافیائی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ سیاسی اور انتظامی لحاظ سے بھی اس کی بہت اہمیت ہے۔ غذر کے شمال میں چین' افغانستان اور تاجکستان جیسی ریاستیں،مغرب میں چترال' کالام کوہستان وسوات، جنوب میں داریل تانگیر اور مشرق میں ہنزہ نگر واقع ہیں۔ گلگت سے صرف 74 کلومیٹر پر واقع ہونے کی وجہ سےسنٹرل ایشیائی ممالک تک رسائی کیلئے گیٹ وے کی حیثیت رکھتاہے۔گلگت بلتستان کواس علاقے کے ذریعے چترال سے افغانستان اور پشاور تک لنک کیاجاسکتاہے۔ وادی اشکومن سے واخان افغانستان اور تاجکستان تک رسائی کی جاسکتی ہے۔ وادی اشکومن مترم دان سے واخان پٹی تک کافاصلہ صرف 37 کلومیٹر ہے۔اس راستے کوانتہائی کم لاگت میں بنایا جاسکتاہے۔ نالہ سنگل' بتریت اور چھشی سے داریل تانگیر اور کلام کوہستان کے ذریعے دیروسوات اور کوہستان تک

لنک ہوسکتا ہے۔ ان زمینی راستوں کو بنا کر اندرون ملک کاروبار اور بیرونی تجارت کو فروغ مل سکتا ہے۔

قدیم برطانوی وکٹورین'روسی اور افغان سیاسی کھیل میں غذر ایک زمینی گزرگاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ یاسین درکوت'اشکومن'شندور وہ درّے ہیں جن کو یہی طاقتیں گزرگاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے آج ان ہی درّوں کو کاروبار اور دوستی کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

غذر کی سرسبز وادیوں میں سیاحت کے بہت عظیم مواقع موجود ہیں۔ ان علاقوں کو سیاحتی زون قرار دے کرسیاحت کے شعبے کوفروغ دیاجاسکتا ہے۔

پھنڈر غذر میں ٹراوٹ مچھلی کی اندرون ملک اور بیرون ملک تجارت سے بہت زرمبالہ کمایا جاسکتا ہے۔

غذر میں زراعت کے لئے میدانی علاقے بہت زرخیز ہیں۔ زرعی ٹیکنالوجی سے آلو' سبزیوں اور پھل فروٹ کوملکی اور بین الاقوامی منڈیوں تک رسائی سے یہاں کے لوگوں کی معیشت میں بہتری آسکتی ہے۔ خاص طور پر خشک فروٹ اور پھلوں سے جوس' جام اور دیگر چیزیں پیدا کی جاسکتی ہے۔

نجی اداروں کے تعاون سے چھوٹے چھوٹے کاروباری مراکز کے ذریعے مقامی لوگوں کو روزگار فراہم ہوسکتا ہے۔

ضلع غذر میں قراقرم یونیورسٹی کیمپس کے ذریعے (Earth Science)معدنیات' سیاحت اور زراعتی تحقیق کی بنیاد پرنوجوانوں کوتربیت اور ہنر دیاجاسکتا ہے۔

سرکاری سکولوں' کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں معیارتعلیم کو بہتر بنا کر نوجوانوں کو ملک کے لئے مفید شہری اور ہنرمند افرادی قوت فراہم ہوسکتا ہے۔

تحصیل سطح پر کالجزلیول کی تعلیمی سہولتوں سے لڑکے اور لڑکیوں کی شرح تعلیم میں

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

اضافے سے علاقائی اور ملکی ترقی میں ان علاقوں کی افرادی قوت میں اضافہ ہوگا۔

علمی وادبی تنظیموں کی سرکاری سرپرستی اور مدد سے اس علاقے کی تاریخ و ثقافت کو محفوظ اور متعارف کرایا جاسکتا ہے۔

اگراشکومن سے تاجکستان روڑ اور شندور سے چترال روڑ بنتا ہے توان دونوں صورتوں میں گلگت بلتستان کی معیشت میں بہت اضافہ ہوگا نہ صرف ہزاروں لوگوں کو روزگار ملے گی بلکہ ملک کے دیگر حصوں سے رابطے میں آسانی ہوگی۔

توانائی کے متبادل طریقوں پر بھی سوچنا چاہیے کیونکہ اس علاقے کے جنگلات تقریباً ختم ہونے والے ہیں۔ بجلی یا گیس پائپ لائین کے بارے میں منصوبہ بندی سے مستقبل میں ہمسایہ ملکوں سے گیس پائپ لائنیں لائی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ پن بجلی کے سب سے زیادہ منصوبے غذر کے نالوں میں بنائے جاسکتے ہیں جن میں سے چند ایک کی سروے بھی ہوچکی ہے۔

غذر کے نوجوانوں سے مستقبل میں یہ امید کی جاتی ہے کہ تعلیم کے میدان میں اپنے ہدف تک رسائی حاصل کریں۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اپنا کردار ادا کرکے اس سر زمین کو دوسرے ترقی یافتہ علاقوں کے برابر لانے کی کوشش کرسکیں۔

امن' اتحاد' سادگی' فیاضی' بھائی چارہ اور مہمان نوازی کے عظیم روایات کو آگے بڑھا کرمعاشرتی ہم آہنگی اور یکجہتی پیدا کی جاسکتی ہے۔

ب: مشکلات وخدشات

مشکلات اور خدشات کسی بھی علاقے میں ہوتے رہتے ہیں آنے والے وقتوں میں ہم صحیح منصوبہ بندی اور کام نہ کریں تو ان مشکلات کا شکار ہوسکتے ہیں۔

غذر ایک سیاحتی علاقہ ہے اور اسی سے معاشی ذرائع پیدا ہوتے ہیں مستقبل میں قدرتی آفات' بارشوں اور سیلابوں سے یہاں کے راستے اور دریا کے ساتھ آبادی متاثر ہوسکتی

ہیں۔ بر وقت منصوبہ اور دوراندیشی سے مضبوط سڑکیں اور پل نہ بننے کی صورت میں ان قدرتی آفات سے انسانی آبادی متاثر ہوگی۔

ذرائع آمدن صرف اورصرف زراعت اور مال مویشی کو رکھنے کی صورت میں ہم پوری آبادی کوخوراک بہم نہیں پہنچاسکیں گے۔ مثال کے طور پر فصلیں بہتر نہ ہویامال مویشیوں کو بیماری وغیرہ آئے تو متبادلات کیا ہوسکتے ہیں؟

نوجوانوں کا ایک ہی پیشے کی طرف رجحان سے بھی مستقبل میں ہم ایک ہی خیال کے لوگوں میں تبدیلی نہیں لاپائیں گے۔ یعنی تمام انڈوں کوایک ہی ٹوکری میں نہیں رکھا جانا چاہیے۔

مسقبل میں ایک ہی شعبے میں تخصیص کارکے جہاں فائدے ہونگے وہاں نقصانات بھی ہونگے مثلاً اسمبلی ممبراسمبلی ممبر ہی رہے گا' استاد عمربھراستاد ہی رہے گا' فوجی فوجی رہے گا' مولوی مولوی رہیگا' دکاندار دوکاندار ہی رہے گا' چرواہا چرواہا ہی رہے گا'۔۔۔ توسماجی اور معاشرتی اخلاقیات میں مربوط اقدارنہیں رہیں گی کیونکہ ہر شخص ایک مخصوص رویے کے ساتھ معاشرے میں اور کسی کوتسلیم کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوگااس طرح ایک دوسرے کوقبول نہ کرنے کی وجہ سے معاشرتی بدحالی ہوسکتی ہے۔

مختلف طاقتیں مذہب اور ثقافت کے نام سے لوگوں میں اختلافات پیداکرسکتے ہیں۔ اس کے لئے مرکزی علاقوں میں مل جل کرلائحہ عمل بنانے کی ضرورت ہوگی۔

مختلف میڈیم کے سکولوں کے بچوں میں ہم آہنگی کم ہوسکتی ہے۔

پیسے اور آمدن کی لالچ معاشرتی برائیاں جنم لیں گی لوگ خوب سے خوب ترکی تلاش میں ایک دوسرے کوکچلنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ زمین اورجائیدادوں کی خرید و فروخت کرنے والے مرکزی علاقوں کے لوگ اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے اپنی ہی زمین میں کرایہ داربن کر رہناشروع کریں گے جیسے ملک کے دوسرے حصوں میں ہو

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

رہا ہے۔

علم وہنر سے بے خبر لوگ اپنے کئے پر پچھتائیں گے لیکن پھر بھی اپنی نئی نسل کو تعلیم دینے کے بجائے ماضی پر ماتم کرتے رہیں گے۔ بڑے بڑے گیٹ اور مکانات کے مالکوں کے بچے ان کو اُکھاڑ کر چھوٹے چھوٹے گھروں کی تعمیر کریں گے۔ ماضی کے مقبول خاندان اپنی دولت پر گھمنڈ کی وجہ سے زمانے کی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے اس خلاء کو چھوٹے خاندانوں کے لوگ پُر کریں گے جس کی وجہ سے سماج غیر متوازن ہوگا۔۔۔ ایک بڑے انقلابی دور کے بعد معاشرے میں ٹھہراؤ آئے گا تب تک اس علاقے میں بالکل ایک نئی نسل جنم پا چکی ہوگی۔

دیہاتوں سے لوگ مرکزی علاقوں میں آئیں گے جہاں نسلی، لسانی اور ثقافتی گونا گونی ہوگی اس تکثیری ماحول کے بچے اپنی مادری زبان وثقافت بھول بیٹھیں گے اس وجہ سے لباس، کھانے، رویئے، اقدار اور سوچ بدل جائینگی۔

امن، اتحاد، سادگی، فیاضی، بھائی چارہ اور مہمان نوازی کے عظیم روایات مادی ترقی اور عالمگیریت کی وجہ سے معدوم ہوجائینگے لوگ ان روایات کو اپنے اقدار کے بجائے پیسے اور غرض کی بنیاد پر ادا کرینگے جس کی وجہ سے رشتوں اور برادریوں میں وہ مضبوطی نہیں رہے گی جو کبھی تھی، ان وجوہات کی وجہ سے معاشرتی ہم آہنگی اور یکجہتی نہیں رہے گی۔

شہروں اور قصبوں میں مہمانوں کی آمد لوگوں کے لئے خوشی کے بجائے مشکلات پیدا کریگی جس کی وجہ سے اس قدر میں کمی آئے گی۔

جمود زندگی، زندگانی نسل بشری میں نہیں یارو
بدل جائے گا بے شک فکر انساں ہم نہیں ہونگے
(سید رشیدالدین سنانؔ)

اصطلاحات اور ان کا مفہوم

ایف۔سی۔آر۔	فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن Frontier Crimes Rules
مہاراجہ	سری نگر کی ڈوگرہ حکومت کے راجوں کا بڑا راجہ
پولیٹیکل ایجنٹ	گلگت ایجنسی کے قیام کے بعد انگریزوں کی طرف سے سرکاری نمائندہ جو مقامی حکومت کی سرپرستی کیلئے ہوتا تھا
خلیفہ	اسماعیلی مسلمان گاؤں کے عالم دین اور مذہبی رسومات ادا کرنے والے کو خلیفہ کہتے ہیں۔
ریاست	تحصیل سطح کے انتظامی علاقے کو ریاست کہتے تھے جس کا سربراہ گورنر ہوتا تھا
لوک کہانی	گاؤں کی قدیم کہانیاں جو سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہے
شربت	ایک مقامی کھانا جو آٹا میں دیسی یا بازاری تیل ملاکر بنایا جاتا ہے
گولی	نرم خمیر سے تیار دیسی روٹی جس پر دیسی گھی یا تیل ڈال کر کھائی جاتی ہے۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ہے ماز	موسم بہار کی ایک رسم کا نام ہے جو دیسی گھروں میں منایا جاتا ہے۔گھر میں آگ جلا کر اس پر آٹا چِٹکا دیتے ہیں اور مخصوص گانے گاتے ہیں۔
گھالی/ گالی	پہاڑی سلسلہ یا نالہ کو شینا میں گھالی کہتے ہیں
ہنی ساری	وادی اشکومن کا پرانا نام
ورشگوم	یاسین کا قدیم ریاستی نام
شندور	گوپس کے سرحدی علاقے کا نام جہاں پولوگراونڈ بھی ہے
پُویاں	تحصیل پونیال کا پرانا نام
جماعت خانہ	شیعہ امامی اسماعیلی مسلمانوں کی عبادت گاہ
آشتقال	گاؤں میں بڑی عمر کے معزز آدمی
مہتر	چترال کے قدیم حکمران کا لقب اس کے معنی راجہ' حکمران کے ہیں
کوٹ	قلعہ' گاؤں کا مرکزی بڑا گھر جہاں لوگ اجتماعی طور پر رہتے ہوں
نسالو	سردیوں میں گوشت کھانے کے لئے ایک جانور ذبح کیا جاتا ہے اس رسم کو نسالو کہتے ہیں
گل	قدیم زمانے میں دریا پار کرنے کیلئے درختوں کی شاخوں سے ایک دیسی پل بنایا جاتا تھا اس کو گل کہتے ہی
MIED	موئنٹن انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ
AKESP	آغا خان ایجوکیشن سروس' پاکستان

دیرم	گندم کے دانے چند دن پانی میں بگوئے جاتے ہیں پھر ان کو پیس کر ان کے آٹے سے ایک مخصوص کھانا بنتا ہے اس کو دیرم کہتے ہیں
کوہ	تنگ پہاڑی وادی کو مقامی زبان میں کوہ کہتے ہیں
مُکھی	اسماعیلی مسلمان جماعت خانہ لیول کے مقامی مذہبی لیڈر کو کہتے ہیں جو دُعا بندگی اور دوسرے رسومات میں ان کی قیادت کرتا ہے
کامڑیا	جماعت خانے میں مُکھی صاحب کے ساتھ ایک اور راہنما جو ان کی غیر حاضری میں مذہبی رسومات کی قیادت فراہم کرتا ہے
سیح/ سیہ	قدیم زمانے کے قبائلی دشمن جو اچانک قلعوں پر حملہ کرتے تھے
سان	شراب کے ذخیرہ اور بنانے کی جگہ کو مقامی زبان میں سان کہتے ہیں
اِشپری	ایک تھال میں روٹی کے اوپر دیسی گھی ڈال کر مہمان کو ہر خوشی کے موقعہ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میزبان اس کو پیش کرتے ہیں اور مہمان اس پر کچھ پیسہ یا کوئی چیز رکھتے ہیں۔عموماً شادی بیاہ' پیدائش اور دیگر خوشیوں میں اس کو پیش کیا جاتا ہے
پیر	پیر کا لفظ ایک مذہبی ٹائٹل ہے۔ اسماعیلی مسلمانوں کے ہاں اس سے مراد وہ اعلیٰ مذہبی عہدہ ہے جو ان کے حاضر امامؑ کی طرف سے مذہبی خدمات کے اعزاز کے طور پر دیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ امام سلطان محمد شاہؒ آغا خان سوم نے 1905ء سے بند کر دیا اِس کے بعد سوائے سبز علیؒ کے کسی کو پیر کا خطاب نہیں ملا۔ تاہم گلگت بلتستان میں لوگ احتراماً پیروں کی اولاد کو بھی پیر کہتے رہے ہیں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

AKRSP	آغاخان رورل سپورٹ پروگرام
حریب	گلگت بلتستان کی روایتی موسیقی جوایک بانسری سے بجایاجاتا ہے
شوارن	شینا زبان میں پولوگراونڈ کو کہتے ہیں۔یعنی لمبامیدانی کھیت
ہارائے	ہارائے شینا زبان میں جھونپڑی کوکہتے ہیں جو سرحدی علاقوں میں صرف لکڑیوں سے بنایاجاتاہے۔
دائل	دائل چڑیل کوکہاجاتاہے۔
رسم خمالے	گاؤں سے نالہ جانے کے چنددن بعدایک کھانا دیا جاتاہے اس کورسم خمالے کہتے ہے اس کھانے پہ تمام ہمسائے ان چار مہینے اتفاق' اتحاد اوردیگراہم فیصلے کرنے کے ساتھ نالے میں محفوظ دن گزارنے کیلئے اس کو خیرات اور نیاز کے طورپربھی دیاجاتاہے
رسم تالینی	شیرقلعہ میں ایک مقامی رسم جو خشک لکڑیوں کے گچھے کو چراغ بناکر جلایاجاتاہے۔جوظلموں کے دلوں کو پھٹکانے کے واسطے ہوتی تھی۔
دُومن کھِیا	پونیال کی ایک مقامی رسم جس میں بہت زیادہ کھانیں بنائیں جاتے ہیں اس دن کے بعدسردی کےموسم کاآغاز ہوتاہے
رسم بھوہ	کاشت کاری کے وقت ایک بچے کو بیل بنایاجاتاہے اس کو مقامی زبان میں بوہ کہتے ہیں
Ra'ahراء	شینا زبان میں راجہ کو راء کہتے ہیں
حاریبا	ایک علاقائی کھانے کانام ہے بروشسکی میں حاریبا' شینا میں پختی اورفُو لیئے گوپس کی شینا میں لاجک' کھوارمیں چَپ ۔

شاروکی	موسم خزاں کو شینا میں شاروکی کہتے ہیں
اشکھر	راجہ صاحب اپنے رعایا کولیکر شکار کھیلتے تھے اس رسم کو اشکھر کہتے ہیں۔

حوالہ جات

☆۔ تاریخ اور تحقیق، ڈاکٹر مبارک علی' فکشن ہاؤس، لاہور پاکستان' 2002ء

☆۔ ہندوکش کے قبائل' از جوں بڈلف، ترجمہ جاوید شاہین' سنگِ میل پبلی کیشنز ، لاہور پاکستان،۱۹۹۱ء

☆۔ گلگت سکاؤٹس' میرزادہ محمد شاہ خان، گلگت پاکستان

☆۔ پاکستان کے آثار قدیمہ' شیخ نوید اسلم، بُک ہوم لاہور،2008ء

☆۔ شاہ رئیس کی تاریخ گلگت' پروفیسر احمد حسن دانی،سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، 2000ء

☆۔ پاکستان کاثقافتی انسائیکلوپیڈیا' شمالی علاقہ جات،لوک ورثہ اسلام آباد،الفیصل ناشران، لاہور۔

☆۔تاریخ پاکستان' وسطی عہد، یحیٰی امجد، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1997ء

☆ تاریخ اقوام دردستان و بلوستان، عبدالحمید خاور، گلگت پاکستان، 2009ء

☆ گلگت اورشینا،ڈاکٹر فرویدن الزمان محمد شجاع ناموس،لاہور،فروز سنزلمیٹڈ 1961

☆ شمالی پاکستان،ندوی، رشید احمد، لاہور، سنگ میل پلیکیشیز،۱۹۹۰ء

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

☆ تاریخ جموں' حشمت اللہ لکھنوی، میر پور آزاد کشمیر' ۱۹۹۱ء

☆ گلگت کی روگ کہانی ،عثمان علی ،لاہور، مقبول اکیڈمی ،دیال سنگھ پنشن شاہراہ قائد اعظم ،۱۹۹۲ء

☆ معاشرتی علوم سوم ،عثمان علی ،لاہو، نقوس پریس ۲۰۰۰ء

☆ تاریخ چترال، محمد عزیز الدین، منشی ،لاہور۔سنگ میل پلی کیشنز،۱۹۹۱ء

☆ گلگت ۱۹۷۴ء سے پہلے، گھنسارا سنگھ، برگیڈیر (۱۹۴۷ء) ترجمہ از برچہ، شیر باز علی، گلگت، ہنی سارا پلیشرز، مارچ ۲۰۰۰ء

☆ انڈس کوہستان' کوہستانی، رازول، راولپنڈی، ٹی ایس پرنٹرز، اپریل ۱۹۹۸ء

☆ تاریخ عہد عتیق ہنزہ' قدرت اللہ بیگ ،بلتت ،ہنزہ، ۱۹۸۰ء

☆ واخان' عنایت اللہ فیضی، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

☆ آزادی گلگت بلتستان' غلام رسول، ۲۰۰۴ء ون انٹرنشنل پبلیشرز راولپنڈی، پاکستان

☆ تاریخ شاہان چترال و معلومات ٹورسٹ' اخونذادہ مرزا فضل واحد بیگ سلجوقی، چترال پاکستان، ۲۰۰۶ء

☆ ہیون سانگ کا سفر نامہ ہند (۶۴۶ء) ترجمہ یاسر جواد' تخلیقات لاہور' ۲۰۰۱ء

☆ سرحدوں کی تلاش، کرنل الجیرنن ڈیورانڈ مترجم لفٹینٹ کرنل (ر) غلام جیلانی خان، دوست پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۸ء

☆ وادی چترال' جمال حیدر صدیقی' بی پی اے پبلیکیشنز اسلام آباد' ۱۹۹۶ء

☆ کہسارون کی زمین میں چند روز۔گلگت اوربلتستان' سید مبارک علی عاجز' ۱۹۸۳ء

☆ تعارف اقوام چترال، اخونزادہ مرزا فضلِ واحد بیگ، پشاور پاکستان' ۱۹۹۶ء

☆ تہذیب کی کہانی۔پتھر کا زمانہ' ڈاکٹر مبارک علی' ایکشن ایڈ انٹرنیشنل پاکستان' لاہور

☆ خطۂ قراقرم۔زبانیں اور معاشرہ' عثمان علی' مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۹۶ء

☆ تاریخ قدیم ہندوستان' رماشنکر تر پاٹھی' ترجمہ سید سخی حسن نقوی' سٹی بک پوائنٹ کراچی' ۲۰۰۶ء

☆ چترال' عنایت اللہ فیضی، لوک ورثہ گھر' اسلام آباد

☆ جنگل کے باسی' (شمالی علاقہ جات کی جنگلی حیات) غلام رسول' سعد پرنٹرز راولپنڈی' ۱۹۹۷ء

☆ تصویر کشمیر' ڈاکٹر ایم ایس ناز 1992ء

☆ نقشہ شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) نیا ایڈیشن از پروفیسر منظوم علی 2004ء

☆ 'گلزار ملنگ جان' 1965ء

☆ بانگِ دراز علامہ محمد اقبالؒ ، مکتبۂ امتیاز، لاہور

☆ سرور شہید سے لالک جان تک' سرفراز احمد راہی' حق پبلیکیشنز' لاہور، پاکستان

☆ کارگل کے ہیرو' محمد اسلم لودھی' دُعا پبلی کیشنز لاہور' پاکستان ۲۰۰۱ء

☆ شمالی پاکستان کے خوبصورت وادیاں' مسعود احمد نیرؔ' بھٹی پبلیشر' لاہور ۹۵۔۱۹۹۴ء

☆ شمالی علاقہ جات کالسانی و ادبی جائزہ' سید عالم استوری' طاہر پرنٹرز اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

☆ شمالی علاقہ جات کی لوک کہانیاں (حصہ اوّل)' سید عالم استوری' طاہر پرنٹنگ اسلام آباد

☆ گلگت سے ہندور تک' عبدالسلام نازؔ' گل بکاوٗلیز پبلی کیشنز' گلگت

☆ فاہیان کا سفر نامہ ہند' یاسر جواد' ۲۰۰۰ء

☆ تاریخ بلتستان' محمد حسین آبادی' بلتستان بک ڈپو ۲۰۰۳ء

☆ بروشو قبائل اور بروشال' سید محمد یحییٰ الحسینی' نارتھ نیوز گلگت ۲۰۰۶ء

☆ بغاوت گلگت' میجر ولیم الیگزنڈر براوٗن' مترجم ظفر حیات پال' نارتھ نیوز پبلی کیشنز گلگت ۲۰۰۹ء

☆ شینا لوجی' پروفیسر عثمان علی' لاہور ۱۹۹۱ء

☆ ضلع گلگت کے قبائلی رسم ورواج' سردار صاحب سردار ٹھاکر سنگھ' مترجم

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

ظفر حیات پال' نارتھ پبلی کیشنز گلگت' مئی ۲۰۱۰ء

☆ فکر و نظر' عبدالکریم کریمی' زیڈ۔اے پرنٹرز کراچی' 2009ء

☆ وادی اشکومن' محمد جان' تایا پرنٹرز لاہور، 2010ء

رسالے اور اخبارات

1۔ k-2 میگزین، (راولپنڈی)، گلگت، دسمبر ۲۰۰۱ء

2۔ اسماعیلی پاکستان، شمارہ نمبر ۱۱ کراچی، اپریل، جون ۱۹۹۴ء

3۔ معمار وطن، راجہ محمد کریم مدیر اعلیٰ، (۱۹۹۴ء) 957/c علی بستی گولیمار کراچی

4۔ کوہ دامن کی وادیاں، لکچرر فضل محمود سواتی

5۔ مجلّہ بروشال، سید محمد یحییٰ شاہ، شمالی علاقہ جات

6۔ سہ ماہی فکر و نظر (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۰ء) ہیڈ آفس الجناح مارکیٹ گاہکوچ' غذر

7۔ ہفتہ روزہ وادی میگزین اکتوبر ۲۰۱۰ء

8۔ روزنامہ کے۔ٹو' بادشمال' اذان' صدائے گلگت' نقارہ' بانگ سحر اور روزنامہ اوصاف
گلگت بلتستان میں شائع ہونے والے ہسٹری پر مشتمل فیچرز ۲۰۰۵ء سے ۲۰۱۱ء

9۔ بانگ سحر کراچی ستمبر اکتوبر ۲۰۰۶ء

10۔ سہ ماہی فکر و نظر غذر گلگت بلتستان/چترال' جنوری تا جون ۲۰۱۲ء

1.The Gilgit Game, Jhone Keay, Oxford University Press, 2001 5th edition printed in Pakistan.

2. The Story of Gilgit-Baltistan and Chitral, F.M.Khan, Eejaz Publishers Gilgit, 2002

3. History of Northern Areas of Pakistan, Dr. Ahmad Hassan Dani, Sang-e- Meel Publications Lahour Pakistan, 2001

4.The Jummo and Kashmir Territories, F. Drew, Karachi, 1980.

5. Language the Hunting in the Karakuram, E.O. Lorimer, Indus Publications Karachi, 1938-1989.

6. N.P.Chakravari, Hatun Inscription of Patola deva. E.I., vol.xxx, 1953-54.

7. The Murder of History, K.K. Aziz, Vaugared book Lahore Pakistan 2004.

8. Chitral, a Study in Statecraft (1320-1969), IUCN (2004) Karachi Pakistan. Hamdard press (pvt) limited.

9. The Relief of chitral, younghusband, Vanguard books (pvt) LTD lahore Pakistan, 1998

World Wide Web

1. www.gbdoe.pk
2. www.mygilgit.com
3. www.wikipedia.com
4. www.akdn.org.com
5. www.ghizer.com
6. www.ccs.iucnp.org
7. www.dardistantimes.com

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com

8. www.pamirtimes.com

9. www.myghizer.com

10. http://www.asc-centralasia.edu.pk/Issue_61/09-FA
TA_UNDER_FCR.html retied 18/12/12

(نوٹ): ''کتاب کے سرورق پر اشکومن خاص کے چراگاہ' حوالدار لالک جان کے مزار اور ہندور یاسین کے پس منظر کے ساتھ ساتھ وادی پھنڈر کی تصویر ہے۔کتاب کے سرورق کے پشت پر وادی اشکومن کے نالہ متھن تھر میں واقع آٹر جھیل کی تصویر کے ساتھ ساتھ مصنف کی پہلی کتاب وادی اشکومن کا ٹائیٹل شامل ہے''۔

مصنف کا تعارف

محمد جان رحمت جان کا تعلق گلگت بلتستان ضلع غذر وادی اشکومن کے گاؤں مومن آباد اشکومن سے ہے۔آپ نے اے۔آئی۔او۔یو سے سوشیالوجی میں ایم۔ایس۔سی' ہمدرد یونیورسٹی کراچی سے بی۔ایڈ اور اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی' اسلام آباد سے اسلامی قانون کورس shari'a and law course کی ایک سالہ کورس کے ساتھ ڈیڑھ سالہ عربی زبان کا ڈپلومہ کی ہے۔ سماجی کارکن ہونے کے ساتھ مذہبی اسکالر کے طور پر اطرب پاکستان میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ نے آغاخان ایجوکیشن سروس میں درس و تدلیس کے ساتھ گورنمنٹ سکول میں بھی تدریس کی خدمات دی ہے۔ انسٹیٹیوٹ آف اسماعیلی اسٹیڈیز' لندن سے آئی۔ڈبلیو۔ٹی۔پی گریجویٹ اور منٹور (Mentor) بھی رہے ہیں ان دِنوں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی'اسلام آباد میں ایم۔ایس (شریعہ اینڈ لاء) کے مطالعے میں مصروف ہے۔تحقیقی مقالہ جات میں انسٹیٹیوٹ آف اسماعیلی اسٹیڈیز' لندن کے ایک پروگرام کیلئے ''مذہبی تعلیم میں ماؤں کا کردار'' اور ہمدرد یونیورسٹی میں بی ایڈ کے لئے ''سقراطی طریقہ تدریس اور طریقہ سولات'' پر مقالہ لکھا ہے۔

علاقائی تاریخ و ادب سے آپ کی ذاتی دلچسپی ہے اس سلسلے میں آپ کی پہلی کتاب'وادی اشکومن تاریخ کے آئینے میں'۲۰۱۰ء کو شائع ہوئی ہے۔ دوسری کتاب'سرزمین غذر' آپ کے ہاتھوں میں ہے تیسری کتاب''موجِ ہنی ساری'' اور چوتھی کتاب''اخبار کی آنکھ سے'' کے نام سے زیر تکمیل ہے۔اخبارات جن میں روزنامہ بانگ سحر'روزنامہ بادشمال' روزنامہ محاسب' روزنامہ K-2' روزنامہ صدائے گلگت'ہفت روزہ سیاچن اور میگزین جن میں فکرو نظر گلگت بلتستان/چترال' وائس آف گلگت' بیاک' کے ساتھ ساتھ آن لائین ویب سائیڈ اور نیوز بلاک جن میں پامیر ٹائم' مائی غذر' دردستان ٹائم' مائی اشکومن' چترال ٹائم اور دیگر بلاک(ز) میں بھی ارٹیکلز محمد جان رحمت جان کے نام سے لکھتے رہتے ہیں۔

آپ مستقبل میں قومی ادب' ثقافت'زبان' تاریخ اور سیاحت پر تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory trial version www.pdffactory.com